ابنِ یمین!

فارسی کے مشہور شاعر ابنِ یمین کے حالاتِ زندگی اور
اُس کے کلام پر تبصرہ

مؤلفہ

مولٰینا عبدالسّلام صاحب ندوی

جس کو
صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاوالدین
لاہور کیلئے
ملک محمد الدین صاحب منیجنگ ڈائرکٹر و ایڈیٹر رسالہ صوفی
نے
دفتر عام پریس ریلوے روڈ لاہور میں باہتمام میاں محمد صدیق پرنٹر چھپوا کر

اور مفید کتاب ہے۔ قیمت ایک روپیہ (عـ/ر)

فلسفہ خواب

جس میں حسب تحقیق علمائے اسلام مسئلہ خواب پر تفصیلی بحث کی گئی
جس میں خواب کے بارے میں فلاسفہ قدیم کے تمام مختلف خیال
عام فہم سلیس اور واضح طور پر یکجا کر دیا ہے۔ جہانتک ہمارا خیال
اس موضوع پر اردو زبان میں ابتک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ مؤلفہ مولینا محمود علی خاں صا
انڈر سیکرٹری محکمہ تعلیم ریاست بھوپال۔ قیمت دس آنے (۱۰/ر)

حیات امام مالکؒ

سُنی مسلمانوں میں چار طریقے جو چاروں اماموں سے چلے آ
اُن میں ایک حضرت امام مالکؒ ہیں۔ جنکی حیات طیبہ
ہے آپ مدت العمر مدینہ منورہ سے باہر نہیں گئے اس شو
کہ اسی خاک پاک میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہو۔ شہر سے دو میل باہر جا کر آپ قضائے حا
فرماتے تھے ایسا ادب اور شوق خدا ہر مسلمان کو عطا فرمائے۔ قیمت ۳/ر

حالات مولینا روم

اس کتاب میں پہلے ایڈیشن کی نسبت بہت سے مف
اور فرقہ مولویہ کے رقص کا نظارہ ایزاد کئے گئے ہیں
مولینا روم کے مفصل حالات زندگی۔ قیمت ۱۲/ر

ذوالنون مصریؒ

آپ زمانہ سلف کے مشہور منجم تھے اور فلاسفر تھے پھر
الٰہی میں ہر چیز کو چھوڑ دیا اور وہ مرتبہ حاصل کیا کہ
آپ کا نام ادب سے لیا جاتا ہے۔ یہ کتاب آپکے حا
میں ہے۔ قیمت چار آنے (۴/ر)

سات ستارے

اس کتاب میں سرزمین پنجاب کے سات درخشندہ ستا
حضرت فرید الدین گنجشکرؒ۔ حضرت مادھو لال حسینؒ۔ حض
وارث شاہ صاحب مصنف ہیر و رانجھا۔ حضرت سل
بلھے شاہ صاحبؒ۔ چھجو بھگت صاحب۔ پورن بھگت صاحب۔ گورو رام داس صا
کے حالات نہایت تحقیق سے درج کئے گئے ہیں۔ قیمت ۱۲/ر

یاد رفتگان

اس کتاب میں پنجاب کے جملہ اولیائے کرام وصوفیائے عظ
حالات درج ہیں۔ سر ڈاکٹر محمد اقبال اور خواجہ حسن نظامی
اس کتاب کو از حد پسند فرمایا ہے۔ قیمت ۱۲/ر

خداشناسی او خدارسی کا سچا رہبر۔ تصوف کے بےنظیر اور لا

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامِداً و مُصلّیاً

دیباچہ

شعرائے ایران میں سعدیؔ اور ابن یمین نے اخلاقی شاعری میں خصوصیت کے ساتھ ناموری حاصل کی ہے، اور فارسی شاعری میں اخلاق کا جو ذخیرہ موجود ہے۔ وہ زیادہ تر انہی دونوں بزرگوں کا جمع کیا ہوا ہے، لیکن با این ہمہ ابن یمین تاریخی حیثیت سے شیخ سعدی کی طرح خوش قسمت نہیں ہے، کیونکہ ایک طرف تو شیخ سعدیؔ کا نام بچہ بچہ کی زبان پر ہے، دوسری طرف چھوٹی چھوٹی سوانح عمریوں کے علاوہ اردو زبان میں مولٰنا حالیؔ نے اُن کی جو مفصل سوانح عمری لکھی ہے، اُس نے اُن کی جلالت شان کو اور نمایاں کر دیا ہے، لیکن اِس حیثیت سے ابن یمین اس قدر بدقسمت ہے، کہ اُس کے متعلق اُردو زبان میں ایک مختصر سا رسالہ بھی نہیں مِل سکتا، تقریباً فارسی بلکہ یورپین زبانوں کا بھی یہی حال ہے ؂

اس کے حالات سے زیادہ اہم یہ ہے، کہ اُس نے جس زمانہ میں نشو و نما پائی ہے، اُس کا قدرتی اثر اس کی شاعری پر کیا پڑ سکتا تھا، اور اِس حالت میں اُس سے کسی قسم کے اخلاق

دور کے سیاسی تغیرات و انقلابات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جن سے ابن یمین کو گذرنا پڑا ہے ؞

انہی دونوں حیثیتوں کو پیش نظر رکھ کر ایک ایرانی مُصنّف رشید یاسمی نے ابن یمین کے حالات میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس میں ۲ دو باب اور چند فصلیں ہیں۔ پہلے باب میں بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اُس کے حالات زندگی نہایت تحقیق کے ساتھ لکھے ہیں۔ اور اُس زمانے کے سیاسی تغیرات و انقلابات کے ساتھ اُن کو مربوط کیا ہے۔ ۲ دوسرے باب میں اُس کے اخلاق، مذہب، خاندانی تعلقات، معاش و جائداد اور شاعری سے بحث کی ہے۔ اور اس طریقہ سے ابن یمین کی مادی اور رُوحانی زندگی کے ایک ایک خال و خط نمایاں ہو گئے ہیں +

چونکہ اُردو لٹریچر ابن یمین کے حالات سے بالکل خالی ہے اور فارسی تذکروں کی ریزہ چینی سے بھی اس قدر مفصّل حالات نہیں معلوم ہو سکتے اس لئے ہم نے اس رسالہ کو اُردو قالب میں ڈھال دینا مناسب خیال کیا +

عام مقبولیّت کے علاوہ ابن یمین کا کلام نصاب تعلیم میں بھی داخل ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ یہ رسالہ دلچسپ ہونے کے ساتھ طلباء کے لئے مفید بھی ہو گا +

عبدالسّلام ندوی

شبلی منزل۔ اعظم گڈھ

مقدمۂ مصنف

میں ابن یمین فریومدی کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کا ہمیشہ سے متمنی تھا، لیکن افسوس ہے کہ تذکروں نے چند سطروں سے زیادہ میری تمنا کے پورا کرنے میں مدد نہ دی، وہ بھی بعض چیزوں میں باہم موافق اور بعض چیزوں میں باہم مخالف تھے، مثلاً یہ بالکل معلوم نہ ہوسکا کہ قطعہ کے علاوہ ابن یمین شاعری کی دوسری اصناف میں بھی دستگاہ رکھتا تھا، یا یہ کہ اس کے ممدوح جیسا کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کون کون لوگ تھے؟

دولت شاہ سمرقندی کے نزدیک وہ صرف سربداروں یا سربدالوں کا مداح تھا، صاحب مجمع الفصحا اس کو صرف طغا تیمور خاں کا مداح سمجھتے ہیں اور پروفیسر براؤن کو اس کے سربداروں کے مداح ہونے میں شبہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس کے ممدوحین، خاندان، سفر، تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کے متعلق کچھ بھی مواد نہ مل سکا اور بیچارے تذکرہ نویس اس ابہام اور اختصار پر مجبور بھی تھے، کیونکہ اس کا دیوان گم ہوچکا تھا اور اس سے زیادہ اس کے حالات کی تحقیق نہیں ہوسکتی تھی اس کے دیوان کے جو نسخے ہاتھ آئے ان میں قطعات کے سوا اس کے دوسری اصناف کلام موجود نہ تھے۔ اس کے تمام قطعات کے مجموعے میں ایک نسخہ ہاتھ آیا جو ۱۸۶۵ء میں جماعت اشاعت علوم کی اعانت سے مطبع مظہر العجائب کلکتہ میں چھپا ہے لیکن اشعار کی تعداد کی کمی کے ساتھ اس کی ایک سطر بھی غلطی سے خالی نہ تھی اور ممالک میں بھی ابن یمین کے اشعار کے چھاپنے کی طرف پیشقدمی نہیں کیگئی صرف شکٹاشہارڈ (Schlechta wsslhrd) نے جرمنی میں اس کے قطعات کے ایک حصہ کا ترجمہ کیا ہے اور اس کو چھاپا ہے۔ ان اسباب نے مجھ کو ابن یمین کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے متعلق سخت مایوس کر دیا، لیکن ایک عالم نے جناب آقا میرزا علی اکبر خاں   مدیر مدرسہ علوم سیاسیہ کو جو آزادی خیال اور اشاعت علم کے متعلق اخبار صور اسرافیل اور دوسری کتب و رسائل کے ذریعہ سے بیش بہا خدمات انجام دیکر

لیں، چنانچہ بہت سی زحمتوں کے بعد انہوں نے تقریباً آٹھ ہزار اشعار جمع کئے اور اس طرح گویا دیوان ابن یمین تقریباً مکمل ہوگیا اور کسی زمانے میں اس خوبی کے ساتھ اُس کی تدوین نہیں ہوئی تھی، اگرچہ اب بھی بعض دوستوں کا بیان ہے کہ اُس کے دس ہزار اشعار سے زیادہ طیس میں تھے جو حال میں شرارت پسند لوگوں کے ہاتھ میں پڑ کر نذر آتش ہو گئے۔

میں آقا سے وہ خدا کا مخلصانہ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنہوں نے اس بے نظیر مجموعہ کو تکمیل معلومات کی غرض سے چند دنوں کے لئے میرے مطالعہ کی نذر کیا جو ایسی اچھوتی معلومات پر مشتمل تھا جن سے کسی تذکرہ نویس کو واقفیت حاصل نہ تھی اور مجھے مسرت ہے کہ شاعر کے تعلقات اور اُس کے ماحول کے مناسبات سے واقف ہونیکے بعد میں اس قابل ہوگیا کہ ایک حد تک اس فراموش شدہ شاعر کی حیثیت کو قائم رکھ سکوں۔ جہانتک ہو سکے معاصرین اور واقعات زمانہ کے ساتھ اس کے تعلقات کو معلوم کرسکوں اُس کے اخلاق اور رجحانِ طبع کو واضح کرکے بقدر امکان اس کی شاعری کا درجہ قائم کرسکوں اور اس ابتدائی رسالہ کو ترتیب دے سکوں جس سے ایک حد تک اُس کے علمی اور فلسفیانہ عقائد معلوم ہو سکتے ہیں وہ دربارو مجلسوں، لڑائی کے میدانوں، علماء و حکماء کے کتب خانوں اور اخیر میں سبزوار، نیشاپور، ہرات اور گرگین کے محلات میں نظر آسکتا ہے۔ اُس کے خاندانی اور اندرونی واقعات سے بحث کر کے اُس کے اخلاق پر تنقید ہو سکتی ہے۔ اہلِ خاندان اور سلاطین و امراء کے ساتھ اُس کے تعلقات واضح ہوتے ہیں اور سب کے اخیر میں سال بہ سال اسکی شاعری کے انقلابات نظر آتے ہیں۔

ابن یمین کا دیوان ۷۴۲ھ میں گم ہوگیا اور وہ تمام اشعار جو اُس نے اپنی اوائل زندگی کے دو ثلث حصے میں کہے تھے ضائع گئے۔ اس کے بعد وہ دس سال تک اپنے گم شدہ اشعار کے جمع کرنے میں مشغول رہا اور جو کچھ اُس کے دماغ اور اُس کے دوستوں کی بیاضوں میں محفوظ تھا اُس کو جمع کیا اور اس کے بعد اُس نے جو کچھ لکھا اس کا اس

ہے اور ۷۶۹ھ تک اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ پہلا دور اُس کے عہد شباب، اُس کی مخصوص
غزلیات، رنگین اشعار اور اُن شاعرانہ مناظرات کو شامل ہے جو اُس نے اپنے باپ
امیر یمین الدولہ سے کئے ہیں، اور دوسرا دور جو اُس کے بڑھاپے کا زمانہ ہے۔ اُس
کے اخلاقی اور حکیمانہ اشعار، اور متین قصائد پر مشتمل ہے۔ لیکن نہایت افسوس ہے
کہ بجز اُس مختصر مجموعہ کے جس کو اُس نے بعد میں جمع کیا اُس کے پہلے دور کے
اشعار موجود نہیں، اور اس لحاظ سے اُس کا عہد جوانی نہایت تاریک حالت میں ہے؎
اس مسئلہ پر کہ ابن یمین متعدد ہیں، اور ان میں جو اشعار پسندیدہ ہیں وہ ایک
طرف اور جو ناپسندیدہ ہیں وہ دوسرے کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اِس
رسالہ میں مختصر سی بحث کی گئی ہے لیکن اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ دیوان کے پست
اشعار دوسرے ابن یمین کے ہیں تو اس سے ابن یمین فریومدی کے حالات میں
کوئی خلل واقع نہ ہوگا۔ کیونکہ ان اشعار سے جو غزلیات و رباعیات کی صورت
میں ہیں۔ اس کے حالات ہی نہیں معلوم ہو سکتے ؎

یہ رسالہ دو باب اور چند فصلوں پر منقسم ہے، پہلے باب میں اُس کی تاریخ زندگی
اور اُس کی سرگذشتِ حیات مذکور ہے، اور دوسرے باب میں اُس کے اخلاقی حالات
خانذانی تعلقات اور اُس کی شاعری کے درجہ سے بحث کی گئی ہے۔ یہ ابتدائی
کوشش ایک بڑے ایرانی شاعر کے حالاتِ زندگی کے نمایاں کرنے میں گو بہت کچھ
نامکمل ہو تاہم چونکہ اِس قسم کی تحقیقات کی ابتداء ہے اِس لئے اُمید ہے کہ
دوستداران ادب کو پسند آئیگی ؎

پہلا باب

پہلی فصل

جوانی

ایران کے تمام شعراء و اکابر کی طرح امیر فخرالدین محمود ابن یمین کے متعلق بھی اس سوال کے جواب دینے کے لئے کہ اس کا سال ولادت کیا ہے، ایک شخص کو جد و جہد کرنی پڑے گی اور جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اِس سوال کو ایک حیرت آمیز خاموشی کے ساتھ دوچار ہونا پڑے گا؛ اور بہت سی زحمتوں کے بعد بھی اس سے زیادہ کامیابی نہ ہو سکے گی کہ مخاطب سائل کو چند امارت و علامات کے ذریعہ سے خاموش کرنا چاہے گا +

تذکروں اور تاریخوں نے اس کے سال ولادت سے بالکل خاموشی اختیار کی ہے، اور نہ صرف خود خاموش ہیں بلکہ نہایت کوشش کے ساتھ اُس طریقہ کو بھی مخفی رکھا ہے جس کے ذریعہ سے اُس کا سال ولادت معلوم ہو سکتا ہے مثلاً جس شاعر نے کسی تقریب سے اپنی زندگی کے سالوں کا ذکر کیا ہے، اسکی مدتِ

نہایت اشتباہ کے ساتھ اُس کا سال ولادت بھی معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن مورخوں
اور تذکرہ نویسوں نے یا تو ابنِ یمین کے سالِ وفات کا ذکر ہی نہیں کیا ہے اور اگر
کیا ہے تو ایسی تاریخ لکھی ہے جو واقفیت سے دور ہے، دولت شاہ سمرقندی
جس کا تتبع تمام تذکرہ نویسوں مثلاً لطف علی آذر، امین احمد رازی۔ قاضی نوراللہ
شستری، ابوطالب تبریزی اور ہدایت طبرستانی نے کیا ہے۔ اُس کا سالِ
وفات ۷۴۵ھ بیان کرتا ہے، اور اس لحاظ سے جو شخص اس قطعہ کو ابن یمین
کے دیوان میں دیکھے گا

بہفتاد سالگی کہ دو چندانت عمر باد — ستر سال سے کہ تیری عمر اُس کی دوگنا ہو
کردست رنجش ابن یمین از جان ملول — بیماری نے ابن یمین کو تنگ کر رکھا ہے
پیری مخواہ زانکہ ندیدم کہ سوے پیر — بڑھاپا نہ چاہ کیونکہ بوڑھے کی طرف
آید زہیچ سوئے نسیم خوشش قبول — کسی طرف سے پچھم کی خوشگوار ہوا آتے ہوئے
میں نے نہیں دیکھی *

وہ بول اُٹھے گا کہ کم از کم شاعر ۶۷۵ھ کے لگ بھگ پیدا ہوا ہے۔ اس کے
بعد جب وہ آگے بڑھے گا اور یہ شعر اُس کی نگاہ سے گذرے گا۔

مرا ہفتاد و پنج از عمر بگذشت — نہ دیدم مردمی از ہیچ انسان

پچھتر برس کی میری عمر ہوئی لیکن میں نے کسی آدمی میں آدمیت نہیں دیکھی *
تو کہے گا کہ اس کی ولادت ۶۷۰ھ میں ہوئی ہے لیکن تذکرہ نویسوں کی رہنمائی
میں ایک شخص کو یہ بدترین گمراہی ہے۔ جو پیش آ سکتی ہے کیونکہ ایک شاعر کو چوتھائی
صدی پیچھے لے جانے اور خواجہ حافظ کے معاصر ہونے سے شیخ سعدی کا معاصر
قرار دینا سخت مغالطہ انگیز ہے لیکن اتفاقاً میں ایک روز کسی دوسرے مقصد سے
کتاب منتظم ناصری مولفہ اعتماد السلطنتہ مرحوم کا مطالعہ کر رہا تھا کہ ۷۶۹ھ کے
واقعات کے ضمن میں اس جملے کو دیکھا "وفات ابن یمین شاعر" اور اس سے

مذکرے کے بعد دیگرے اس کی تکرار کرنے آئے سے میری بدگمانی اور بڑھتی

اور جس قدر میں ابن یمین کے دیوان کے مطالعہ میں آگے بڑھتا گیا مجھے نظر آیا

کہ صاحب منتظم ناصری نے جو کچھ لکھا ہے وہی صحیح ہے۔ کیونکہ میں نے اُس کے

متعدد قصائد سربداران کے آخری تاجدار خواجہ علی مویدہ کی مدح میں دیکھے جس

نے ۷۶۶ھ سے ۷۸۰ھ تک مستقلاً سلطنت کی ہے۔ اس لئے جب اُس نے

علی موید کی مدح میں اس کثرت سے قصیدے لکھے ہیں تو ضرور ہے کہ اُس نے

اس کی سلطنت میں متعدد سال بسر کئے ہیں۔ اور ۷۶۶ھ کے بعد بھی کچھ دنوں

زندہ رہا ہے۔ اس بنا پر کم از کم ۷۶۶ھ کے تین سال کے بعد اُس کا سالِ وفات

قرار دینا پڑے گا +

جس دن پروفیسر براؤن کی تاریخ ادبیات ایران کی تیسری جلد ہاتھ آئی اور

ابن یمین کے حالات کے ضمن میں جو صرف دو صفحے ہیں اور زیادہ تر دولت شاہ کا

ترجمہ ہی ہیں۔ اُس حصّے پر پہنچا جو مجمل فصیحی خوافی (جو ۸۴۵ھ میں تالیف ہوئی ہے)

سے منقول ہے تو مجھ کو ابن یمین کے سال وفات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا کیونکہ

مجمل سے جو قطعہ نقل کیا گیا ہے اُس سے اُس کی وفات کا مہینہ اور دن بھی

معلوم ہو گیا :-

بود از تاریخ ہجرت ہفتصد یا شصت و نہ ۔ روز شنبہ ہشتم ماہ جمادی الآخرین

۷۶۹ ہجری سنیچر کا دن اور جمادی الثانی کی آٹھویں تاریخ تھی +

گفت رضوان حور را برخیز و استقبال کُن ۔ خیمہ بر صحرائے جنت بر زند ابن یمین

کہ رضوان نے حور سے کہا کہ اٹھ اور استقبال کر کیونکہ ابن یمین جنت کے

باغ میں خیمہ نصب کرتا ہے +

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے جس شاعر کی مدت عمر تقریباً معلوم ہو، اُس کی سالِ وفات

کا معلوم ہو جانا بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور اس ترتیب سے اگر ہم یہ فرض

[illegible] معلوم ہوئے

سے اشخاص کے حالاتِ زندگی پر بہت کچھ روشنی پڑ سکتی ہے لیکن اس موقع پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر زیادہ غور و فکر کے ساتھ گذشتہ ثابت شدہ مقدمات پر خطر ڈالیں، شاعر کی تاریخ وفات میں تو کوئی شک باقی نہیں رہا البتہ مدت عمر جس سے اصولاً سالِ ولادت کی تعیین ہوتی ہے کسی قدر مطالعہ کی محتاج ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ "میری عمر کے پچھتر سال گذر گئے" لیکن کیا کوئی دلیل ایسی موجود ہے جس کی بنا پر اُس کی عمر کو ہم صرف پچھتر ہی سال تک محدود رکھیں یا اس قسم کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ تاکہ جو اس مدت میں چند سال کا اور اضافہ ہو سکے۔ کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شاعر اس شعر کے کہنے کے بعد بھی چند روز اور مصائب زمانہ کے ساتھ دو چار رہا ہے ؎

تذکرہ نویسوں کو یہ حق حاصل ہے کہ ۴۵ھ کو اس کا سالِ وفات قرار دیں۔ کیونکہ اس سن کے حدود میں اُس پر ایک ادبی موت کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور ۴۳ھ تک اُس کا جو دیوان اُس کی عہد جوانی کے تمام اشعار پر مشتمل تھا ضائع ہو چکا تھا اور اُس کے لئے یہ موت طبعی موت سے زیادہ شاق ہوگی۔ چونکہ اُس کا دیوان گم ہو چکا ہے اس لئے اُس کے عہد جوانی پر سخت سیاہ پردہ پڑا ہوا ہے اور ہمارے لئے بلکہ شاید کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اُس کے بچپن اور جوانی کے اشعار کو پیدا کر کے تاریخی واقعات کے ساتھ اُن کی مطابقت کریں اور اُس کے پہلے شعر کو معلوم کر کے یہ اندازہ لگائیں کہ وہ کس سال پیدا ہوا؟ اور اپنی عمر کے کس زمانہ میں شاعری شروع کی؟ اُن منتشر اشعار کے سوا جن کے تدوین و تحفظ سے بعض اشخاص کو تعلق تھا اُس کے عہد شباب کے تمام اشعار آج معدوم ہیں، جو اشعار محفوظ رہ گئے ہیں اُن میں وہ تاریخی مادے ہیں جن کو دوسروں نے یاد رکھا ہے اور اُن میں قدیم تر وہ مادۂ تاریخ ہے جس سے ایک مدعیٔ وزارت

[illegible]

وزراء شد و غازان خان او را در محرم ۷۰۳ھ بکشت ؎

پتہ چلتا ہے ؛

بسالِ ہفت صد و دو ز ہجرت نبوی — دہم ز ماہِ محرم سہ شنبہ از ہفتہ

۷۰۲ھ محرم کی دسویں تاریخ اور سہ شنبہ کے دن ۔

بہ روز آقاج نظام خجستہ پے یحییٰ — ز تیغ قہر اجل تا بحشر شد خفتہ

آقا نظام الدین یحییٰ موت کے تیغ قہر سے قیامت تک کے لئے سو گیا ؛

اگر ہم پچھلے حساب کو صحیح تسلیم کر لیں اور ۶۹۴ھ کو اُس کا سالِ ولادت قرار دیں تو اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ آٹھ نو سال کے سن میں اُس نے یہ مادہائے تاریخ کہے ہیں لیکن یہ قابلِ قبول نہیں جس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس سن میں کوئی شخص ایسے متین و پسندیدہ اشعار نہیں کہہ سکتا ۔ دوسرے امیر خراسان کی وفات اور ایلخانی ایران کا تعلق بھی اس سن سے بعید معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل بھی نہیں جس سے ابن یمین کی طرف ان تاریخی مادوں کی نسبت کا سرے سے انکار کر دیں ۔ اس بناء پر یہ ضروری ہے کہ اس کا سالِ ولادت اور پیچھے لے جا کر ۶۹۰ھ کو قرار دیں تا کہ یہ تاریخی مادے بارہ تیرہ سال کے سن کا نتیجہ فکر قرار پائیں لیکن متانت شعر کے علاوہ جو ایک سیزدہ سالہ شاعر سے مستبعد معلوم ہوتی ہے خود شعر کا مضمون بھی قابلِ لحاظ ہے ۔ کیونکہ ایک امیر اور ایک سلطان کا مادہ تاریخ صرف وہ شخص کہہ سکتا ہے جس کی عمر اس حد تک پہنچ گئی ہو کہ وہ سلطنت کے طریقوں کے سمجھنے کے بعد اُس کے ناگہانی اور غیر معمولی واقعات سے متاثر ہو لیکن ایک سیزدہ سالہ بچے کو یقیناً غازان خان کی وفات پر مادہ تاریخ کہنے کا شوق پیدا نہیں ہو سکتا اس بناء پر دوبارہ یہ ضروری ہے کہ ہم اُس کے سن کو اس سے بھی زیادہ فرض کریں ۔ اور ذیل کا قطعہ ہمارے اس قول کی تائید کرتا ہے ؛

اس خط کے لکھنے والے ابن یمین نے اپنے خط اور قول پر گواہ بنایا۔

کہ بتاریخ بیستم ز رجب	کہ بیسویں رجب کو کہ نوغان (ایک پھول کا نام
تا بنوغان کہ باشد آں شش ماہ	ہے) کے کھلنے کے زمانہ تک چھ ماہ کا زمانہ ہوگا
دہ من ابریشم گزیدہ نیک	دس من ریشم منتخب اور عمدہ
برساند بہ شیخ عبداللہ	شیخ عبداللہ کو دیگا
بود تاریخ سال ہفتصد و چار	۷۰۴ھ میں یہ تحریر بلا اکراہ لکھ دی
کہ نوشت ایں حروف بے اکراہ	

اس قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷۰۴ھ میں ابن یمین اس قدر بڑا تھا کہ معاملہ کر سکتا تھا، اپنے اعتبار پر دس من ریشم دے سکتا تھا اور اُس کے مقابل میں ایک منظوم سند لکھ سکتا تھا، اور اس قسم کا معاملہ خصوصاً ایسی حالت میں کہ لڑکے کا باپ زندہ ہو کم سنی میں نہیں کیا جا سکتا، یہ ممکن ہے کہ شیخ عبداللہ دس من ابریشم ایک بے باپ کے لڑکے کو قرض دے اور اس منافع کے بدلے میں جس کی اُس کو اُس لڑکے سے ملنے کی توقع ہے اس معاملہ پر راضی ہو جائے لیکن جس حالت میں کہ ابن یمین کا باپ زندہ ہے اُس کے ساتھ معاملہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اُس کے باپ کے ساتھ کیا جا سکتا ہے +

اس قطعہ کی خوبی کے علاوہ کہ شاعری کے تمام شرائط اس میں موجود ہیں۔ اور بچپن کا کوئی اثر اس میں نہیں پایا جاتا وہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ۷۰۴ھ میں ابن یمین کم از کم بیس برس کا رہا ہوگا اور اس بناء پر اُس کا سال ولادت ۶۸۵ھ کو بھی قرار دے سکتے ہیں، بہر حال ۶۸۵ھ ایک ایسی حد ہے کہ اس کے موجودہ اشعار کی بنا پر اُس سے آگے نہیں بڑھ سکتے اور اس تحقیق کے مطابق اس کا سن ۸۴ سال کا ہوتا ہے اور اُس کے دیوان میں یہ مشہور رباعی جو دوسرے شعراء کی طرف بھی منسوب کی جاتی ہے نظر آتی ہے اور اس میں وہ اپنا سن

افسوس کہ میری عمر اسّی سے زیادہ ہوئی اور وہ ایسا گذری جس طرح میدان میں ہوا۔

بچپن کی طرح اُس کے عہد شباب کا بھی کچھ حال معلوم نہیں ہوتا۔ اُس کی ماں، قوم، اُستاد، علمی تحصیل، اُس کے ہم صحبت اور اعزہ و اقارب کے متعلق ہم کو کچھ واقفیت نہیں اور محقق طور پر اُس کا کوئی شعر نظر نہیں آتا جو ساتویں صدی کے اخیر اور آٹھویں صدی کی ابتداء کا پتہ دے سکے۔ ایک مادۂ تاریخ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے کسی مقدس مقام کی جو غالباً مشہد مقدس رضوی ہوگا زیارت کی ہے، دوشنبہ ۵ شعبان ۷۰۸ھ کا پتہ دیتا ہے۔ اور ایک مادۂ تاریخ سے جس کو اُس نے "بھائی ملک علی خواجہ" کے سال وفات کے متعلق لکھا ہے۔ ۱۰ محرم ۷۱۶ھ کی تعین ہوتی ہے لیکن جن لوگوں کے متعلق یہ مواد تاریخی لکھے گئے ہیں، تاریخ کے ظلمت کدے میں خود اُن کا پتہ نہیں چل سکتا اس لئے اُن کے ذریعہ سے سر دست اُس زمانے میں ابن یمین کے حالاتِ زندگی کے متعلق کوئی فائدہ اُٹھایا نہیں جا سکتا۔

اُس کے باپ امیر یمین الدین کے متعلق بھی جو خود ایک صوفی شاعر تھے تذکروں میں چند مختصر الفاظ اور چند عارفانہ اشعار کے سوا مجھ کو اور کچھ نہیں معلوم ہوتا، دولت شاہ کا بیان ہے کہ "امیر یمین الدین طغرائی سلطان محمد خدابندہ کے زمانہ میں ترکستان سے فریومد میں آئے، اور وہاں جائداد خرید کر سکونت پذیر ہوئے امیر محمود بن یمین فریومد ہی میں پیدا ہوئے" اور دولت شاہ اس کی تشریح اس طرح کرتا ہے کہ امیر یمین الدین طغرائی کم از کم ۷۰۵ھ میں خراسان میں آئے ہونگے کیونکہ سلطان محمد خدابندہ نے ۷۰۵ھ سے ۷۱۶ھ تک حکومت کی اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسی زمانہ میں ابن یمین کی ولادت ہوئی ہوگی لیکن جبکہ دلائل متذکرہ بالا اور اُس کی مدت عمر کی تعین سے پورے طور پر اس کی تردید

[illegible]

سن میں باپ کے ساتھ خراسان میں آیا (۲) دوسرے یہ کہ الجائیتو خدابندہ کے زمانہ سے دوست شاہ نے اُس کی حکومت کا وہ زمانہ مراد لیا ہے جو خراسان میں گذرا کیونکہ غازان خاں کے زمانے میں الجائیتو ۶۹۸ھ سے ۷۰۳ھ تک ایران کا ولیعہد اور خراسان کا حاکم رہ چکا ہے اور یہ ممکن ہے کہ امیر یمین الدین ۶۹۵ھ میں خراسان میں آئے ہوں اور سیزدہ سالہ ابن یمین کو ساتھ لائے ہوں یا یہ کہ اس سنہ سے پہلے آئے ہوں۔ لیکن جائداد کے خریدنے کا اتفاق اسی سن میں ہُوا ہو۔

فریومد کی جائداد خریدنے کے علاوہ طغرائی کا کچھ حال معلوم نہیں تذکرہ نویس صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ خواجہ علاؤ الدین محمدؐ وزیر خراسان کے یہاں اُن کو نہایت قدر و منزلت حاصل تھی، چونکہ طغرائی نے فریومد میں قیام اختیار کرلیا تھا اور جائدادیں خرید لی تھیں اس لئے یقین ہے کہ خواجہ علاؤ الدین اُن پر مہربان تھے، اور جائدادوں کے خریدنے میں اُن کی مدد کی تھی، سب سے زیادہ ہماری توجہ کا مستحق یہ امر ہے کہ باپ کی شاعری کو بیٹے کی شاعری سے کیا نسبت ہے؟ اور طغرائی ہی کے زمانے سے اس موازنے نے ایک گروہ کو مشغول رکھا ہے، اور ان باپ بیٹوں نے بھی لوگوں کے موازنہ کرنے کا ایک حیلہ پیدا کر دیا ہے اور باہم سوال و جواب کے طور پر قصائد کہے ہیں! امیر یمین الدین طغرائی نے اقصائے خراسان و روم میں جو سفر کیے ہیں انھوں نے زیادہ تر اس قسم کے مشاعروں کا موقع بہم پہنچایا ہے، تحریری مشاعرے ایک صدی پہلے سے ایران میں رائج ہو چکے تھے اور اس میں جو برگزیدہ شعراء گوئے سبقت لے گئے تھے وہ خاقانی اور جمال الدین صفہانی تھے، اور انھی نے اس کو رواج بھی دیا تھا دوسرے لوگ بھی اُن کے مشاعروں کی تقلید کرتے تھے۔

[illegible] تھا ؎

اُن تمام قصائد میں جن کو اِن باپ بیٹوں نے ایک دوسرے کے جواب میں لکھا ہے صرف دو قصیدے ابن یمین کے دیوان میں نظر آتے ہیں اور یہ نہایت افسوسناک بات ہے کیونکہ اُن مشاعروں سے اُن دونو شاعروں کے حالاتِ زندگی کے متعلق بھی بہت سے تاریخی مواد مل سکتے تھے اور اُن کے گم ہونے سے ابن یمین کے حالاتِ زندگی کے چند ورق بھی گم ہو گئے۔ بہرحال یہ دونو قصیدے حسبِ ذیل ہیں :-

(۱) ابن یمین کا وہ قصیدہ جب وہ فریومد سے دور تھا ؎

(۲) طغرائی کا جوابیہ قصیدہ جب وہ فریومد میں خواجہ علاؤالدین کی خدمت میں تھا۔

ابن یمین کے اس قصیدہ کے چند شعر یہ ہیں :-

یارب از من خبرے سوئے خراسان کہ بُرد
قصۂ دردِ دلِ من سوئے درمان کہ بُرد

یارب میری خبر خراسان کی طرف کون لیجائیگا ؟
میرے دردِ دل کا قصہ دوا کی طرف کون لیجائیگا ؟

گیرم احوالِ دلم باد رساند بر دوست
وصفِ شوقم برِ آں منبعِ احسان کہ بُرد

میں نے مانا کہ دوست کے نزدیک میرے دل کا حال ہوا لیجائیگی ؛ لیکن میرے شوق کا بیان اس منبعِ احسان کے پاس کون لے جائیگا ؎

آنکہ از روحِ قدس عقل بخلوت پرسید
کز شرف رہ بسوئے ذروۂ کیوان کہ بُرد

جب روح القدس سے عقل نے خلوت میں پوچھا کہ شرف سے راہِ مریخ کی بلندی کی طرف کون لیجائیگا ؟

رُوحِ قدسی کہ بسر خبرت و دانش گفتش
آصفِ عہد یمین دول است آنکہ بُرد

روح القدس نے عقلمندی سے اُس سے کہا کہ جو شخص لیجائیگا وہ آصفِ عہد یمین الدولہ ہے

این تمنا عرضی ہست کرد عم و عقلم میگفت
شرمم باوفت پسر ز برد بگریبان کہ بُرد

میں یہ مدح پیش کرتا تھا اور عقل مجھ سے کہتی تھی کہ بیٹا تم کو شرم چاہئیے گریبان میں زیرہ کون لیجاتا ہے

بُرد عا ختم کن اے ابن یمین بیش مگوے

اے ابن یمین دعا پر مدح کو ختم کر اور زیادہ مت کہہ

امیر یمین الدین طغرائی اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

خبرے سوئے نگارم بخراسان کہ برد؟	میرے معشوق کے پاس خراسان میں کون خبر لیجائے؟
قصۂ ذرہ بدرگاہِ خورِ آسمان کہ برد؟	ذرہ کا قصہ سورج کے دربار میں آسانی کے ساتھ کون لیجائے؟
بسوئے یوسفِ مصری کہ چو جانست عزیز	یوسفِ مصری کی طرف کہ مثل جان کے عزیز ہے
خبر سوختہ کورۂ کنعان کہ برد؟	آتشکدۂ کنعان کے سوختہ جان کی خبر کون لیجائے؟
سخن چشمۂ چشم کہ ھرندیست روان	میری آنکھ کے چشمہ کی خبر کہ بہتا ہوا ہرند ہے۔
چون ہرندش بروانی سوئے جرجان کہ برد	ہرند کی روانی کیطرح جرجان کی طرف کون لیجائے؟
زانکہ در مرکز غم نقطہ صفت ماند سخن	چونکہ مرکزِ غم میں بات نقطہ کی طرح ہے
بمحیطے کہ بود منزل کیوان کہ برد؟	اس لئے اس محیط میں جو مریخ کا مقام ہے، اسکو کون لیجائے؟
غم دلبندم و سودائے جگر گوشہ مرا	میرے فرزند کے غم اور اسکے سودا کا تعلق ایسی جگہ ہے
ہست جائیکہ وراں راہ بامکان کہ برد	کہ وہاں تک کون راہ لے جائے؟
قرۃ العین من اے جان جوانی محمود	اے میرے قرۃ العین۔ اے جوانی کی جان محمود
صبر را روز جدائی ز تو فرمان کہ برد؟	جدائی کے دن صبر کے پاس تیرا حکم کون لے جائے؟
خبر من خبر تو بدستوری دستور جہان	میرے اور تیرے سوا دستور جہان کی وزارت میں
گوئے فضل و خرد از اہلِ خراسان کہ برد	عقل و فضل کا گیند اہلِ خراسان میں سے کون لیجاسکتا ہے

یہ معلوم ہے کہ دستور جہان خواجہ علاؤ الدین وزیر ہے اور ابن یمین کا باپ اس کے پاس مقیم ہے اس لئے ظنِ غالب یہ ہے کہ ابن یمین کا وطن یعنی بیہق سے باہر جرجان میں تھا کیونکہ طغرائی کے اس شعر میں

سخن چشمۂ چشم کہ ہرندست روان
چون ہرندش بروانی سوئے جرجان کہ برد

اسی طرف اشارہ ہے ٭

دارم ز عتابِ فلکِ بوقلمون — میں رنگ بدلنے والے آسمان کے غصہ

وز گردشِ روزگارِ خس پرور دون — اور سفلہ پرور اور کمینہ زمانہ کی گردش سے

چشمے چو کنارۂ صراحی ہمہ اشک — ایک آنکھ جو صراحی کے کنارہ کی طرح تمامتر آنسو ہے

جانے چو میانۂ پیالہ ہمہ خون — ایک جان جو پیالے کے اندرونی حصہ کیطرح بالکل خون ہے

اور ابن یمین نے بھی اُس کا جواب لکھا ہے :-

دارم ز جفائے فلک آئینہ گون — میں آسمان کے ظلم سے ایک آہ بھرا دل رکھتا ہوں

پُر آہ دلے کہ سنگ از آن گردد خون — کہ پتھر اُس سے خون ہو جاتا ہے۔

روزے بہ ہزار غم بشب مے آرم — دن کو ہزار غم کے ساتھ بسر کرکے رات کرتا ہوں۔

تا خود فلک از پردہ چہ آرد بیرون — دیکھئے آسمان پردہ سے کیا چیز باہر نکالتا ہے

اس کے علاوہ ہم کو باپ اور بیٹے کی شاعرانہ مناسبت کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے، لیکن اگر ہم یہہ کہیں کہ اس شاعر اور عقلمند باپ نے بیٹے کی تعلیم و تربیت میں کوئی فروگذاشت نہیں کی۔ شاعری کی شاہراہ میں اُس کو آگے بڑھایا اور بڑے بڑے لوگوں بالخصوص خواجہ علاؤ الدین سے اُس کو روشناس کرایا تو یہ کوئی طبعی بات نہ تھی خیال تو یہ ہے کہ امیر یمین الدین نے آخر عمر تک اپنے قصائد کو خواجہ علاؤ الدین کی مدح تک محدود رکھا ہوگا اور بچپن ہی کے زمانہ سے اپنے لڑکے کو اُس کی مجلس میں لے جاتا ہوگا اور اُس کے اشعار کو پیش کرکے صلہ وغیرہ پاتا ہوگا، کبھی کبھی اس شعر دوست وزیر نے بھی ابن یمین کو شعر گوئی کی ترغیب دی ہے اور اُس کے لئے خود وزن اور ردیف مقرر کیا ہے چنانچہ اُس نے ایک دن "گوہر" کی ردیف میں ایک قصیدہ کی طرح دی اور ابن یمین سے وعدہ کیا کہ "اگر قصیدہ اچھا لکھو گے تو انعام بھی اچھا ملیگا"۔ ابن یمین نے قصیدہ لکھ کر پیش کیا جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے :-

میں نے بڑی بڑی امیدوں کے

ساتھ قطعہ لکھا اور پڑھا جس کی بڑی تعریف ہوئی لیکن موعودہ صلہ نہیں ملا۔ جس کا انتظار کر رہا ہوں، زبانی مہربانی صلہ کی قائم مقام نہیں ہو سکتی" ؎

خواجہ علاؤالدین کبھی کبھی اُس کے خوش کرنے کے لئے بھی اپنی مجلس خاص میں بلاتا اور اُس کو شراب کا پیالہ دیتا تھا ؎

گفتا بنوش بادۂ گلگوں بہ بیلکا	اُس نے کہا کہ شراب گلگوں ایک فرمان کے ساتھ پیو
دانی بپارسی چہ بود بیلکا نشان	جانتے ہو کہ پارسی میں فرمان کیا ہے؟ ایک نشان
یعنی بدین نشان بہک از جود من شوی	یعنی اُس نشان سے میری فیاضی کی بدولت اسطرح مشہور ہو جائے
مانند صیت مکرمتم در جہان نشان	جس طرح میرا غلغلہ دنیا میں بلند ہے

لیکن یہ وعدہ بھی پورا نہ ہوا اور ایک مدت تک مثل ماہی بے آب کے وہ تڑپتا رہا اور منزل مقصود تک نہ پہنچا۔ اس میں شبہ نہیں کہ خواجہ علاؤالدین نے ان دونوں باپ بیٹوں کی بہت محبت اور عزت کی اُن کو ملازمت دی۔ اپنے عظیم الشان محل کے پاس اُن کو مکان دیا اور اُن کے مزروعات کو ظالموں کی دستبرد سے محفوظ رکھا لیکن شاعر اس سے زیادہ کی توقع رکھتا تھا۔ اور خواجہ علاؤالدین کے مالی معاملات میں نہایت خبر رس تھا، یہی وجہ ہے کہ ان شعراء کی مداحی اور خواجہ کی ممدوحی کے زمانہ میں جنگ و صلح، وعدہ اور متواتر شکایات کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا تھا، خواجہ دینے سے پہلے وعدہ کرتا تھا اور شاعر تمام چیزوں سے زیادہ صلہ کا خواستگار رہتا تھا، جب تک کہ وعدہ پر خوش اور اُس کے متوقع رہتے تھے، خواجہ کو آسمان پر چڑھاتے اور کہتے ؎

سپہر مہر فتوت محیط مرکز جود	مردانگی کے آسمان کا سورج فیاضی کے مرکز کا محیط
علاء دولت و دین خسرو ستودہ خصال	علاء الدولہ والدین، بادشاہ نیک خصلت
محمد بن محمد کہ در فنون ہنر	محمد بن محمد نے طرح طرح کے ہنروں میں

لیکن جب مدت تک رجائی کی اور مقصد حاصل نہیں ہوتا تھا تو ناراض ہوتے تھے، اور انتظار کی سختی، ضرورت معاش اور ایفائے عہد کی خوبی کے متعلق قطعے لکھ لکھ کر بھیجتے تھے، خواجہ اگرچہ شعر دوست تھا اور ان باپ بیٹوں کی ادبی حیثیت کو پہچانتا تھا لیکن اپنا تمام وقت انہی کے اوپر صرف کرنے کے لئے تیار نہ تھا اور اُن کی خواہش کے مطابق اُن کے ساتھ میل جول نہیں رکھ سکتا تھا۔ ایک وزیر جو ایک مُلک کا انتظام کرتا ہے اور روپیہ حاصل کرنے سے کسی طرح باز نہیں رہ سکتا، شاعر کے علاوہ ہم صحبتوں کا بھی خواستگار رہتا ہے، اور جاہل غیر تعلیم یافتہ اور غیر شاعر کو بھی اپنے گھر میں بلاتا ہے، اُن کی تعظیم کرتا ہے اور اُن کو تحصیل زر اور سیاسی مقصد براری کا ذریعہ بناتا ہے، لیکن ہمارے یہہ شاعر اس کو پسند نہیں کرتے تھے، اور اپنے سوا کسی شاعر یا غیر شاعر کو خواجہ کے حضور میں نہیں دیکھ سکتے تھے اس لئے ناراض ہوتے تھے اور خواجہ کے متعلق اِس قسم کے قطعات کہتے تھے:۔

سرِ اکابر عالم علاءِ دولت و دین	اکابر عالم کے سردار علاؤ الدین
توئی کہ رائے تو بر آفتاب طعنہ زن است	تو ہی وہ شخص ہے کہ تیری رائے سورج پر طعنہ زن ہے
جہانیاں ہمہ را بود اعتقاد چناں	تمام دُنیا کا اعتقاد یہہ تھا
کہ خواجہ منبع رایست و مجمع فطن است	کہ خواجہ رائے کا سرچشمہ اور ذہانت کا مجموعہ ہے

لیکن جب اُن کو نظر آیا کہ اُن کی توقع کے خلاف خواجہ نیک و بد میں امتیاز نہیں کرتا اور پوتھ اور موتی اُس کے نزدیک برابر ہیں، تو اُن سب کا یہ اعتقاد جاتا رہا:۔

گمان برند کہ جنسیت است علتِ ضم
از آن کہ جنس طلبگارِ جنسیتِ خویشتن است

لوگوں کا خیال کہ جنسیت میل ملاپ کا سبب ہے ۔ کیونکہ ہر جنس اپنی جنس

یہ ایک ابتدائی دھمکی اور اعتراض ہے جس کو وہ قصیدہ کے ضمن میں دیتے اور کرتے ہیں لیکن اخیر قصیدہ میں پھر نرمی اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کا قول ہے، اور خود میرا یہ عقیدہ ہے، کہ یہ میری قسمت کا ہی قصور ہے اس لئے تجھ سے اس کی شکایت نہیں کرنی چاہیئے جو کلمات شکایت آمیز اور ملامت آمیز ہیں وہ صرف الفاظ کی سختی ہے"۔ خواجہ شاہد اپنے شاعر سے بہت محبت رکھتا ہے کہ اس سے در گزر کرتا ہے، ابن یمین نے دوسرے موقع پر ایک ممدوح کی نسبت اسی خیال کو ظاہر کیا ہے:-

گر جنلقی است علت خصم ورنہ از چہ کرد   ترک رضائے من ز پئے تاج دین حمید

لیکن جب اس عتاب و ملامت کا کچھ اثر نہ ہوا اور خواجہ نے کچھ توجہ نہ کی تو اُس نے ناراض ہو کر خانہ نشینی اختیار کر لی اور ایک مدت تک خواجہ کے دربار میں حاضر نہ ہوا اور جب اُس سے اس کا سبب پوچھا گیا تو نہایت تلخ کلامی کے ساتھ جواب دیا کہ" مجھ کو اس دربار سے اُس روز رنج ہوا جب میں نے دیکھا کہ خواجہ بے ہنروں کو ہنر مندوں کی جگہ پر بٹھاتا ہے" اور جب وضاحت کے ساتھ ناراضی کے سبب بیان کرنے پر مجبور کیا گیا اور لوگوں نے اُس سے کہا کہ" اگر خواجہ دوسرے شخص کے ساتھ بھی محبت کرتا ہے تو تم کو رنجیدہ نہیں ہونا چاہیئے" تو اُس نے اس کی حقیقی علت یہ بیان کی کہ صلہ کافی نہیں ملتا اور نہایت صداقت کے ساتھ کہا:-

بر آستانِ چو اوئے اقامتِ چو منے
برائے منصب و مال است نہ برائے خدائے

اُس جیسے شخص کی چوکھٹ پر مجھ جیسے شخص کا قیام منصب و مال کیلئے ہے نہ خدا کیواسطے

اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو شاعر کیوں کسی کی مدح میں زبان کھولے اور ڈیوڑھی پر مقیم رہے، تعجب ہے کہ خواجہ اس مقصد کی طرف توجہ نہیں کرتا اور شعراء سے

ہجو نیز توان گفت و ہیچ مشکل نیست

بداں زبان کہ بود خواجہ را مدیح سرائے

کہ ہجو بھی کہہ سکتے ہیں اور اُس زبان سے یہ کوئی مشکل کام نہیں جس خواجہ کی مدح سرا ہو
لیکن ناز و عتاب سے یہ ناراضی وقتی تھی، اس کے بعد خواجہ نے پھر لطف و محبت
کا اظہار کیا، اور اُس نے گوشہ نشینی اور دربار کی غیر حاضری سے تھک کر
پھر مداحی شروع کی:-

در حیرتم کہ ہندوے زلفش کہ در سرش در عہد عدل صاحب اعظم تطاول است

مجھکو اُس کے ہندوے زلف سے تعجب ہے کہ صاحب اعظم کے دور انصاف میں اسکو ظلم کا خیال ہے

والاعلاء دولت وملت کہ آفتاب چون ذرہ از ہیبت وے اندر تحلل است

بلند پایہ علاؤالدین کہ سورج - اُس کی ڈانٹ سے ذرہ کے مانند گھل جاتا ہے +

دستور دین پناہِ محمدؐ کہ روزِ رزم گوئی مگر علیؑ است کہ بر پشتِ دلدل است

وزیر دین پناہِ محمدؐ کہ لڑائی کے دن - یہ معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ دُلدل پر سوار ہیں +

اُس کی جوانی کا زمانہ یونہی گذر رہا تھا کہ امیر یمین الدین طغرائی نے فریومد
میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا، دولت شاہ سمرقندی کے نزدیک اس کا سال
وفات ۷۲۴ھ ہے، لیکن ذیل کے قطعہ سے جس کو ابن یمین نے اپنے باپ
کی وفات کے متعلق لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ۷۲۲ھ میں انتقال
کیا ہے:-

سال بر ہفتصد و بیست و دو بود از ہجرت

شب شنبہ ز جمادی دوم بیست و چہار

۷۲۲ھ سنیچر کی رات اور جمادی الثانی کی ۲۴ تاریخ تھی +

کہ یمین دول و دین شہ اقلیم ہنر

رفت زین منزل فانی بسوئے دار قرار

باپ کے مرنے کے بعد ابن یمین کو ۲۳ سال کے سن میں معاش کا ذمہ دار
ہونا پڑا۔ لیکن اس سن میں خوب شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اور اُس کے اشعار بالخصوص وہ اشعار جن کو اُس نے باپ کے جواب میں لکھا تھا، ہر جگہ پھیل گئے تھے اور بعض تیز طبیعت لوگ اُس کو باپ پر ترجیح دیتے تھے اور بہت سے لوگ اُس کے ہم عقیدہ اور ہم آواز ہو کر کہتے تھے:۔

منم ابن یمین کہ نتوان کرد جز بمن انتساب شعر مرا

میں ابن یمین ہوں کہ میرے سوا۔ میرے اشعار کو کسی اور کی طرف منسوب نہیں کر سکتے

درمیانِ سخنوران باشد فضلِ فصل الخطاب شعر مرا

شاعروں کے درمیان میرے اشعار کو قولِ فیصل ہونے کی فضیلت حاصل ہے

نتواں کرد نسخ تا یابد ہمچو ام الکتاب شعر مرا

قیامت تک ام الکتاب کی طرح میرے اشعار کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا

اور منصف مزاج دوست اُس سے کہتے تھے:۔

شہرۂ عالم شدی از خوش زبانی اینت بس غایت فصواہمت اشتہارے بیش نیست

خوش زبانی سے تو شہرۂ عالم ہو گیا اور یہ تیرے لئے کافی ہے۔ ہمت کی انتہائی حد شہرت سے زیادہ نہیں ہے۔

اِس سن میں اُس کا علم و فضل صرف شعر گوئی میں محدود نہ تھا اس لئے وہ فخریہ کہہ سکتا تھا:۔

من نہ آنم کہ بجز شعر ندارم ہنرے عیب من ہمت والام ہمیں میداند

میں وہ نہیں کہ شعر کے سوا کوئی دوسرا ہنر نہیں رکھتا۔ میری ہمت بلند میرے لئے اس کو عیب خیال کرتی ہے۔

منم آنکس کہ ز اکسیر ہنر خانۂ من از قبہ ساختن دُر ثمین میداند

میں وہ ہوں کہ میرے ہنر خانہ کی اکسیر۔ لوتھ سے موتی بنانا جانتی ہے۔

معلوم نہیں کہ اس نے کن کن استادوں کو دیکھا اور کون کون سی کتابیں پڑھیں۔
اِس لئے ہم کو خود اُس کے قول کو تسلیم کرنا چاہیے؛

خداوندا مرا در علم منقول   زبان و دیدہ گویا گشت و بینا

خداوندا! علمِ منقول میں میری زبان اور میری آنکھ گویا اور بینا ہوئی

بمعقولات نیزم دسترس ہست   اگرچہ نیستم چون ابن سینا

معقولات میں بھی مجھے مہارت ہے۔ اگرچہ میں ابن سینا کے برابر نہیں ہوں

ترا گر مال بسیار است شاید   رضینا قسمت الجبار فینا

اگر تیرے پاس بہت سامال ہے تو ہو۔ ہم تو تقدیرِ الٰہی پر راضی ہیں

اُس کے قطعات میں جو بہ کثرت اخلاقی مسائل نظر آتے ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فنِ حکمت کا ماہر تھا اور جو جملے اُس کے اشعار میں دیکھے جاتے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ اُس نے قدما کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ وہ خواجہ علاؤ الدین کی خدمت میں مدتوں معزز رہ چکا تھا اور باپ کی وفات کے بعد پہلے سے بھی زیادہ عزت حاصل کی اور اپنے اور باپ دونوں کے عوض اُس کی مداحی کا ذمہ لیا اور باپ کی جگہ دفتر شاہی میں ملازم ہوا؛

خواجہ علاؤ الدین دولت شاہ کے قول کے مطابق باپ دادا کے زمانے سے خراسان کے رؤساء میں تھا اور ابو سعید کے زمانے میں مستقل وزیر تھا۔ اور خراسان برسوں اُس کے زیرِ انتظام رہ چکا تھا۔ قصبہ فریومد میں شہرستان کو اُس نے بنوایا ہے جو ایک بلند عمارت ہے۔ مشہد مقدس رضویہ میں بھی ایک محل، منارہ اور عمارت اُس نے تعمیر کروائی ہے؛

خواجہ علاؤ الدین کا قدیم ترین حال جو ملتا ہے وہ اُس کے زمانہ شباب سے تعلق رکھتا ہے جس وقت حُسنِ اتفاق سے اُس کا باپ عماد الدین متوفی الجانتو کی فوج میں تھا اور ابو القاسم عبد اللہ کاشانی مُصنف تاریخ الجانتو کے

بیٹوں نے بڑا کام کیا اور خواجہ رشید الدین فضل اللہ نے اپنے رقیب کی تباہی کا جو مقصد سامنے رکھا تھا اور اُس کی تکمیل میں نہایت برجستہ خدمات انجام دیں یہ واقعہ ۷۰۱ھ کا ہے اس کے بعد اس کا تذکرہ اُس وقت آتا ہے جب سلطان خدابندہ کے دو حریف وزیر یعنی خواجہ رشید الدین اور خواجہ تاج الدین علی شاہ کے درمیان عہدۂ وزارت تقسیم ہوا ہے۔ اُس وقت خواجہ علی شاہ نے عزالدین توہوی کو اپنا نائب بنایا تھا اور خواجہ رشید الدین نے اسی علاؤالدین کو اپنا مددگار مقرر کیا تھا۔ اسی طرح مورخ مذکور نے خواجہ رشید الدین کے معاملۂ قتل میں جو ۷۱۸ھ میں ہُوا خواجہ رشید الدین کے حریف کے ساتھ علاؤالدین کی مداخلت اور سازش کو بھی موثر قرار دیا ہے۔

خواجہ علاؤالدین اور اُس کے بھائی خواجہ غیاث الدین نے جس کی شان میں ابن یمین نے بہت سے قصائد لکھے ہیں فریومد میں خاندان زنگی کے فنا ہو جانے کے بعد وزارت اور مرجعیت کا درجہ حاصل کیا ہے۔ چنانچہ سعید ہروی کے تذکرہ میں ضمناً دولت شاہ نے لکھا ہے کہ

"سعید خواجہ عزالدین طاہر فریومدی کا مداح ہے جو چنگیز خاں کی اولاد کے عہد حکومت میں ملکِ خراسان کا وزیر تھا اور شہر طوس میں قیام رکھتا تھا اور ہلاکو خان کے زمانہ میں امیر ارغون آقا کی دراندازی سے وزارت سے معزول ہُوا اور کچھ روپیہ بھی جرمانہ میں دیا۔ خواجہ وجیہ الدین زنگی مستقل ہوا جو خواجہ عزالدین طاہر کا بیٹا تھا"۔

براؤن نے دولت شاہ کا جو ایڈیشن چھاپا ہے، اُس کے صفحہ ۱۸۱ میں بھی پور بہار جامی کے تذکرے میں ضمناً لکھا ہے کہ

"رکن الدین ارغون خان کے زمانے میں خواجہ وجیہ الدین زنگی میں

اور اسی صفحہ میں پورے بہار کے قصیدہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ یہ وجیہ الدین زنگی کی مدح میں ہے، لیکن ابن یمین اس خاندان کا ذکر بہت کم کرتا ہے، غالباً اُس نے اُس کی مدح میں اس سے زیادہ قصاید لکھے ہونگے لیکن چونکہ یہ اُس کے عہد شباب کے قصائد ہیں اس لئے گم ہو گئے ہیں +

سب سے پہلے اس خاندان کا نام اس مادہ تاریخ میں نظر آتا ہے جس میں اُس نے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے نظام الملک یحیٰی ابن خواجہ وجیہہ الدین کے وفات کی تاریخ لکھی ہے اور وہ یہ ہے:-

وفاتِ صاحب اعظم وجیہہ دین زنگی — کہ چرخ پیر نہ بیند چنو جواں دیگر

صاحب اعظم وجیہہ دین زنگی کی وفات — کہ فلک پیر اب ایسا نوجوان نہ دیکھے گا

بسالِ ہفتصد و نوزدہ زہجرت بود — شب دوشنبہ و بیست وسیم ز ماہ صفر

۷۱۹ھ میں — دوشنبہ کی رات اور تئیسویں صفر کو ہوئی

چونکہ اس سال ابن یمین کا سن ۴۳ سال کا تھا اس لئے اس نے وجیہ الدین کی مدح میں غالباً بہت سے قصیدے کہے ہونگے۔ لیکن جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ وہ موجود نہیں ہیں۔ اُس کا ایک قصیدہ شہاب الدین زنگی کی مدح میں بھی ہے جس کی نسبت ٹھیک طور پر معلوم نہیں کہ وہ وجیہہ الدین زنگی کا بیٹا یا بھائی تھا

بہارست اے پسر دردہ زبہر دفع دل تنگی — شرابے چوں گل و لالہ بخوشبوئی و خوشرنگی

بہار ہے اے بیٹا! رنج وغم کے دُور کرنے کے لئے۔ ایسی شراب جو گل و لالہ کی طرح خوشبودار اور خوش رنگ ہو۔

بہ بزم خسرو اعظم خدیو خطۂ عالم — چراغ دودۂ آدم شہاب ملک و دین زنگی

شاہِ اعظم خدیو خطہ عالم۔ چراغ خاندان آدم شہاب الملک و الدین زنگی کی مجلس میں دے۔

ایک اور شہاب الدین کی مدح میں بھی اس کے بہت سے قصائد و قطعات ہیں لیکن ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس کی بنا پر اُن کو شہاب الدین

... پر خواجہ علاؤالدین کے چچے ابن یمین کے ممدوح خراسان کے وہ وزرا تھے جو خاندانِ زنگی سے تھے۔ اور غالباً اُس کے باپ کے ممدوح بھی یہی وزراء ہیں۔ ایک بار خواجہ علاؤالدین محمد نے فریومد اور مشہدِ مُقدس رضویہ میں عظیم الشان عمارتیں بنوائیں اور ابن یمین نے جس طرح اُس کی جہانگیری اور سیاسی اعمال کی مدح سرائی کی ہے۔ شہرستان کی عمارت جو اُس کی عظیم الشان یادگار ہے نویں صدی تک قائم تھی اور باوجود اُن صدمات کے جو اُس نے باغیوں کے ہاتھ سے اُٹھائے اُس کی نسبت اُسی صدی میں دولت شاہ لکھتا ہے کہ "عمارتے عالی است" اور ابن یمین نے خواجہ علاؤالدین کے باغ و عمارت کی تعریف اِس طرح کی ہے :-

حبذا باغِ علائیہ و شہرستانش | خرما نزہتِ باغ خوش باغستانش
باغ علائیہ اور اُس کا شہرستان کیا خوب ہے | جا اور باغ کی تر و تازگی کس قدر اچھی ہے

ایں نہ شہر یست بہشتے است پُراز ناز و نعم | خازنے نیست سزاوار تر از رضوانش
یہ شہر نہیں ہے، ناز و نعم سے بھرا ہوا بہشت ہے | رضوان سے بہتر اِس کا کوئی خازن نہیں ہو سکتا

چوں بہ بنیانش نظر در فگنی خود دانی | ہمت عالی بانی وے از بنیانش
جب اُس کی بُنیاد پر نظر ڈالو گے۔ تو اس سے اس کے بانی کی بلند ہمتی کا حال خود معلوم ہو جائیگا

ہست بانیش علاء دول و دیں کہ فلک | نادر و مثل بصد قرن و بصد دورانش
اُس کا بانی علاؤالدین ہے کہ آسمان سینکڑوں قرن اور اُس قرن کی سینکڑوں گردش کے بعد بھی اُس کا مثل نہیں پیدا کر سکتا۔

اُس مشہور باغ و عمارت کی مدح میں ایک جگہ اور بھی کہتا ہے :-

دلا گر میل آں داری کہ خلد جاوداں بینی | وگر باغِ ارم خواہی کہ در عالم عیاں بینی
اے دل اگر خلد جاوداں کے دیکھنے کی خواہش ہے اور باغِ ارم کو دنیا ہی میں دیکھنا چاہتا ہے

نظر بہر تماشا را بریں عالی سرا افگن | کہ تا از غایت نزہت ہم ایں بینی ہماں بینی

اور اس عمارت کے بانی کی مدح میں کہتا ہے :-

وزیر عالم عادل علاؤ الدین محمد آن　　که دایم رای پیرش را قرین بخت جوان بینی

وزیر عالم عادل علاؤ الدین محمد یعنی کہ وہ　　تم ہمیشہ اُسکی بوڑھی رائے کو بخت جوان کے ہمدوش دیکھو گے

غالباً اُس نے اپنے زمانۂ وزارت یعنی ۷۳۰ھ کے بعد اس کی بنیاد رکھی ہے۔ کیونکہ ابن یمین اخیر شعر میں اس کو "وزیر عالم و عادل" کہتا ہے۔ بہر حال کتب خانہ اور دارالحدیث کو اُس نے ۷۳۲ھ میں حکیم الدین کی نگرانی میں جو طبیب اور عالم تھا تعمیر کروایا۔ چنانچہ ذیل کے قطعہ سے اُس کی تصدیق ہو سکتی ہے :-

افضل عالم حکیم الدین که از مرآت ما　　صیقل رایش زداید در زمان زنگ کلف

افضل عالم حکیم الدین۔ کہ اُس کی رائے کی صیقل چاند کے آئینہ سے داغ کا زنگ مٹا دیتی ہے

صاحب عادل علاء ملک و دین کز حادثات　　رای ملک آرایش آرد عالمی را در کنف

صاحب عادل علاؤ الدین کہ اُس کی رائے ایک عالم کو مصائب سے پناہ دیتی ہے۔

اُس نے فریومد میں جو دارالحدیث تعمیر کیا تھا اُس کی تعمیر کی تاریخ یہ ہے :-

دال و لام و یا ز ہجرت در رجب بود اینکه داشت

خاطر ابن یمین بر نظم این گوهر شغف

حکیم موصوف نے جو دارالشفا تعمیر کیا تھا اور اُس زمانے کی طرح جو نرسیں اُس میں مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں اُن کے وصف میں بھی کہتا ہے :-

حبذا آرام گاهی خوشتر از دار النعیم　　وز پری رویان صدف کردار پر دُرّ یتیم

کیا خوب صحت گاہ ہے جو جنت سے بھی بہتر ہے اور سیپ کے مانند پری زادیوں کی وجہ سے موتی سے بھرا ہوا ہے

چوں در او امراض با صحت مبدل میشود　　نیست جز دار الشفائی کرده بنیادش حکیم

چونکہ اس میں امراض صحت سے بدل جاتے ہیں اسلئے وہ دارالشفا کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا جس کو حکیم نے تعمیر کیا ہے

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حکیم موصوف نے اس دارالشفا کو خواجہ علاؤ الدین

طبیب حاذق دار الشفائے معدلتش — بفتنہ داد زبہر نجات خلق افیون

اس کے دار الشفائے عدل کے طبیب حاذق نے — مخلوق کی نجات کے لئے فتنہ کو افیون دیدی

اور دوسرے موقع پر دار الشفاء کو غیاث الدین کی طرف منسوب کرتا ہے:-

کہف خویش الا غیاث ملت و دین را مدان — آنکہ ہمچون عقل کل ناید ز افعالش قبیح

غیاث الدین کے سوا اور کسی کو اپنا جائے پناہ نہ سمجھو۔ وہ غیاث الدین کہ عقل کل کیطرح اُسکا کوئی کام بُرا نہیں ہوتا

باچنان دار الشفائے درکشادہ خلق را — دل چرا داری چنان از صدمت گردون جریح

باوجود اس پبلک شفاخانہ کے تم اپنے دل کو اس طرح آسمان کے صدمات سے زخمی کیوں رکھتے ہو

یہ حکیم الدین ابن یمین کا دوست وحامی تھا۔ اور دونوں باہم معاشرت اور محادثت رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک روز اُس نے اپنے عظیم الشان کتب خانے میں ابن یمین کا خیر مقدم کیا اور وہ اُس کا اِس قدر گرویدہ ہوا کہ ذیل کا قطعہ لکھ کر پیش کیا جس میں شکریہ کے بعد (خدیو ملک دانش اوحد الدنیا حکیم الدین) کی لطف ومحبت کے متعلق کہتا ہے:-

سوی دار الکتب خویشتم راہ داد از مکرمت — تا در او دُرجے پُر از دُرِ معانی یافتم

مجھکو اپنے کتب خانے میں از روئے اعزاز راہ دی۔ یہانتک کہ میں نے اسمیں موتیوں سے بھری ہوئی ایک ڈبیا پائی

از کنایت بگذر اے ابن یمین تصریح کن — کو ز تصنیفات روح افزایش امانی یافتم

کنایہ کو چھوڑ کر اے ابن یمین صاف صاف کہہ کہ اُسکی روح تصنیفات سے میں نے اُمیدیں پوری کیں

یہ ایک ایسا عطیہ تھا جس نے ابن یمین کو مسرور ومشکور کیا۔ لیکن اِس کے بعد دونوں دوستوں میں رنجش پیدا ہوئی اور ابن یمین نے زمانہ گذشتہ کی یاد میں اُس کو لکھا:-

حکیم ملت ودین را ز من پیام برید — کہ دوستان حق یاری نگاہ داشتہ اند

حکیم الملتہ والدین کو میرا پیغام پہنچاؤ — کہ دوستوں نے یاد کے حق کو محفوظ رکھا ہے

[illegible] بہت مقرب ہے

حکیم الدین چونکہ خواجہ علاؤالدین کے دربار میں نہایت مقرب تھا۔ اس لئے اُس کی دوستی ابن یمین کے لئے نہایت مغتنم تھی اور وہ خواجہ تک اُس کی شکایتوں اور پریشانیوں کے پہنچانے کا ایک موثر ذریعہ تھا اور اُس نے خواجہ تک اُس کی اِس قسم کی بہت سی شکائتیں پہنچائی ہیں:-

سپہر مہر جلالت علا دولت و دین — توئی کہ رائے ترا شاہ انجم است غلام

بزرگی کے آفتاب کے آسمان علاؤالدین — تو وہ شخص ہے کہ سورج تیری رائے کا غلام ہے

کہ بس عجب نبود کز ہزارہ فرسنگے — نسیم جودِ تو من بندہ را رسد بمشام

یہ کوئی عجیب بات نہیں ہوگی اگر ہزار کوس سے — تیری فیاضی کی ہوا مجھ غریب کے دماغ میں پہنچے

علی الخصوص کہ قرنے زیادت است کنوں — کہ بر جناب تو دارم چو آستانہ مقام

بالخصوص ایسی حالت میں کہ ۳۰ سال سے زیادہ گذرا — کہ تیری ڈیوڑھی پر مثل چوکھٹ کے مقیم ہوں

اساس تربیتم کردہ دخوشی باشد — تمام کن کہ بود نظم کار در اتمام

میری تربیت کی بنیا ڈالی تو بہتر یہ ہے کہ اس کو پورا بھی کر کیونکہ کام پورا ہونیکے بعد ٹھیک ہوتا ہے

بمن رسید بشارت کہ رائے آن داری — کہ کار من برسانی ز تفرقہ بہ نظام

مجھ کو خوشخبری ملی ہے کہ تیری رائے یہ ہے — کہ میرے بکھرے ہوئے کام کو سلجھا دے

اِس قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن یمین ۳۰ سال سے زیادہ خواجہ کے دربار میں رہا ہے۔ اور بچپن میں خواجہ کی تربیت اور نگرانی سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ سلطان ابوسعید بہادر خان کے عہد حکومت میں کسی نامعلوم وجہ کی بناء پر خواجہ علاؤالدین مقام سلطانیہ میں گیا اور وہاں بعد (گرگان اور شیراز) میں ایک مُدت تک قیام کیا لیکن اُس کا یہ قیام بھی ایک مجبورانہ تھا۔ غالباً خراسان کے مقامی امراء کی جو بغاوت کے درپے تھے اس دورے و علٰحدگی کا سبب تھی اور یہ معلوم ہے کہ خواجہ کی عدم موجودگی میں اُس کے علاقے وغیرہ اُس کے

زمانے میں بادشاہ کی طرف سے ناری طغائے خراسان کا حاکم تھا۔ جو نہایت ظلم کرتا تھا۔ گھروں کو ویران کر دیا تھا اور دارالسلطنت کی طرف سے روگردانی اختیار کر لی تھی۔ لیکن جب اُس کو نظر آیا کہ وہ سلطان بالخصوص موجودہ وزیر خواجہ غیاث الدین ابن خواجہ رشید الدین سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا اور یہ لوگ اُس کو ہر وقت نیشاپور اور دوسرے شہروں کی بربادی کی سزا دے سکتے ہیں تو اُس نے تیمور تاش کے ساتھ ساز باز کیا اور بادشاہ اور وزیر کے قتل کی نیت سے سلطانیہ میں آیا۔ لیکن اُس کی اس سازش کا راز کھل گیا۔ اور وہ ۷۲۹ھ میں گرفتار ہو کر قتل کر دیا گیا۔ خواجہ علاؤالدین محمد اُس وقت سلطانیہ میں تھے اور مورخین لکھتے ہیں کہ وہ بھی در پردہ ناری طغائے کے شریک تھے اگرچہ اس مسئلہ کی صحت و غیر صحت کا حال معلوم نہیں تاہم اُن کے دوست خواجہ غیاث الدین وزیر کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ کہیں اس الزام میں اُن کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے۔ اس لئے بادشاہ سے درخواست کی کہ مالیات کے انتظام کے لئے اُن کو خراسان میں بھیج دے۔ یعنی خراسان کا مقامی وزیر مقرر کر دے۔ لیکن اس کا سبب خواجہ غیاث الدین کی رقابت بھی ہو سکتا ہے۔ جو اس ذریعہ سے اپنے رقیب کو دربار سے الگ رکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ۷۲۷ھ سے جب سے کہ چوپانی مغلوب ہوئے اور خواجہ دمشق قتل کیا گیا اور وزارت کا منصب خواجہ غیاث الدین کو حاصل ہوا۔ خواجہ علاؤالدین بھی ۶ ماہ تک اُن کے شریک اور سلطنت کے مالیات کے منتظم رہے۔ اس لئے اُن کا دربار سے الگ رکھنا اُن کی طبعی آرزو تھی۔ بہر حال علاؤالدین کو خراسان کا وزیر مال مقرر کیا گیا۔

ناری طغائے کے قتل کے بعد جدید گورنر امیر شیخ علی ابن امیر حسین قوشچی کے اتفاق سے اُن کو روانہ کیا گیا اس حالت میں یہ معلوم نہیں کہ ابن یمین کیا کرتا

ہمت کی جدائی سے متاسف اور دشمنوں اور بدباطنوں کے غلبہ سے سخت مضطرب
ناک تھا اس لئے جب اُس کو معلوم ہوا کہ خواجہ ایسے بلند منصب پر ممتاز ہو کر وطن
میں آتا ہے تو اُس نے قصیدہ میں اپنی گذشتہ پریشانی کا ذکر ضروری خیال
کیا اور اُس کو یہاں آکر دشمنوں کے قلع قمع کی ترغیب اس طرح دی گویا اس کو
اس منصب پر خواجہ کے تقرر کا حال معلوم نہیں - یہ قصیدہ قدرتی طور پر ۲۳ه
میں کہا گیا ہے +

ناری طغاے کے مظالم نے خراسان میں آگ لگا دی تھی - اور امن و سکون
کے زمانے کی یاد بالخصوص فریومد میں جو مدت تک خواجہ علاؤالدین ہندو کے
زیر سایہ حوادثات زمانہ سے محفوظ تھا لوگوں کے دلوں کو بر وختہ کر رہی تھی - ابن
یمین جو اپنے ہمایوں کی زبان تھا اُن کے احساسات کو اس طرح بیان کرتا
ہے :-

مرا ز جورِ نواے روزگارِ سفلہ نواز   بسے است غصہ چگویم کہ قصہ ایست دراز
اے زمانہ سفلہ نواز مجھ کو تیرے ظلم سے بہت غصہ ہے لیکن کیا کہوں کہ داستان طولانی ہے

گہے نشیمن شہباز میدہی بزغن   گہے شکارگہ شیر سر زہ را بگراز
تو کبھی شہباز کا نشیمن چیل کو دیتا ہے اور کبھی شیر کی شکارگاہ سور کو

ندانمت کہ سر انجام تا ثمر چہ دہد   خلاف سرور گیتی کہ کردہ آغاز
میں نہیں جانتا کہ دنیا کے سردار کی - جو مخالفت تو نے شروع کی وہ آخر میں تجھ کو کیا فائدہ پہنچائیگی

وزیر مشرق و مغرب علاء دولت و دین   کہ در فضائل از اعیان دہر شد ممتاز
وزیر مشرق و مغرب علاؤ الدین کہ فضائل میں اعیان زمانہ سے ممتاز ہوا

اگر نہ چوں زغنی بے ثبات پس ز چہ روے   بہر ہواش چو شہباز میدہی پرواز
اگرچہ مثل چیل کے تو بے ثبات نہیں ہے - تو کیوں شہباز کے مثل اُس کو ہر ہوا میں اُڑاتا ہے

گہے دیارِ خراسان گہے ممالکِ روم   گہے ممالکِ کرمان و کشورِ شیراز

[illegible] بروے اہل خراسان در [illegible] باز

تیرا دوسرا ظلم مجھے یہ معلوم ہے کہ اہل خراسان کے لئے پھر عیش و تنعم کا دروازہ نہیں کھلتا

مگر کہ سایہ یزدان عنان مرکب عزم جو آفتاب بتابد سوئے خراسان باز

بجز اس کے کہ خدا کا سایہ عزم کے گھوڑے کی باگ سورج کے مانند خراسان کی طرف پھر موڑ دے

علاء دولت و دین کز شرف جنابش را جہانیان ہمہ چوں کعبہ میبرند نماز

علاء الدین کہ شرف سے ۔ تمام لوگ کعبہ کے مثل اس کی چوکھٹ کی طرف نماز پڑھتے ہیں

اگرچہ کار بد اندیش او کنوں چو زرست ولے بیک چو زرش سر جدا کنند بگاز

اگر اس وقت اُس کے دشمن کا کام مثل سونے کے ہے لیکن جلد سونے کی طرح اُسکا سر گاز سے جدا کرینگے

جہاں پناہ وزیرا توئی کہ باز کنی درے کہ ہست ز رحمت بروئے خلق فراز

اے وزیر جہاں پناہ ۔ رحمت کا جو دروازہ لوگوں کے سامنے بند ہے تو ہی اُس کو کھول سکتا ہے

مرا بہ بخت تو امید وعدہا دادہ است وصول کوکبہ تست موسم انجاز

مجھ سے تیری قسمت کی قسم کھا کر امید نے وعدے کئے ہیں تیرا پہنچنا ایفائے وعدہ کا موسم ہے

بگیر ملک سلیمان ولے باستقلال ہماں کہ کوف شود ہمنشینئ شہباز

مُلکِ خراسان کو لے لیکن اس استقلال کے ساتھ کہ اُلو شہباز کا ہم نشین ہو جائے

ابن یمین کی یہ آرزو پوری ہوئی اور اُس کی پیشنگوئی نے حقیقت کا قالب اختیار کیا یعنی خواجہ علاء الدین نے اپنے مُلک کی طرف مراجعت کی اور ابن یمین نے اُس کے خیر مقدم میں کہا :۔

امروز در زمانہ دلم شاد و خرم است وین خرمی ز مقدم دستور اعظم است

آج زمانہ میں میرا دل شاد و خرم ہے ۔ اور یہ خوشی وزیر اعظم کے آنے کی وجہ سے ہے

خواجہ نے اس سال ۷۳۰ھ سے ۷۳۶ھ اور ۷۳۷ھ تک پورے استقلال کے ساتھ خراسان میں وزارت اختیار کی اور آبروے گذشتہ کو حاصل کیا اور تمام ذی اقتدار اشخاص نے اُس کی ملازمت کی خواہش کی اور باہم ایک دوسرے

کوئی نئی بات بھی معلوم نہیں ہوتی ۔

دوسری فصل

سنِ کہولت

ایران کی تاریخ میں ۷۳۶ھ نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ چنگیز خاں کے خاندان کو جو ایران میں نہایت ذی اقتدار سلطنت رکھتا تھا اسی سن میں زوال ہوا اور ہلاکو خان کے خاندان کے آخری بادشاہ ابو سعید بہادر خان نے ۳۲ سال کے سن میں ایک نامعلوم مرض میں وفات پائی۔ چنانچہ ابنِ یمین اُس کی تاریخ وفات کے متعلق کہتا ہے:-

چون گذشت از سال ہجرت ہفتصد و سی و شش	از ربیع آخرین ہم سیزدہ بگذشتہ بود
۷۳۶ھ میں	۱۳ ربیع الثانی کو
در قراباغ از سرِ سلطانِ اعظم بوسعید	دستِ تقدیرِ الٰہی افسرِ شاہی ربود
قراباغ میں تقدیرِ الٰہی کے ہاتھ نے	سلطان اعظم ابو سعید کے سر سے تاج شاہی کو اتار لیا

چونکہ اُس کا کوئی جانشین نہ تھا اس لئے سلطنت کے ہر گوشے میں اکابر و اعیان نے خود مختاری حاصل کر لی اور ہر صوبے میں ایک ایک بادشاہ تختِ سلطنت پر متمکن ہو گیا۔ اس سن میں ایران کی سیاسی حالت میں دفعتاً تغیر پیدا ہوا اور سلطنت کا مرکزی ستون متزلزل ہو گیا۔ بقول صاحب مطلع

حملے کے وقت تھی اور چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ
کر پھینک دیا +

ہم کو ۷۳۶ھ میں ایک ایسے ایران سے گذرنا پڑتا ہے جس کے ہر طرف
آتش جنگ بھڑکی ہوئی ہے۔ چھوٹے بڑے امرا حصّے بخرے کے لئے خونریزی
میں مصروف ہیں اور شہروں کو تباہ کر رہے ہیں۔ اخلاقی انحطاط بھی جو سیاسی
حالت کے خراب ہو جانے کا لازمی نتیجہ ہے حد سے گذر گیا ہے اور خودسر امراء اور
معرا از ضمیر و ایمان درباریوں کو کوئی چیز ارتکاب جرم اور غارتگری سے نہیں
روک سکی۔ چنانچہ اس نصف صدی میں جو اولاد ہلاکو خاں کے ستارے کے
غروب اور امیر تیمور گورگان کی سلطنت کے ستارے کے طلوع کا زمانہ ہے۔ اکثر
سلاطین و امراء مقتول و محبوس ہوئے اور بہت کم بادشاہوں نے آسایش پائی
ابو سعید بہادر خان کے مرنے کے ساتھ ہی خواجہ غیاث الدین وزیر نے
ادبار خان کو بادشاہ مقرر کیا۔ امیر علی بادشاہ حاکم دیار بکر نے موسی خان کو
بادشاہ بنایا اور ارپا خان پر حملہ کیا۔ ۱۷ رمضان ۷۳۶ھ کو ارپا نے شکست
کھائی اور اسی سن کے شوال میں موسی خان نے شکست پائی۔ تخت سلطنت
پر پوری طرح ابھی اُس کا قدم بھی جمنے نہ پایا تھا کہ اُسی سال ۴ ذیحجہ کو شیخ حسن
ایلکانی نے بغاوت کی اور محمد خان کو بادشاہ بنایا اور موسی خان کو قتل کیا ۷۳۶ھ
میں امرائے خراسان نے طغاتیمور خان کو بادشاہ تسلیم کیا اور اسی سال شعبان
میں یہ مقام سلطانیہ میں داخل ہوئے +

۱۵ ذیقعد کو طغاتیمور خان کے لشکر نے بمقام مزرعہ شکست کھائی۔ اور
۲۰ ذیحجہ کو شیخ حسن چوپانی کوچک نے روم سے بغاوت کی اور حسن ایلکانی کو شکست
دی اور محمد خان کو قتل کیا۔ ۷۳۹ھ میں ساتی بیگ نے الجائتو کی لڑکی کو بادشاہ

ناظرین! اس زمانے کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالنے کے بعد متذکرہ بالا
سطروں کی تائید میں متعدد صفحات لکھ سکتے ہیں اور اگر وہ سلطان ابوسعید
کے جانشینوں کی سلطنت کے علاوہ جنھوں نے مغلوں کے مرکزی مقامات
پر تسلط حاصل کر لیا تھا۔ اگر جنوب میں شاہان آل مظفر۔ مشرق میں سلاطین کرت
مغرب میں جلا بریہ اور شمال میں امراء مازندران کے چھوٹے چھوٹے سلسلوں
پر بھی نگاہ ڈالیں تو اُن کو نظر آئیگا کہ تھوڑے تھوڑے تفاوت کے ساتھ ایران
کے تمام مقامات کی یہی حالت تھی اور ایک دائمی تشنج اور تزلزل نے تمام
مُلک کو گھیر لیا تھا اور اُس کو ایک ایسے طوفانی سمندر کے مشابہ بنادیا تھا جس
میں ہر طرف سے حملہ آور گھڑیال نمودار ہو کر ڈوبتے اور تیرتے تھے۔ یہہ حالت
مستقل نصف صدی تک قائم رہی اور اُس نے باشندوں کو اس قدر
ضعیف کر دیا کہ جب شمال مشرق سے تیموری سیلاب اُٹھا تو تمام لوگوں
نے اطمینان کی سانس لی اور آرام و آسایش کی زندگی کے متوقع ہو گئے۔ کیونکہ
اس سیلاب کے مقابلے میں صرف انقیاد و اطاعت سے شخصی طور پر جان و
مال کی حفاظت ہو جاتی تھی اس لئے ہر شخص نے کے مانند خم ہو گیا اور اس
سیلاب کے راستے میں رُکاوٹ نہیں پیدا کی۔ چنانچہ اس سیلاب کے
گذر جانے کے بعد اُس نے سر اُٹھایا اور ٹوٹنے سے محفوظ رہا۔ لیکن یہ بھوکے
مقامی بادشاہ جن کے پیٹ بھرنے کا وسیلہ صرف رعایا کا مال اور وہ بھی
صرف ایک صوبے کے تنگ دائرے میں تھا۔ کوئی چیز نہیں چھوڑتے تھے
اور کسی دولتمند شخص کو خواہ وہ دوست ہو خواہ دشمن۔ خواہ بیگانہ ہو یا یگانہ۔
اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے +

اسی نصف قرن میں ابن یمین اپنے شباب کے بقیہ دن اور سن کہولت

تو یہ بھی کوئی قابلِ بحث بات نہیں کیونکہ اس
انقلاب عظیم میں جب تک کسی ایک غارت گر امیر سے تعلق نہ پیدا کیا جائے کوئی
چیز زندگی کی حفاظت نہیں کر سکتی تھی۔ بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ شیخ
سعدی جیسا شخص اپنی زندگی دُور دراز ملکوں میں بسر نہ کر سکا اور ایک مشتِ
خاک اور ایک چھوٹی سی قوم عزیز و اقارب اور زن و فرزند نے اُس کو ایک جگہ
پابہ زنجیر کر دیا تو اُس نے بھی بجز اس کے کہ انہیں جلد جلد بھڑکنے اور بجھنے والے
امراء سے وابستگی پیدا کریں اور کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں دیکھا۔ ابن یمین بھی
ایک آدمی تھا جس کے خاندانی تعلقات اُس کو خراسان سے نکلنے نہیں دیتے تھے
اِس لئے اُس نے انہی مصائب کے ساتھ مانوس ہونے کی کوشش کی اور اُس
کے علم و عقل اور طبیعت نے بھی اُس کو ہر مصیبت اور ہر حادثے میں زندگی بسر
کرنے کی راہ دکھائی *

خراسان ایران کے اور حصّوں سے زیادہ طوائف الملوکی کے مصائب میں
گرفتار تھا۔ کیونکہ خراسان میں بہت سے بادشاہوں نے سلطنت قائم کر لی تھی۔
اور ہر ایک نے اُس کا ایک ٹکڑا اپنے زیر اقتدار کر لیا تھا اور اپنے صوبے کے
ہمسایوں کے ساتھ جنگ و جدل کرنے میں اپنی عمرِ ضائع کر رہے تھے سلاطین
ہرات خراسان کے مشرقی حِصّے کے ایک عظیم الشان قطعے پر قابض تھے۔ امیر
عبداللہ مولائی قہستانی نے پورے قہستان پر امرائے جونی قربانی شمالی
مشرقی حِصّے پر ملوک سربدال نے مرکزی اور مغربی حِصّے پر اور طغان تیمور خان
نے شمال مغرب کے حِصّے پر اقتدار قائم کر لیا تھا اور ان چھوٹے چھوٹے سلسلوں
اور خود اُن کے ممبروں کے درمیان ولیعہدی کے لئے جو دائمی جنگ قائم تھی
اُس نے خراسان کو بالکل میدانِ جنگ بنا دیا تھا۔ ہر سال چند بار چھوٹے بڑے
لشکر ایک شہر سے نکل کر دوسرے شہر میں جاتے تھے اور اثنائے راہ میں

بڑے قلعوں کو جو باغیوں کی جائے پناہ تھے، بالکل منہدم کر دیتے تھے۔ غرض یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہر شخص کے دل میں یہ آرزو پیدا ہو گئی کہ اُس کے پاس کسی قسم کا سرمایہ نہ ہو۔ کیونکہ دولتمندی جان اور عزت دونوں کی بربادی کا سبب بن گئی تھی، اور ایک محتاج شخص کو کم از کم یہ اطمینان تو حاصل تھا کہ کسی شخص کو اُس کی جان کے ساتھ سروکار نہیں، چنانچہ ابن یمین اس کے متعلق کہتا ہے:۔

شکرہا میکنم درین ایام — کہ تہی دست گشتہ ام چو چنار
میں اس زمانے میں شکر کرتا ہوں — کہ چنار کے مثل تہی دست ہوں

زانکہ چو گل اگر زرم بودے — دست گیتی مرا نہادے خار
کیونکہ اگر پھول کے مانند میرے پاس سونا ہوتا — تو میں دُنیا کے دل میں کھٹکتا

بستند بصد شکنجہ و چوب — بقیاس جماعتِ زردار
مال داروں کی طرح اُس کو — لوگ سینکڑوں سزائیں دیکر چھین لیتے

من چنیں گشتمی کہ اکنونم — مفلس و با ہزار عیب و عوار
اس لئے جیسا کہ میں اس وقت تہید ست ہوں — ویسا ہی مفلس ہو جاتا

شکرِ ایزد بداں ہمے گویم — کہ دریں فترت و تقلب کار
میں اس زمانہ انقلاب میں — خدا کا شکر اس لئے کرتا ہوں

اگرچہ اندک بضاعتم بارے — سوہم آمد شکنجہ بسیار
کہ اگرچہ میں قلیل البضاعت ہوں — لیکن وہ بہت سے شکنجوں سے مجھے نجات دلواتی ہے

یہ لوگ بے دریغ لوگوں کو گرفتار کرتے تھے، اور وہی شخص اپنی حفاظت کر سکتا تھا جو اُن لٹیروں کی مثل ہو جائے اور وہ بھی چھین جھپٹ کر کے دوسروں کے مال پر قبضہ کر لے، لیکن ابن یمین چونکہ ایسا نہیں کر سکتا تھا اس لئے اُس نے اپنی معاش کا دوسرا راستہ نکال کر انہی لٹیروں سے وجہ معاش حاصل کی یعنی جب اُس کو نظر آیا کہ وہ فضائل اخلاق کی اشاعت کر کے اپنی معاش کا

انہی لٹیروں کی مدح کرتا رہا +

اِس طوائف الملوکی کے زمانے میں جو حصّہ براہِ راست ہمارے موضوع سے تعلق رکھتا ہے اور تمام طریقوں سے بہتر طریقے پر چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے قائم ہونے کا پتہ دیتا ہے وہ خراسان کا حصّہ اور سربداروں کی تاریخ ہے کیونکہ ابنِ یمین نے اسی سلسلے کے بادشاہوں کی مدح گوئی میں اپنی بقیہ عمر بسر کی ہے اور اس طریقے پر اپنی معاش حاصل کی ہے اِس سلسلے کی ابتدائے قیام کے سمجھنے کے لئے ہم سلسلۂ سخن کو پھر اُسی جگہ سے شروع کرنا ضروری سمجھتے ہیں جہاں سے وہ منقطع ہو گیا تھا +

۷۳۶ھ کے اخیر میں خواجہ علاؤالدین نے مالگذاری وصول کرنا چاہی اور اس سلسلے میں خراسان کو سب سے مقدم رکھا، وہ فریومد میں مقیم تھا، اور حال ہی میں شہرستان کی عظیم الشان عمارت کی تعمیر سے فراغت پائی تھی۔ امیر شیخ علی والی خراسان استرآباد میں مقیم تھا۔ خواجہ کے ملازم ہر طرف روانہ ہو گئے۔ اور روپیہ کے وصول کرنے میں جیسا کہ علاؤالدین کی عادت تھی بہت سختیاں کیں اور رعایا کو بالکل مہلت نہیں دی۔ چنانچہ روپیہ کی وصولی میں خواجہ علاؤالدین جس قدر سختیاں کرتا تھا اُس کے متعلق خود تاریخوں میں اشارات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً جس وقت وہ طغا تیمور خاں کے اتفاق سے عراق میں گیا۔ بجائے اِس کے کہ لوگوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا اور کم از کم امیر شیخ حسن بزرگ کی جنہوں نے طغا تیمور خاں کے ساتھ جدید معاہدہ کیا تھا، مدد کرتا اُس نے یہ حکم دیا کہ تمام مالیات کو یہاں تک کہ شیخ حسن بزرگ کے دیہات سے بھی وصول کر لیں۔ غرض بادشاہ کی حرص و طمع اور وزیر کے بخل و خساست

کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیمور خاں کی فوج [illegible] واپس آ گئی اور مفتوحہ

کے ساتھ ہوگا وہ اظہر من الشمس ہے۔ بالخصوص اگر اس صیغہ کا حاکم خود آقا کا بھانجہ ہو جو اپنے آپ کو رعایا کی عزت و مال دونوں کا مالک سمجھتا ہے تو نتیجہ اس سے بھی واضح ہے۔ یہ جوان سبزوار کے دیہاتوں میں سے قریہ باشتین میں آیا اور حسن حمزہ اور حسین حمزہ کے بھائیوں سے مے و معشوق کے فراہم کرنے کا مطالبہ کیا۔ حسن اور حسین نے معشوق کے بارے میں معذرت کی لیکن قاصد نے اُن کا کہنا نہیں مانا اور بعض عورتوں پر دست درازی کرنی چاہی۔ اب ان دونوں بھائیوں نے تلوار کھینچ لی اور کہا کہ ہم سردار ہیں اور اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتے، اور قاصد کو قتل کر ڈالا۔ خواجہ علاؤ الدین محمد جو خراسان کے وزیر تھے اُس وقت فریومد میں قیام رکھتے تھے، اُن کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اُنہوں نے حسن کے بُلانے کے لئے آدمی بھیجا لیکن اُنہوں نے حیلہ حوالہ کر دیا۔

اُس گاؤں کے مشہور پہلوان امیر عبد الرزاق جو نئے نئے کرمان سے واپس آئے تھے اور سلطان ابو سعید بہادر خان کی وفات سے واقف تھے حسن حمزہ اور حسین حمزہ کی حمایت کے لئے کھڑے ہو گئے اور کہا "یہ دونوں آدمی باعزت اور باحمیت ہیں۔ ہم کو ان کی اعانت سے دریغ نہیں"۔ اُنہوں نے خواجہ علاؤ الدین کے گماشتوں کو نہایت ذلت کے ساتھ گاؤں سے نکال دیا۔ اور جب وزیر کو اس کی اطلاع ہوئی تو نہایت برہم ہوا اور اُن کے ساتھ پچاس آدمی روانہ کئے۔ کہ اُن کے قاتلوں اور حامیوں کو پکڑ لائیں۔ عبد الرزاق نے اُن آدمیوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور اُن میں سے دو تین آدمیوں کو مار ڈالا بقیہ بھاگ نکلے۔ اب عبد الرزاق نے اپنے مددگاروں کو ایک جگہ جمع کیا اور کہا کہ "عظیم الشان فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اگر ہم لوگ سستی کرینگے تو مارے جائینگے لیکن جوانمردی کے ساتھ اپنے سر کو دار پر دیکھنا نامردی کے ساتھ قتل ہونے سے

پادشاہ کی موت خبر اور عاقبت اندیشی سے اِس قسم کے قریبی فتنہ سے خوف زدہ ہوا
اور جو شورشیں بادشاہوں کے رد و بدل سے یقینی طور پر ہوا کرتی ہیں۔ اُن سے
محفوظ رہنے کے لئے اُس نے مصلحتاً والی خراسان سے تعلقات پیدا کرنے چاہیے
کیونکہ سلطان ابوسعید بہادر خاں نے ۳۲ سال کے سن میں دفعتاً وفات پائی
تھی اور اُس کی موت کی خبر کے ساتھ یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ اُس کو زہر دیا گیا
اور دوست و دشمن سب مطلق العنان ہو گئے۔ بادشاہ نے اپنا کوئی ولیعہد
بھی مقرر نہیں کیا تھا۔ اور شاہی خاندان میں کوئی دوسرا شخص اُس کے لئے
موزوں نہیں تھا۔ مغل امراء کا اقتدار حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا اور ہر ایک
ایران کے ایک حصّے کو اپنے زیر اثر کرنا چاہتا تھا۔ ایسی حالت میں ایک صاحب
اقتدار بادشاہ کی ضرورت تھی جو اُن امراء کی سرکوبی کرے۔ دُور کے شہروں
میں جو خیر خواہ ملازم تھے اُن کی حفاظت کرے۔ اور اُن کے ساتھ موافقت و
مساعدت کرے۔ اس وقت خراسان سب سے بڑا صوبہ تھا اور ولیعہد کا
قیام وہیں رہتا تھا۔ غازان۔ الجائتو اور ابوسعید سب کے سب خراسان میں
رہ چکے تھے اور وہیں سے سلطنت پائی تھی۔ غرض یہ رسم ہو گئی تھی کہ خراسان
ایران کو بادشاہ دیتا تھا اور اِس صوبے کے فرماں روا سلطنت کے آیندہ
بادشاہ کا پیدا کرنا اپنا حق سمجھتے تھے۔ خواجہ علاؤالدین محمد اگرچہ خراسان کا
بہت بڑا حاکم نہ تھا تاہم کم از کم اُس کا اثر وہاں بہت زیادہ تھا اور اُس صوبے
کے بڑے بڑے امراء مثلاً امیر شیخ علی قوشجی حاکم خراسان۔ ارغوشاہ میرانی۔
نوروز بیگ حاکم طوس اور امیر عبد اللہ مولائی قہستانی اگرچہ زور و قوت
میں اُس سے بڑھے ہوئے تھے تاہم اُس کی رائے کو پسند کرتے تھے۔ اور
ایک تجربہ کار خاندانِ وزارت کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اُس کا احترام کرتے

کورتی اور ذاتی ملکیت کو خود مختاری حاصل کی تھی اور بیہق جیسے صوبے کو حاصل کر کے
اِس قدر رسوخ واستحکام حاصل کر لیا تھا کہ دربار سلطانیہ تک نے اُس کے
نفوذ۔ شہرت اور قدرت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے وسطِ ایران میں اُس کو
صیغہ محاصل وخراج کا حاکم بنا دیا تھا۔ ایسے وقت میں جب کہ سلطان کی
ناگہانی موت نے تمام ایران کو مطلق العنان کر دیا تھا۔ اور امراء بالکل گسستہ
عنان ہو گئے تھے۔ خواجہ علاؤ الدین کے لئے یہ بسا غنیمت تھا کہ امیر شیخ علی
حاکم خراسان جو اس وقت استر آباد میں تھا۔ اُس کو ایک نہایت ضروری شخص
خیال کرتا تھا۔ خواجہ بھی فریومد سے نکل کر اس غرض سے استر آباد کو روانہ ہوا کہ
ملکی معاملات سے بالکل الگ نہ رہے۔ بالخصوص اُس آتشِ فتنہ وفساد سے
جو اُس کے مرکز وزارت کے آس پاس بھڑکی ہوئی تھی علیحدگی اختیار کرے۔
اور اِس شورش کے فرو ہونے تک شورش کرنے والوں سے چند منزل دور رہے
یہاں تک کہ اگر اُس آگ کے شعلے بلند ہو کر زیادہ دُور تک پھیلیں تو امیر
شیخ علی سے مدد حاصل کرے +

لیکن امیر عبد الرزاق اپنی عاقبت اندیشی سے اس زخمی سانپ کو نہیں
چھوڑ سکتا تھا کہ بھاگ کر نکل جائے اور چند دنوں کے بعد نصف خراسان کو
اُس کی بغاوت پر آمادہ کر دے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر فوراً اس کا کام تمام نہ کر دیا گیا
تو اس کے استر آباد تک پہنچنے کے بعد خود اُس کا کام تمام کر دیا جائے گا۔ اور
اُس کو پھانسی دے دی جائے گی۔ اس لئے اُس نے اپنے حامیوں کو جمع کر کے
باہم مشورہ کیا اور سرداروں کی ایک فوج کو خواجہ کے تعاقب میں روانہ کیا جس
نے (درہ شہرک نو) میں خواجہ کو پالیا۔ خواجہ نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنے
اہل وعیال کو مازندران کے راستے سے پہلے روانہ کر دیا اور ایک جماعت کو لے کر
خود مصروفِ کارزار ہو گیا۔ لیکن ایک بوڑھا اور ناز پروردہ وزیر خدمتگاروں کی

بہادر فوج اور عبدالرزاق جیسے خونریز اور فتنہ انگیز شخص کا کہاں تک
مقابلہ کرسکتا تھا؟ اُس نے بہت جلد شکست کھائی۔ اُس کے ملازم اِدھر
اُدھر منتشر ہوگئے اور باتفاق مورخین خواجہ دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوکر
مقتول ہوا اور خواجہ کا تمام قیمتی مال و اسباب عبدالرزاق کے ہاتھ آیا۔ اور
اُس نے نہایت طاقت ور اور دولت مند ہوکر فریومد پر حملہ کیا اور خواجہ کے خزانہ
پر قابض ہوگیا۔ لیکن ذیل کے دلائل کی بناپر تمام مورخین نے اس معاملہ میں غلطی
کی ہے۔ اور ایک ایسی خبر پر اعتبار کیا ہے جس کو خود سربداروں نے خواجہ کے
طرف داروں کے دھمکانے اور کمزور کرنے کے لئے شہرت دی تھی۔ اور خواجہ
علاؤ الدین اس حملے میں گرفتار اور قتل نہیں ہوا اور ۷۴۳ھ کے بعد پانچ سال
تک اور بھی زندہ رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ نے کبھی موقع جنگ سے بھاگ کر
جان بچائی۔ جس کے دلائل حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ابن یمین کے دیوان میں ایک مادہ تاریخ ہے جس سے اُس کے سال
وفات کی تعیین ہوتی ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے بچائے دلاباد
اور دوہ شہرک نو کے سرریشہ میں وفات پائی ہے۔

ز ہجرت ہفت صد بود و چہل و سہ — سہ بہ عشرین فزودہ ماہ شعبان

۲۳ شعبان ۷۴۳ھ کو

بروز چارشنبہ در گہہ چاشت — ز بد فعلی این گردون گردان

بدھ کے دن دوپہر کے وقت — آسمان کی بدکرداری سے

علاؤ الدین و الدنیا محمد — وزیر شہ نشان ملک ایران

ایران کا وزیر علاؤ الدین

ز سرریشہ سوئے جنت رواں شد — کہ جانش تازہ باد از آب غفران

سرریشہ سے جنت کی طرف روانہ ہوا — مغفرت کے پانی سے اُس کی جان تازہ ہو

ایک شاداب اور شگفتہ پھول کی طرح آیا

مبادا بے چنین گل گلشن ملک
کہ ہست این یادگارے در گلستان

اس پھول سے ملک کا باغ خالی نہ ہو
کہ باغ میں یہ ایک یادگار چیز ہے

اس میں ابن یمین کی غلطی کا امکان نہیں ہے۔ کیونکہ اوپر کی تحقیق سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس نے ۷۴۲ھ تک طغا تیمور خان اور خواجہ علاؤ الدین کی خدمت میں زندگی بسر کی ہے۔ اور غالباً خواجہ کے ساتھ ابن یمین نے بھی راہِ فرار اختیار کی ہے۔ اور تا دمِ مرگ اپنے آقا کے ساتھ رہا ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سلاطین سربدار کے پہلے سلسلے کی کڑی یعنی عبد الرزاق کی مدح میں اس کا کوئی قصیدہ اور اُس کا کوئی شعر ایسا نہیں ہے۔ جو اُن کی سلطنت کے ابتدائی چار سال کے واقعات پر مشتمل ہو۔

یہ قدرتی بات ہے کہ ابن یمین نے خواجہ علاؤ الدین کی ملازمت کو سربداروں کی بہادری و شجاعت پر ترجیح دی ہے۔ اس وقت طغا تیمور خان نے علم سلطنت بلند کیا تھا۔ جس کو امرائے خراسان ایلخانی کہتے تھے اور چونکہ طغا تیمور خان خواجہ علاؤ الدین کے نصیحت آمیز مشوروں سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ اس لئے لازمی طور پر خواجہ کے دست پرور ابن یمین کی نہایت قدر و منزلت کرتا تھا اور اُس کو اپنے آغوش تربیت میں لے لیا تھا۔ دوسری طرف سربداروں کو بھی کوئی فروغ نہیں حاصل ہوا تھا۔ صرف چند باغی تھے جو راستہ سے بہت جلد ہٹا دیئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن یمین نے اولاً تو طغا تیمور خان کی شہرت اور دوسرے سربداروں کے خوف سے جو البتگان خواجہ کو ستاتے تھے خواجہ کی معیت اختیار کی اور اس کے ساتھ گرگان گیا۔

(۲) دوسری دلیل جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ ۷۴۳ھ میں مقتول نہیں

دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ علاؤ الدین سربداروں کے ہاتھ سے مارا نہیں گیا اور اس زمانہ میں خواجہ کا خاندان مازندران کے شہر ساری میں مقیم رہا اور چونکہ ۷۴۲ھ میں جیسا کہ مادۂ تاریخ میں گذر چکا ہے۔ خواجہ کے خاندان میں سے کوئی شخص فریومد میں موجود نہ تھا۔ اس لئے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خواجہ علاؤ الدین کا بیٹا جلال الدین ساری میں مقیم تھا۔ اور ابن یمین بھی جس نے اپنے باپ کے مادۂ تاریخ وفات میں اُس کی مدح کی ہے۔ اُس کے پاس موجود تھا۔ اس کے علاوہ اس مادۂ تاریخ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابن یمین خواجہ کے بھاگنے کے موقعہ پر اُس کے ساتھ رہا ہے۔ اور ایک مُدت تک گرگان اور مازندران میں زندگی بسر کی ہے۔ اُس نے ذیل کا قطعہ خواجہ کی زندگی میں لکھا ہے اور چونکہ صرف اُس کی خاطر سے اپنے وطن اور خاندان کو چھوڑ کر سفر اختیار کیا ہے۔ اس لئے اس میں خواجہ پر احسان جتاتا ہے:۔

اے باد صبحدم گذرے کن زراہِ لطف — بہر من شکستہ مخزون ممتحن

اے نسیم سحر براہِ کرم — مجھ شکستہ غم زدہ اور محنت زدہ کیلئے

سوئے جناب آصفِ ثانی علاءِ دین — کز راہِ رتبہ اوست سلیمان این زمن

آصفِ ثانی علاؤ الدین کے پاس — جو بلند رتبگی کی وجہ سے سلیمان زمانہ ہے جا

کای متقی شرائعِ احسان روا بود — کابن یمین کہ بہر تو ببرید از وطن

کہ اے احسان کی شریعت کے متقی کیا یہ جائز ہے؟ — کہ ابن یمین جس نے تیرے لئے وطن کو چھوڑا

کشتی بخشک راند و خدامِ آن جناب — غرق بحار جود تو یکسر ز مرد و زن

خشکی میں کشتی چلائے اور آپ کی درگاہ کے — خدام جس میں مرد اور عورت سب شامل ہیں تیری فیاضی کے دریا میں غرق رہیں۔

چنیر طغا تیمور خان کی شہرت ہے جو ایلخانی بننا چاہتا تھا۔ اور سلطنتِ ایران کو اپنی ملک خیال کرتا تھا۔ بڑے بڑے امراء مثلاً امیر شیخ علی بن حسین قوشجی والئے خراسان۔ امیر ارغونشاہ بن امیر نوروز بیگ اور امیر عبداللہ بن مولائی قہستانی گرگان میں جمع تھے اور شمال مشرقی ایران کے حصّے میں ابوسعید کی وفات اور طغا تیمور خان کی سرکشی کے بعد سے شورش برپا تھی۔ خراسانی تسخیرِ عراق میں ایک دوسرے پر پیش دستی لے جانا چاہتے تھے۔ اور دیارِ گرگان میں وارد ہوتے تھے۔ بے انتہا وعدے بھی جن کا سکہ اس قسم کی ملک گیریوں میں سب سے پہلے چلتا ہے۔ فیاضانہ طور پر کئے جاتے تھے اور لوگوں کو دیوانہ بنا لیتے تھے امرائے عراق کے اختلافات کی خبر اور طغا تیمور خان کی دعوت بھی اکثر لوگوں کو پاگل بناتی رہتی تھی۔

خیالات کی اس شورش نے ابن یمین جیسے شاعر کو جو اس سن میں ہمیشہ عطیہ کی جستجو میں مصروف رہتا تھا ترغیب دی۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے:۔

در قصہ شنیدیم کز یں بیش بزرگے   یک بدرۂ زر داد بیک بیت فلانے

ہم نے قصہ میں سنا ہے کہ اس سے پہلے ایک رئیس نے   کسی شاعر کے ایک شعر پر سونے کا توڑا دیا تھا

ما ہم ز طمع پیش بزرگانِ زمانہ   بستیم میانے و کشادیم زبانے

ہم نے بھی حرص سے امرائے زمانہ کے سامنے   کمر باندھی اور زبان کھولی

بردیم بسے رنج و نشد حاصل ازاں کار   جز خوردن خونے و بجز کشتن جانے

ہم نے کو بہت تکلیف اٹھائی لیکن خون کھانے اور جان ہلاک کرنیکے سوا کوئی نتیجہ نکلا۔

گر تربیت اینست بسا کاہل سخن را   دل تافتہ گردد چو تنور از پئے نانے

اگر یہی پرورش ہے تو   تنور کی طرح بہت سے اہل سخن کا دل جل بھن جائیگا

[illegible] ہاں کا شعر و شید جیسے [illegible]

اے اہلِ ہنر بات وہی ہے جو میں نے کہی　　یقین کو گمان کے بدلے ہرگز نہ فروخت کرو

اِس کے علاوہ سربداراِ ابتداء میں صرف باغی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے ایلخانی کے مقابل میں اُن کو فروغ نہیں حاصل ہو سکتا تھا۔ اِس لئے ابن یمین نے بھی ان دو شخصوں یعنی عبد الرزاق اور طغا تیمور خان کے درمیان بلا تردد ایلخانی کے تقرب کو ترجیح دینا پسند کیا۔ کیونکہ اُس کا قدیم ولی نعمت خواجہ علاؤ الدین جو اس وقت بالکل "فعال لما یرید" تھا اُس کی معرفی کر سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے طغا تیمور خان کی پرورش اور صلے کی توقع میں خواجہ کے اتفاق سے ترکِ وطن کیا اور اُس نے طغا تیمور خاں کی جو مدح کی اُس کا حال ہم طغا تیمور خان کی عظمت کے ذکر میں کریں گے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ خواجہ علاؤ الدین نے راہِ فرار اختیار کی اور عبد الرزاق کامیاب واپس ہوا اور اس واپسی میں اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اثنائے راہ ہی سے فریومد پر حملہ آور ہوا اور خواجہ کے مال و خزانہ میں سے جو کچھ ساتھ لے جا سکتا تھا اُس پر قابض ہو گیا اور اپنے سپاہیوں پر اُس کو تقسیم کر دیا۔ اس فتح اور اِس مالِ غنیمت نے اُس کو اس قدر طاقت ور بنا دیا کہ اس نے سبزوار میں آنا اور اِنبار پر قبضہ کرنا چاہا۔

عبد الرزاق کے باپ جلال الدین فضل اللہ کے جو بیہق (سبزوار) کے گاؤں باشتین کا رہنے والا تھا پانچ بیٹے تھے جن کے نام امین الدین، عبد الرزاق، وجیہہ الدین مسعود، نصر اللہ، شمس الدین تھے۔ ان میں امین الدین، سلطان ابو سعید کی خدمت میں رہتا تھا اور عبد الرزاق نے بھی اپنی پہلوانی کی شہرت سے سلطان کے دربار میں تقرب حاصل کر لیا تھا، وجیہہ الدین مسعود نے عبد الرزاق کے بعد شہرت پائی اور نصر اللہ گویا وہ شخص ہے جس نے شیخ

مورخین کی یہ عادت ہے کہ جو قوم سلطنت حاصل کر لیتی ہے اُن کا شجرہ ایک قدیم اور معزز خاندان سے ملا دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے متعلق بھی ان کا قول ہے کہ ماں کی جانب سے اُن کا سلسلہ نسب امام حسین علیہ السلام سے ملتا ہے اور باپ کی طرف سے یحییٰ برمکی تک پہنچتا ہے۔

عبد الرزاق کی پہلوانی کا ذکر تاریخوں میں مذکور ہے۔ اور اُس کی عیاشی اور بلیا کی نے اس قدر شہرت حاصل کر لی تھی کہ سلطان ابو سعید بھی اس سے واقف تھا۔ سلطان نے اُس کی وجہ معاش کے لئے محاصل کرمان میں سے ۱۲۰۰۰۰ دینار کی وصولی کے لئے اُس کو اس شرط کے ساتھ مامور کیا تھا کہ ایک لاکھ دینار خزانے میں کرے اور باقی ۲۰ ہزار دینار کو خود اپنے عیش و عشرت میں صرف کرے۔ اسی دلیری اور فیاضی کی بنا پر عبد الرزاق کو تمام معاملات میں کامیابی حاصل ہوتی تھی۔ اور قبضہ سبزوار کے موقع پر انہیں دونوں اوصاف نے اُس کو کامیاب کیا اور اُس نے بہت سے لوگوں کو اس کے اطراف میں جمع کر لیا۔ سربداروں کی تاریخ، اُس کی ترقی کے سبب اور اُن کے مخصوص طرز حکمرانی میں یہ اوصاف نہایت قدر و قیمت رکھتے تھے۔ چنانچہ سربداروں کی سلطنت کا بانی اوّل اُن طاقتور لوگوں میں سے تھا جو سلطنت کی عمارت کا سنگِ بنیاد بن گیا اور اس جدید عمارت کے تمام اینٹ پتھر کا بوجھ اپنے اوپر اُٹھا لیا۔ عبد الرزاق کے طاقتور بازو اور کھلے ہوئے ہاتھ کی روئداد نہایت اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس زمانے میں سلطنت کے قیام و توسیع کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری تھیں۔ اور یہ کہ باوجود تمام امرائے خراسان کے اتفاق اور کسی بڑے دشمن کی موجودگی کے طغاتیمور خان ایلخانی کیوں نہ بن سکا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ طاقتور بازو اور دلیر دل

سے پہلے ہی خود بادشاہ بھاگ نکلا اور لشکر کو کمزور کر کے دشمن کے ہاتھ میں گرفتار کرا دیا۔

آخر باوجود ایں عقل و دولت کے خواجہ علاؤ الدین مٹھی بھر باغی رعایا کا جو ایک گاؤں میں اگر جمع ہو گئی تھیں مقابلہ کیوں نہ کر سکا؟ اِس لئے کہ خواجہ بخیل اور فریفتہ زر تھا اور اپنے اِرد گرد مسلح سوار نہیں رکھتا تھا۔ اُس کے بخل اور سخت گیری سے اطراف و جوانب کے تمام رؤسا اُس سے ناراض تھے اور جو لوگ اُس کے پاس تھے وہ بھی دل سے اُس سے راضی نہ تھے۔ ورنہ ہزار مسلح سپاہی جنھوں نے بقولِ دولت شاہ اُس روز سرداروں پر حملہ کیا شکست نہ کھاتے۔ سچ ہے ؎

چو دارند گنج از سپاہی دریغ دریغ آیدش دست بُردن بہ تیغ

یہ سب کو معلوم ہے کہ جو شخص امن و عزت کے زمانے میں اِس قدر محفوظ فوج اپنے لئے نہیں رکھے گا اور لوگوں کو اس قدر روپیہ نہیں دیگا کہ مصیبت کے وقت اُس کی مدد کریں اُس کو اِسی قسم کی ذلت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ خواجہ سے لوگ انعام یا کم از کم مالگذاری کے وصول کرنے میں نرمی کی توقع رکھتے تھے اور محض خدا کی خوشنودی اور ثوابِ آخرت کے لئے اُس کی خدمت نہیں کرتے تھے چنانچہ ابن یمین کہتا ہے:-

مرا از خواجہ نفع امروز باید وگرنہ روشن است اہلِ خرد را

مجھ کو خواجہ کی ذات سے آج فائدہ پہنچنا چاہئے ورنہ عقلمندوں پر ظاہر ہے

کہ فردا چوں بہ محشر جمع گردد بمن حاجت بود چوں خواجہ صدرا

کہ قیامت کے دن جب لوگ اکٹھا ہونگے تو خواجہ جیسے سینکڑوں آدمیوں کو خود میری احتیاج ہو گی

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابن یمین جیسا شخص خواجہ سے خوش نہ تھا

احساسات کا اظہار نہیں کر سکتے تھے اور یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ

بحمد اللہ ندارم مال و جاہے! | کہ بستانی بدیگر کس سپاری
خدا کا شکر ہے کہ میں مال و جاہ نہیں رکھتا | کہ تو اُس کو لے کر دوسرے کو دیدے
چو من بر بے نوائی دل نہادم | چرا باید تحمل کرد خواری
جب میں نے بے سروسامانی اختیار کی | تو ذلّت کیوں برداشت کروں

ناراضی کی تلواریں ابھی تک میان میں تھیں۔ لیکن عبدالرزاق کے بہادرانہ نعروں نے اُن کو باہر نکلنے کا حکم دیا۔ اور دفعتاً ہر طرف سے ایک دل جلی اور انتقام جُو جماعت قریہ باشتین میں جمع ہو گئی اور پہلے ہی دن سات سو سپاہی عبدالرزاق کے حکم سے فریومد میں آئے اور شہرستان کی بلند عمارت پر جو اُن کے جذبۂ بغض و انتقام کو مشتعل کر رہی تھی۔ غارت گری کی۔ ابن یمین نے اسی برباد شدہ عمارت کو دیکھ کر یہ قطعہ کہا ہے:۔

ز بے وفائی گیتی اگر نۂ آگاہ | بہ قصر خواجہ نگہ کن کہ اندرو پیداست
اگر تم دُنیا کی بے وفائی سے آگاہ نہیں ہو | تو خواجہ کے محل میں دیکھو کہ وہ اس میں نمایاں ہے
درین سرا و درین صفّہ و درین ایوان | بسے نشیب امیر و اسیر ازو برخاست
اس گھر میں اس چبوترے میں اور اس ایوان میں | بہت سے امیر بیٹھے اور اُس سے فقیر ہو کر نکلے

اور خواجہ کے خزانے پر جس کو اُس نے ایک ایک اشرفی کر کے جمع کیا تھا قبضہ کر لیا۔ عبدالرزاق نے اس عظیم الشان خزانے کو اپنے سپاہیوں پر تقسیم کر دیا اور اس فیاضی سے سرداروں کی پنجاہ سالہ حکومت کی بنیاد قائم کی طغا تیمور خاں طاقت ور بازو اور قوی دل نہیں رکھتا تھا۔ اور خواجہ علاؤ الدین فیاض نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایلغانی نہ ہو سکا اور یہ وطن کے آرام و آسایش سے محروم رہا۔ لیکن عبدالرزاق ایک طاقت ور مگر خالی ہاتھ سے نکلا اور بازی لے گیا

جیساکہ اوپر ہوا عبدالرزاق کرمان کو چلا گیا اور اُس مال کو رعایا سے وصول
کرکے پورے ایک لاکھ بیس ہزار دینار معشوقہ بازی اور شراب نوشی میں صرف
ہوگئے - جب اس مستی کی نیند سے اُس کی آنکھیں کھلیں تو اتنی بڑی رقم میں
سے ایک دینار بھی موجود نہ تھا - اس لئے اُس نے مجبوراً کرمان کو چھوڑ دیا اور
سبزوار میں آیا کہ اپنی موروثی جائداد کو فروخت کرکے اُس کی تلافی کرے - اتفاق
سے اُس نے راستہ ہی میں سلطان کی وفات کی خبر سنی اور پوشیدہ طور
پر باشتین میں آکر اپنے دوستوں اور ہم قوموں سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا
کہ "دنیا برہم ہورہی ہے ایسی حالت میں دہقانیت کا ننگ و عار کیوں برداشت
کیا جائے" - اس کا مطلب یہ تھا کہ علاؤالدین کے بھانجے کے مظالم کیوں
برداشت کئے جائیں - جو اسی زمانے میں تحصیل مالگذاری کے لئے آیا ہے -
اور عورتوں پر دست درازیاں کی ہیں - اس جملے کو جو اپنے تمام سابق آقاؤں
کے ساتھ جنگ ہے مورخین نے مختلف لفظوں میں لکھا ہے - اور انہیں
میں سے ابن یمین کا شعر بھی ہے - جو اگرچہ دوسرے موضوع سے تعلق رکھتا ہے
لیکن سب سے زیادہ اس مقام پر مناسبت رکھتا ہے:-

کارِ اہلِ صلاح یافت کساد — روزگارِ حسود اوباش است

اہلِ صلاح کی کساد بازاری ہے — اور اوباش حاسد کا زمانہ ہے

عبدالرزاق نے مختلف قسم کے لوگوں کو متفق کیا اور اپنے گرد ایک گروہ
کو جمع کرکے فوراً سبزوار کا قصد کیا اور اس شہر کو فتح کرلیا - اب عبدالرزاق کے
اقبال کا ستارا پورے طور پر چمک اُٹھا اور خواجہ علاؤالدین کی جائداد - خزانہ اور
شہر سبزوار کے قبضہ کے علاوہ ایک مخفی خزانہ بھی اُس کے ہاتھ لگ گیا -

خواجہ علاؤالدین کی وزارت کے زمانے میں امرائے خراسان نے ہر

میں امیر عبداللہ مولائی قہستانی جو جنوبی خراسان کا حکمران تھا۔ خواجہ کی
لڑکی کا خواستگار تھا اور ترشیز سے چالیس اونٹ کپڑا۔ سونا اور ریشم اس لڑکی
کے لئے فریومد میں روانہ کیا تھا۔ سوئے اتفاق سے بیہق میں اس قافلے کو
سربداروں کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا اور عبدالرزاق کو اس کی خبر ہوئی تو اُس
نے محمد آتیمور کو قافلے کے لوٹنے کے لئے روانہ کیا۔ اس مال پر قبضہ کر لینے کے
بعد عبدالرزاق نے خواجہ علاؤالدین کی لڑکی پر بھی جو شہر سبزوار میں تھی قبضہ کرنا اور
عبداللہ قہستانی کے بجائے خود اُس کو اپنے نکاح میں لانا چاہا۔ دوست شاہ
کا بیان ہے کہ یہ عورت "خواجہ عبدالحق ابن خواجہ علاؤالدین ہندوی فریومدی کی
بی بی تھی" اور اس لحاظ سے وہ خواجہ کی لڑکی نہ تھی بلکہ بہو تھی اور اس لڑکی نے
جو جواب دیا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اُس کے شوہر نے حال ہی میں وفات
پائی ہے چنانچہ وہ کہتی ہے کہ "میں نے شوہر کی وفات کے بعد یہ عہد کر لیا ہے
کہ دوسرا نکاح نہ کروں گی"۔ بہر حال یہ خواجہ علاؤالدین کی لڑکی ہو یا بہو عبدالرزاق
نے اُس کے نکاح پر سخت اصرار کیا اور کہا کہ "اگر سیدھی طور پر ایسا نہ ہو گا
تو میں زبردستی سے ایسا کروں گا" بالآخر خاتون نے دس روز کی مہلت طلب
کی اور ایک روز سبزوار سے بھاگ کر نیشاپور کی راہ لی۔ عبدالرزاق کو اس کی
اطلاع ہوئی تو اُس نے اپنے بھائی مسعود کو اُس کے تعاقب کے لئے روانہ
کیا اور اُس نے رباط سیگلندر میں مفرورین کو جا کر پکڑ لیا۔ لیکن اس خاتون
کی منت وسماجت سے متاثر ہو کر اُن کو واپس نہیں لایا اور سبزوار کی
طرف مراجعت کی۔

عبدالرزاق اُس کا حریصانہ انتظار کر رہا تھا۔ اس لئے جب مسعود نے
اس سے کہا کہ میں مفرورین کو نہ پا سکا تو اُس نے اُس کو گالیاں دینا شروع
کیں اور اُس پر اس قدر سختی کی کہ مسعود نے عبدالرزاق پر تلوار کھینچ لی

مسعود بھی اس کے اوپر کودا اور اس کو قتل کر دیا ۔

امراء اور رعایا دونوں نے اس کو پسند کیا اور امیر مسعود کو بادشاہ بنایا عبدالرزاق کی مدتِ حکومت میں جو ایک سال اور دو مہینے تک قائم رہی جوین اسفرائن - جاجرم - بیار اور خجند سرداروں کے قبضہ میں آ گئے ۔

تیسری فصل

گرگان میں

عبدالرزاق کے دورِ حکومت میں ابن یمین فریومد میں نہ تھا بلکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے خواجہ علاؤالدین کے ساتھ گرگان میں تھا - یہ سال طغاتیمور خان کے سالِ ظہور سے ملا ہوا ہے اس لئے شعراء کی تمامتر توجہ اُسی طرف مبذول نظر آتی ہے - اس کے علاوہ سنگدل اور بدکرار عبدالرزاق نے اتنی حیثیت اور فرصت نہیں پائی کہ شاعری کی طرف توجہ کرتا بلکہ اُس نے اپنی سلطنت کے مختصر زمانے کو غارتگری - بدکرداری اور ظالمانہ تجارت میں صرف کیا - اس بناء پر اس زمانہ اور اس کے تین سال بعد ابن یمین کے حالات کی جستجو طغاتیمور خان کے حالات کے ضمن میں کرنی چاہئے ۔

عبدالرزاق کے مقتول ہو جانے کے بعد اُس کے بھائی وجیہہ الدین مسعود نے حکومت پائی - چونکہ وہ بہادر اور مدبر تھا اس لئے عبدالرزاق کے دورِ

عبدالرزاق کی تند خوئی اور شہوت رانی اور غیر معتدل بہادری نے اس

کے بھائی کے اخلاق کو اور بھی نمایاں کیا تھا۔ اور اُس کی ہردلعزیزی نے اور
بھی ترقی کی تھی۔ چنانچہ مسعود سربداروں کے چھوٹے سے سلسلے کا سب سے
بڑا بادشاہ خیال کیا جاتا ہے اور درحقیقت اس کے بعد اکثر بادشاہ اُس کے
ملازم اور پروردہ تھے۔ گویا امیر وجیہہ الدین مسعود ہی سربداروں کی سلطنت
کا بانی تھا اور اُس کی مدبرانہ عقل اور شجاعت اُس کو اس طرح نمایاں کرتی
ہیں کہ گویا سربداروں کے تمام بادشاہوں پر اُس کی شعاعیں پرتو فگن ہیں چونکہ
اُس نے عبدالرزاق کو ایک بُرے خیال کی پاداش میں قتل کیا تھا اس لئے
عام طور پر اُس کے ساتھ لوگوں کی خوش اعتقادی اور بڑھ گئی اور اُس نے
۷۳۸ھ میں سلطنت حاصل کر لی اور سربداروں کی اس نئی سلطنت کے
رسوخ و استحکام کے لئے اُس نے بہترین تدبیروں سے کام لیا۔ چنانچہ
اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ خود اپنی قوم میں ایک شخص پر جو مال و دولت اور لاؤ
لشکر دونوں سے مسلح تھا غارتگری کی، اس کے بعد خواجہ علاؤ الدین کے
جو مویشی میدان میں چر رہے تھے اُن کو لوٹ لیا۔ لیکن بعض مورخین نے اس
دوسرے غارتگرانہ حملے کو عبدالرزاق کی طرف منسوب کیا ہے بہرحال اس
فوجی ساز و سامان کے فراہم کرنے کے بعد اُس نے ہمسایوں پر نگاہ ڈالی
تو معلوم ہوا کہ اگر اُس نے ذرہ برابر بھی جنبش کی تو یہ لوگ اس کو اس حالت
میں نہ رہنے دیں گے۔ اس وقت ایران کی حالت بھی اس حرکت کے بالکل
مناسب تھی۔ کیونکہ سلطان ابوسعید خاں کی وفات کے بعد ہر ایک امیر نے
چنگیز خانی خاندان کے ایک لڑکے کو بادشاہ بنا لیا تھا اور آپس میں مصروف
جنگ تھے۔ اس بنا پر دوسری فصل میں ہم نے ایران کی سیاسی حالت
پر جو اجمالی نگاہ ڈالی ہے اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم ایران کے صوبوں کی

حکومت کی ابتدا ہوا ہے۔

اُس وقت شاہزادہ ساتی بیگ اور چوپانیہ ارآن میں۔ امیر حاجی طغان بکردیار میں۔ امیر ارتنبا ممالک روم کے بعض حِصّوں میں۔ جلدیریہ بین النہرین میں۔ ملک اشرف بن تیمور تاش ممالک روم کے دوسرے حِصّے میں۔ امیر اکونج کے لڑکے کردستان اور خوزستان میں۔ امیر محمود شاہ کی اولاد فارس میں۔ سید جلال الدین میر میران اور عماد الدین لبنانی اصفہان میں اور امیر مبارز الدین محمد مظفر تیرو میں۔ شاہ قطب الدین غوری کرمان میں اور طغا تیمور خاں گرگان اور مازندران میں حکومت کرتے تھے۔ لیکن مسعود کی توجہ کے لئے خراسان زیادہ اہمیّت رکھتا تھا اور جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے اس صوبے کے سیاسی حالات بھی مسعود کے کشور کشایانہ خیالات کے بالکل مطابق و مناسب تھے اس وقت شاہ معز الدین کرت ہرات پر۔ امیر ارغونشاہ جانی قربانی ہیں۔ امیر نوروز نیشاپور اور طوس پر اور امیر عبد اللہ بن مولائی قہستانی قہستان پر حکومت کر رہے تھے۔

ایلخانی کی وفات کے بعد تمام امراء خراسان۔ امیر شیخ علی بن حسین قوشجی والی خراسان کے دائرہ اطاعت سے نکل کر طغا تیمور خان کے گرد جمع ہو گئے۔ جو گرگان اور مازندران میں خود مختار ہو کر ایلخانی بننے کی خواہش رکھتا تھا۔ شیخ علی نے جب یہ حالت دیکھی تو اُس نے بھی اُس کے ساتھ سازش کرلی اور حملۂ عراق میں اُس کا ساتھ دیا۔ لیکن طغا تیمور خان نے اُس کو اُس کے دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ اور ۷۳۷ھ میں بقر عید کے دن ارغونشاہ نے اُس کو قتل کر دیا۔ مسعود نے جس سال سبزوار میں حکومت حاصل کی اُس کے ابتدا میں خراسان کی یہی حالت تھی یعنی ارغونشاہ جانی قربانی اور طغا تیمور خان کل خراسان

... غور خان ہی کا دارالسلطنت
خراسان کے باہر تھا۔ سردست مسعود کے لئے بہت زیادہ وحشت و پریشانی کا سبب نہیں تھا۔ بلکہ اُس کا سب سے بڑا دشمن ارغونشاہ تھا جو خراسان کے اہم اور بہت زیادہ آباد شہر یعنی نیشاپور میں رہتا تھا اور تجسسانہ نگاہ سے سربداروں کی حالت دیکھ رہا تھا۔ اِس لئے اُس نے ابتداء میں دفعتہً نیشاپور کا رُخ کیا لیکن ارغونشاہ نے اُس کے حملے کو ایک معمولی چیز خیال کیا۔ اور چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اُس کو رد کرنا چاہا لیکن اُس نے ایسی شکست فاش کھائی کہ نیشاپور میں بھی نہ ٹھہر سکا بلکہ طوس میں جا کر دم لیا اور نیشاپور جیسا دولت مند شہر امیر مسعود کے قبضہ میں آ گیا۔

اِس فتح نے دفعتاً سربداروں کو خراسان کے مرکزی حصّے کا فرمانروا بنا دیا۔ اور وہ ایسے راستے پر قابض ہو گئے جو آٹھویں صدی میں ماوراالنہر کو رے سلطانیہ اور بغداد کے ساتھ ملا دیتا تھا اور نیشاپور ان مختلف راستوں کا جو گویا خراسان کے شریان خیال کئے جاتے تھے مرکز تھا۔ اور اُس زمانے کی اور تمام لائنوں پر اسی اہم مرکز سے گذرنا پڑتا تھا جو راستہ رے اور کومِلین سے نکل کر شہر جاجرم تک جاتا تھا اور آزادوار اور قصبہ خداشاہ سے گذر کر فریوید کے قریب سے گذرتا تھا وہ بھی نیشاپور تک پہنچتا تھا اور جو راہ ابیورد اور نسا سے اُتر کر مغرب طوس سے گذرتی تھی وہ بھی نیشاپور سے مل جاتی تھی اور جو راستہ کہ قائن ہ گونا یا دونوں سے ترشیز کو جاتا تھا وہ وہاں سے شمالی رُخ جا کر نیشاپور میں دوسرے راستوں سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اہم ترین مشرقی راستہ جو نیشاپور سے نکلتا تھا وہ نیشاپور کے قریب دو باہ میں دو حصّوں میں منقسم ہو جاتا تھا۔ ایک مشہد۔ طوس۔ سرخس اور مرو کو جاتا تھا اور دوسرا فرہادجرد بوزنجان اور قوشنج سے گذر کر ہرات سے مل جاتا تھا۔ انہیں ... اور تجارتی

بڑے بڑے شہروں میں سے ایک بڑا شہر بنا دیا تھا اور مغلوں کے برباد کن حملے کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں نہایت معمور اور آباد ہو گیا تھا۔ اس لئے امیر وجیہہ الدین مسعود اس شہر پر قابض ہو کر نہایت دولت مند اور صاحب اقتدار بادشاہ ہو گیا اور چونکہ اُس کو معلوم ہو گیا تھا کہ ارغونشاہ اور طغاتیمور خان اور تمام امراء اُس کو آسانی کے ساتھ اس شہر پر قابض نہ رہنے دیں گے اس لئے لوگوں کے ساتھ بہ لطف و مدارات پیش آیا۔ اور کسی شخص پر ایک دینار ٹیکس بھی نہ لگایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد اہل نیشاپور اپنے اس فاتح جدید کو پہلے بادشاہ سے زیادہ محبوب رکھنے لگے +

مسعود کی پیش بینی بہت جلد صحیح ثابت ہوئی اور ارغونشاہ نے اوسط ۷۳۹ھ میں دولت شاہ کے قول کے مطابق ستر ہزار سپاہیوں کے ذریعہ سے نیشاپور پر حملہ کیا۔ لیکن مسعود سے شکست کھائی اور نیشاپور کے قبضہ سے یقینی طور پر قطع نظر کر لی +

اب ابن یمین کی تاریخی حیثیت کے نمایاں کرنے کے لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسعود کے حالات کو چھوڑ کر طغاتیمور خاں کے حالات بیان کریں۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر ذکر گذر چکا ہے وہ اس زمانے میں گرگان میں طغاتیمور خان کی خدمت میں مصروف تھا +

طغاتیمور خان چنگیز خان کا چچا زاد بھائی تھا۔ اور مورخین نے اس کے اجداد کا سلسلہ آٹھ نسل تک شمار کیا ہے۔ اس کا باپ بابا بہادر سلطان محمد خدابندہ کے زمانے میں اپنی قوم کے دس ہزار سواروں کے ساتھ ایران میں آیا اور بادشاہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ اس کے قتل ہو جانے کے بعد اُس کی جماعت اطراف گرگان میں مقیم ہو گئی +

اور موسیٰ خان کو بھی جو سلطنت کی خواہشات رکھتا تھا اپنی ہمراہی پر مجبور کر دیا اور ۷۳۸ھ کو مراغہ میں شیخ حسن کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن جنگ کے شروع ہونے سے پہلے ہی طغا تیمور خان نے راہِ فرار اختیار کی اور اُس کی فوج مقتول و پائمال ہوئی۔

جب ۷۳۹ھ میں طغا تیمور خان دوسری بار خواجہ علاؤ الدین کی معیت میں ساوہ میں آیا لیکن خواجہ نے مالگذاری کے وصول کرنے میں اس قدر سخت گیری کی کہ عوام اُس سے ناراض ہو گئے۔ اور شیخ بزرگ بھی جس نے طغا تیمور خان کو دعوت دے کر بلایا تھا اور اُس کی خدمت گذاری پر آمادہ تھا۔ سرد پڑ گیا۔ اُس وقت طغا تیمور خان کے دشمن شیخ حسن چوپانی نے ایک ایسی چالبازی کی کہ شیخ حسن بزرگ اور طغا تیمور خان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور طغا تیمور خان واپس ہونے پر مجبور ہوا۔ چنانچہ اس چالبازی کی تفصیل تاریخ ایران میں مذکور ہے۔

ان دونوں شکستوں کے بعد طغا تیمور خاں کے بھائی شیخ علی کاوہ نے عراق پر حملہ کیا اور وہ بھی ۷۴۱ھ میں ابہر میں شکست کھا کر طغا تیمور خاں کے پاس واپس ہوا۔ چنانچہ جب وہ گرگان میں واپس آیا تو ابن یمین نے اُس کے خیر مقدم میں کہا:۔

فرخندہ باد مقدمِ شاہِ جہاں پناہ   خورشیدِ ملک شیخ علی سایۂ الٰہ

یعنی آفتابِ مُلک۔ سایۂ خدا۔ شیخ علی کا آنا مبارک ہو شاہِ جہاں پناہ

ایک دوسری جگہ بھی شیخ علی کی مدح میں کہتا ہے:۔

حارس و حامیِ اقلیمِ ہنر شیخ علی است   کہ ز بیداریِ او چشمِ فتن در خواب است

اقلیم ہنر کا محافظ اور حامی شیخ علی ہے   کہ اُس کی بیداری سے فتنے سو گئے ہیں

کھائی اور امیر عبد اللہ قہستانی جو اُس کی کمک کے لئے آیا تھا مفرور ہو گیا اور چند دنوں کے بعد قہستان میں مر گیا۔ اب اُس کے بڑے لڑکے امیر محمد نے شیخ جوری کے دامن میں پناہ لی اور اُن کے مریدوں کے حلقہ میں داخل ہو گیا۔ اُس دن سے مسعود کا رقبۂ سلطنت شہر مشہد تک وسعت پذیر ہو گیا۔ اور اُس کا اقتدار قہستان سے متجاوز ہو کر سلاطین ہرات کے دائرہ اثر تک قائم ہو گیا اور طغا تیمور خان نے اِس شکستِ فاش کے بعد خراسان سے قطع نظر کر لی اور صرف "خان" کے لقب پر قناعت کر کے گرگان میں قیام کیا۔

ابن یمین نے اِس پورے زمانے میں خواجہ علاؤ الدین اور طغا تیمور خان کی ملازمت کبھی ترک نہیں کی اور اپنا زمانہ گرگان میں بسر کیا اور طغا تیمور خان کی مدح میں اِس کثرت سے قصیدے لکھے کہ صاحب مجمع الفصحاء نے اُس کا جو مختصر سا حال لکھا ہے۔ اُس میں اُس کو صرف طغا تیمور خان کا مداح قرار دیا ہے۔

اِس موقع پر یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابن یمین کی یہ مداحی دو قِسم کی ہے۔ ایک تو وہ جو اُس نے اُس کی سلطنت کے ابتدائی زمانے میں کی ہے۔ دوسری وہ جو اُس نے اُس کے آخری زمانے میں کی۔ پہلی قِسم کی مداحی ۷۳۶ھ یعنی طغا تیمور خان کے جلوس کے زمانے سے شروع ہو کر ۷۴۲ھ یعنی خواجہ علاؤ الدین محمد کے سالِ وفات تک ختم ہو جاتی ہے۔ اور دوسری مداحی کا زمانہ ۷۵۴ھ ہے۔ جو طغا تیمور خاں کی زندگی کا آخری سال ہے۔ طغا تیمور خان کے سب سے پہلے مدحیہ قصیدہ کے دو شعر یہ ہیں:-

شاہِ جہان طغا تیمور خان کہ فرّ بوست | در حادثاتِ دورِ فلک دستگیرِ ملک

شاہِ جہاں تیمور خان کہ اُس کا دبدبہ | حوادثاتِ زمانہ میں مُلک کا دستگیر ہے

[illegible]

شور و غل کو خاموش کیا +

اِس قصیدہ کو طغا تیمور خان کی مدح میں قصیدۂ اولین فرض کرنا چاہئیے ذیل کا قصیدہ دوسرا قصیدہ ہے جس میں اپنے آنے کا اشارہ کیا ہے اِس طرح گریز کی ہے :-

تا کے جفا کنی مگر آگہ نہ کہ من — ہستم کمینہ بندۂ سلطان کامیاب
مجھ پر کب تک ظلم کریگا - شاید تجھ کو خبر نہیں — کہ میں بادشاہِ کامیاب کا ایک ناچیز خادم ہوں

دارائے دین طغا تیمور خان کہ روزِ رزم — نیسانہ داز رقاب عدو تیغ او قراب
دین کا مالک طغا تیمور خان کہ لڑائی کے دن — اُسکی تلوار دشمنوں کی گردنوں کو اپنا میان بناتی ہے

زین پیشتر کہ دستِ سعادت نکردہ بود — چوں سرمہ در دو دیدۂ من خاک آنجناب
اِس سے پہلے کہ خوش نصیبی کے ہاتھ نے — سرمہ کی مانند میری دونو آنکھوں میں اُس چوکھٹ کی خاک نہیں لگائی تھی

بودم اُمید واثق و ظن صادق آنکہ باز — دولت رساندم بجناب سپہر تاب
مجھکو قوی اُمید اور پختہ یقین تھا کہ پھر — تقدیر مجھکو اُس کی درگاہ میں پہنچادے گی

اِس قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نیا نیا اُس کی خدمت میں آیا ہے اور اُس کے اِس شوق کی بھی تصدیق کرتا ہے - جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کرچکے ہیں +

جیسا کہ معلوم ہے یہ قصیدہ ابن یمین نے اُس وقت کہا ہے - جب طغا تیمور خان سفر عراق سے واپس آیا ہے - چنانچہ وہ کہتا ہے :-

اے دل بیار مژدہ کہ شاہِ جہاں رسید — فرماندہِ ملوک زمین و زمان رسید
اے دل خوشخبری دے کہ شاہِ جہان اور — زمین و زمان کے بادشاہوں کا بادشاہ آپہنچا

شاہِ جہان طغا تیمور خان کہ ملک را — چوں او رسید ہر تن آزردہ جان رسید
شاہِ جہان طغا تیمور خان کہ اُسکے آنے سے — ملک کے تن آزردہ میں جان آگئی

جب بادشاہ کی [illegible] عزت [illegible] ہوئی — تو اس کا پایہ ہفت آسمان کے سر تک پہنچ گیا

بودیم در کشاکشِ احداثِ روزگار — شاہ آمد و بشارتِ امن و امان رسید

میں مصائبِ زمانہ کی کشمکش میں مبتلاء تھا — کہ بادشاہ آیا اور امن و امان کی خوشخبری سنائی دی

یہ قصیدہ بادشاہ کی ایک جنگ کے وصف میں جو شاید عراق میں ہوئی تھی لکھا ہے :-

شاہِ جہان چو پائے فرا پیش صف نہاد — دشمن برائے تیرِ وے از جان ہدف نہاد

شاہِ جہان نے جب صف سے آگے قدم رکھا — تو دشمن نے اسکے تیر کے لئے اپنی جان کو نشانہ بنایا

دارائے دین طغاتیمور خان کہ بر دلش — ایزد بروز کین رقمِ لاتخف نہاد

دین کا مالک طغاتیمور خان کہ خدا نے — لڑائی کے دن اُس کے دل پر لاتخف کی تحریر لکھدی

بر جانِ بندہ ابن یمین گرچہ مدتے — ایام درد فرقت و داغ اسف نہاد

غریب ابن یمین کی جان کو اگرچہ اُس نے — ایک زمانہ تک دردِ فرقت اور داغِ حسرت میں مبتلا رکھا

اما سپاس حق کہ قضا باز بر سرش — افسر ز خاکِ پائے تو بہرِ شرف نہاد

لیکن خدا کا شکر ہے کہ تقدیر نے پھر — اسکے سر پر عزت کیلئے تیری خاکِ پا کا تاج رکھا

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ یہ جنگ مراغہ کی وہی جنگ ہے۔ جس میں بادشاہ نے جنگ کے شروع ہونے سے پہلے ہی راہِ فرار اختیار کی تھی اور بسطام تک بھاگتا چلا گیا تھا تو ابنِ یمین کی یہ مدح بہت کچھ حقیقت پر مشتمل معلوم ہوگی۔ کیونکہ اِس قصیدہ سے معلوم ہوگا کہ طغاتیمور خان نے عراق کے سفروں یا کم از کم پہلے سفر میں ابن یمین کو گرگان میں اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ اُس کی واپسی کا انتظار کرے اور غالباً اِن حالات کے اثناء میں ابن یمین نے فریومد میں آکر اپنی قوم اور اپنے متعلقین سے تجدیدِ ملاقات کی ہوگی۔

• طغاتیمور خان کی مدح میں اُس کے بکثرت قصائد ہیں۔ جن کے درج کرنے سے اِس موقع پر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ البتہ ان کے مطالعہ سے

ایک تو یہ کہ ابن یمین براہ راست طغاتیمور خاں کے دربار کا مداح نہیں تھا۔ بلکہ اُس نے خواجہ علاؤ الدین محمد کے ذریعہ سے شرف حضوری حاصل کیا تھا اور علاؤ الدین ہی کے درجہ و حیثیت کے ساتھ اُس کی ترقی اور تنزل بھی وابستہ تھے اور طغاتیمور خان دوسرے درباریوں کے شاعر و مداح پر بہت زیادہ نگاہِ لطف نہیں ڈالتا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ طغاتیمور خان بذاتِ خود تعلیم یافتہ اور شعر دوست نہ تھا۔ چنانچہ دولت شاہِ سمرقندی لکھتا ہے :۔

"وہ اُمی تھا اور پڑھنے کا ذوق رکھتا تھا اور ہمیشہ مولانا رکن الدین (صائن) اُس کی صحبت میں رہتے تھے۔ بیان کیا ہے کہ کسی شخص نے مولانا رکن الدین سے پوچھا کہ اُس نے کچھ پڑھا یا نہیں"؟ اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ "اس کی بلی تھوڑا بہت آسانی کے ساتھ پڑھ سکتی ہے لیکن وہ نہیں پڑھ سکتا۔ یعنی مردہ اِس زندہ سے بہتر ہے"۔

اور یہ بدیہی ہے کہ جو شخص اشعار کی لطافت کو نہیں سمجھ سکتا وہ ابن یمین کی قدردانی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ خود ابن یمین ایک قصیدے میں اِس کی طرف خطاب کر کے کہتا ہے :۔

شاہا کمینہ بندۂ میمون جناب تو ۔۔۔ کز کائنات حضرت عالیت را گزید
اے بادشاہ تیری چوکھٹ کے حقیر بندے نے ۔۔۔ تمام دنیا کی چیزوں میں سے تیری درگاہِ عالی کا انتخاب کیا ہے
شیریں نکردہ از عسل روزگار کام ۔۔۔ تا کے زمانہ منیج صفت خواہدش گزید
لیکن زمانہ کے شہد سے اس کا مُنہ میٹھا نہ ہوا ۔۔۔ کب تک زمانہ شہد کی مکھی کی طرح اُس کو ڈنک ماریگا
وقت است گر بر این دل رنجور ناتوان ۔۔۔ خواہد نسیم گلشن انصاف تو وزید

اگر اس بیمار اور ضعیف دل پر تیرے انصاف کے باغ کی ہوا چلے تو یہ اسکے چلنے کا وقت ہے

اِس ناراضی اور انتظار کے ساتھ خواجہ علاؤ الدین بھی مر گیا۔ جو ہمیشہ

بعزت ارچہ سپہرم بر آن صفت دارد — کہ سوئے حضرت شاہم ہمیشہ راہ بود

اگرچہ عزت کی وجہ سے آسمان مجھ کو اس حالت میں رکھتا ہے — کہ ہمیشہ کی طرف ہمیشہ میرا راہ کھلا رہے

ز دل بروں نکنم ہیچنان ہوائے وطن — دریں حدیث کسے راچہ اشتباہ بود

لیکن دل سے وطن کی خواہش کو بھی نہیں نکال سکتا۔ اس میں کسی کو شبہ کیا ہے۔

کہ شیر بیشۂ خود دوست تر ازاں دارد — کہ در ملازمت پایۂ تخت شاہ بود

کہ شیر اپنے جنگل کو بادشاہ کے پایۂ تخت میں ملازم ہونے سے زیادہ محبوب رکھتا ہے

بادشاہ کی نامہربانی انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی تھی اور اس کا فقر اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ گرگان میں اپنا گھوڑا بھی فروخت کر دیا اور بادشاہ سے دوسرے گھوڑے کا سوال کر دیا۔ بادشاہ نے اگرچہ اُس کو گھوڑا عنایت کیا لیکن اُس کے گھوڑے کے ساز و سامان اور خود اُس کی معاش کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ چنانچہ ذیل کے قطعہ سے اُس کا پتہ چلتا ہے:۔

شہریار جہان طغا تیمور — اے چو حاتم بہ مکرمت شدہ فاش

شہریار جہان طغا تیمور نے — جو حاتم کی طرح فیاضی میں مشہور ہے

بندہ را بود بستہ بر آخور — لاغرے اسپے مناسب اوباش

میرے اصطبل میں ایک لاغر گھوڑا بندھوا دیا تھا جو شہدوں کے لئے موزوں تھا

چند روز است تا فروختہ ام — کردہ وجہ معاش خود زبہائش

چند روز ہوئے کہ میں نے اُس کو — فروخت کرکے اپنی معاش کا سامان لیا

وجہکی مختصر کہ بر دارد — خاصہ در دست رندے قلاش

تھوڑی سی معاش سے کیا ہوتا ہے — بالخصوص ایک رند قلاش کے لئے

شاہ ازاں پس بہ بندہ اسپے داد — چست و رہوار و چابک و قماش

اس کے بعد بادشاہ نے بندہ کو ایک — چست، چالاک اور رہوار گھوڑا عنایت کیا

مرکبِ شہریار ہم نتواں — بہرِ خرچے خود فروخت بلاش

لیکن بادشاہ کے گھوڑے کو اپنے مصارف کے لئے نہیں فروخت کیا جا سکتا

لیکن اِس قطعہ کا کوئی اثر نہیں ہوا اِس لئے اُس نے دوسرا قطعہ کہا۔

چو طالعے ست مرا یارب ایدل فلاش — کہ با تومی نکند روزگار جز پرخاش

اے مفلس دل میری تقدیر بھی کیا ہے ؟ — کہ زمانہ تیرے ساتھ لڑائی کے سوا اور کچھ نہیں کرتا

مرا چنیں بسر آمد کہ نقد مدتِ عمر — تمام صرف کنم در بہائے وجہ معاش

میری زندگی ہی اِس طرح بسر ہو گئی — کہ نقد عمر کو وجہ معاش میں صرف کرتا رہا

کجاست حضرتِ شاہِ جہاں طغا تیمور — کہ باید ابن یمین ساعتے مگر تنہاش

شاہِ جہاں طغا تیمور خان کہاں ہے ؟ — کہ اگر ابن یمین ایک گھڑی کیلئے اس کو تنہا پا جائے

کند شکایتِ ایام یک بیک معروض — بر آستانہ آں زر فشاں گوہر پاش

تو ایک ایک کر کے زمانے کی شکایت — اُس زرفشان اور گوہر پاش کے دروازے پر کرے

لیکن ان سب کا مطلق اثر نہیں ہوا۔ کیونکہ بادشاہ اہلِ ہنر کے ساتھ بہت زیادہ تپاک کے ساتھ پیش نہیں آتا تھا۔ بلکہ کمینہ اور بداصل لوگوں کی پرورش کرتا تھا اور بزرگ زادوں کا مخالف تھا اور کمینوں کو جاگیریں دیتا تھا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بڑے لوگ اُس سے برگشتہ خاطر ہو گئے۔

اِس کے علاوہ ابن یمین کے ساتھ طغا تیمور خان کی نامہربانی کا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ایک سبب یہ تھا کہ ابن یمین علاؤالدین کا خاص مداح تھا اور سفرِ عراق سے واپس آنے کے بعد اور نیز دوسرے مواقع پر طبعاً اُس نے علاؤالدین کی مدح میں قصائد کہے ہیں۔ مثلاً اُن میں ایک قصیدہ یہ ہے :۔

نیاز نے کہا کہ وزیرِ دین پناہ ۔ مستقر شرف ہیں ہزار جاہ و جلال کے ساتھ پہنچے

سپہر مہر و فتوت، محیطِ مرکزِ جود علاء دولت و دین خسروِ ستودہ خصال

محبت و جوانمردی کا آسمان بخشش کے مرکز کا محیط یعنی علاؤ الدین بادشاہ ستودہ خصال

محمد ابنِ محمد کہ در فنونِ ہنر کمال یافت کزو دور باد عینِ کمال

محمد ابن محمد جس نے فنونِ ہنر میں ایسا کمال حاصل کیا کہ خود کمال کی نظر بھی اسکو نہ لگنے پائی

اِس قسم کے اور بھی بہت سے اشعار ہیں جن کو لوگ طغا تیمور خان کو سنا کر اُس کو ابن یمین سے ناراض کرتے رہتے تھے۔ بالخصوص عراق سے واپس آنے کے بعد طغا تیمور خان علاؤ الدین کی سختی کو اپنی شکست کا سبب خیال کرتا تھا جس نے مالگذاری کی وصولی میں تشدد سے کام لیا تھا اور عراقیوں کے وظائف بند کر کے اُن کو ناراض کر دیا تھا۔ اِس کے علاوہ وہ علاؤ الدین کے اقتدار و اثر سے بھی خائف تھا۔ اور گویا زبان سے یہ کہتا تھا کہ "اگر ابن یمین ہمارا شاعر ہے تو وہ دوسروں کی مدح کیوں کرتا ہے"؟

چنانچہ ابن یمین نے خود اپنی برات میں ذیل کا قطعہ لکھ کر اُس کی خدمت میں روانہ کیا:۔

همانا کہ شاہنشہِ بے نظیر کزو تازہ شد رسمِ تاج و سریر

بے شک بادشاہِ بے نظیر جس سے تاج و تخت کی رسم کی تجدید ہوئی

تمر خان شہنشاہِ جمشید فر کہ ہم تاج بخش است و ہم تخت گیر

تیمور خان شاہنشاہِ جمشید شوکت کہ تاج بھی دیتا ہے اور تخت بھی لیتا ہے

گر اخلاصِ من بندہ یاد آورد بہ بختِ جوان داند و رائے پیر

اگر میرے اخلاص کو یاد کرے تو جوان قسمت اور بوڑھی رائے سے اُس کو معلوم ہوگا

کہ ابن یمین بر گلِ مدح کس جز او گر زند بلبل آسا صفیر

تو اگرچہ بظاہر غیر کا نام لیتا ہے لیکن دل میں وہی مراد ہوتا ہے

یہ معلوم نہیں کہ یہ شاعرانہ عذر پسندیدۂ بارگاہِ شاہی ہوا یا نہیں؟ صرف اس قدر معلوم ہے کہ خواجہ علاؤ الدین کی وفات کے بعد ابن یمین نے اپنے آپ کو گرگان میں بالکل تنہا اور بے حامی و مددگار پایا۔ اور جس قدر زمانہ کی روش کا مطالعہ کیا اُس کو سفر میں کوئی فائدہ نظر نہیں آیا۔ چنانچہ ذیل کے قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اب اُس کی نگاہ صرف وطن پر پڑ رہی تھی:۔

غریب اگرچہ وزیر شہ جہان باشد ہمیشہ میل دلش سوئے خانمان باشد

مسافر اگرچہ بادشاہ کا وزیر بھی ہو۔ تب بھی اُس کے دل کا میلان وطن کی طرف ہوگا

اگرچہ ساعد شاہان بود نشیمن باز ولے بکام دلش باز آشیان باشد

گو بادشاہوں کی کلائی باز کا نشیمن ہو لیکن باز کی دلی خواہش کے مطابق اسکا گھونسلا ہی ہوگا

بالخصوص اُس کے وطن نے اُس غیبوبت کے زمانے میں اُس کی نگاہ کے سامنے ایک نئے آب و رنگ کے ساتھ جلوہ گری کی تھی۔ گرگان کے قیام سے افسردہ خاطر اور چند سال کی دوری کے بعد مشتاقِ وطن ہونے کے ساتھ ایک خاص قابل توجہ سبب یہ تھا کہ سربداروں کی حکومت ترقی کر رہی تھی طغا تیمور خان کی سلطنت کو انحطاط و زوال ہو رہا تھا۔ امیر وجیہہ الدین مسعود سربدار اپنی سلطنت کی بنیاد کو مضبوط کر رہا تھا اور شیخ علی کو شکست دینے کے بعد اُس نے غیر معمولی اقتدار حاصل کر لیا تھا یہاں تک کہ اطراف و جوانب کے بادشاہ بلکہ سلاطین ہرات بھی اُس سے خوفزدہ تھے۔ اس وقت ابن یمین نے اپنے آپ کو اسی حالت میں پایا۔ جس میں عبد الرزاق سربدار کے آغاز کار اور طغا تیمور خاں کے جلوس سے چار سال پہلے اپنے آپ کو پایا تھا اُس نے ایک مدت تک دونوں طرف کا مقابلہ کیا تاکہ اُس کو یہ معلوم ہو جائے کہ اُس کا فائدہ کس طرف ہے۔ چنانچہ اُس نے اس مرتبہ بھی یہ فیصلہ کیا۔ کہ

کے خلاف مسعود کی لوگوں کے اردگرد کی آبادی کے لئے تو خاص زیادہ تھا اور اس کی سہ سالہ سلطنت نے لوگوں کو سربداروں کی سلطنت کے بقا و قیام کا اُمیدوار کر لیا تھا اور ہر طرف سے لوگ اُس کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ اور اُس پر اعتماد کرتے تھے۔

ابن یمین کے تھوڑے بہت "تذبذب" کو شیخ علی کاؤن کی شکست نے بالکل زائل کر دیا اور اب وہ پختہ عزم و ارادہ کے ساتھ سبزوار میں آیا اور اس فتح کی تہنیت میں مسعود کے سامنے ذیل کا قصیدہ پیش کیا:-

رسید خسرو عادل ز طالع مسعود — بہ منتہاے مراد و بغایتِ مقصود

بادشاہ عادل خوش قسمتی سے — اپنے مقصد کے انتہا تک پہنچ گیا

سر ملوک زمان شہریار روے زمین — خدایگان سلاطین وجیہہ دین مسعود

زمانے کے بادشاہوں کا سردار۔ روئے زمین کا بادشاہ۔ بادشاہوں کا آقا یعنی وجیہہ الدین مسعود

جہاں پناہ امیرا توئی کہ طرۂ فتح — بذیل پرچم رایاتِ تو شود معقود

اے جہاں پناہ امیر تو ہی ایک ایسا شخص ہے کہ فتح کا طرہ تیرے جھنڈے کے پرچم کے ساتھ وابستہ ہے

یکے است این ز ہمہ فتح ہا کہ روز ازل — شدہ است کوکبۂ کبریات را موعود

ازل کے دن تیرے کوکبۂ کبریائی کیلئے جن فتوحات کا وعدہ کیا گیا ہے اُن میں ایک فتح بھی ہے

سر عدوئے تو شد پائمال ہیبت تو — چہ جائے قوت عاد است با نبوت ہود

تیرے دشمن کا سر تیری ہیبت سے پامال ہو گیا — عاد کی قوت ہود کی نبوت کا کیا مقابلہ کر سکتی ہے

بپرور ابن یمین را دجاودانہ بمان — کہ ہست زندہ ز گفتار عنصری محمود

ابن یمین کی پرورش کر اور ہمیشہ زندہ رہ — کہ عنصری کے اشعار سے محمود زندہ ہے

اس قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تازہ تازہ مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اور جس جنگ میں مسعود کا دشمن مقتول ہوا ہے۔ وہ علی کاؤن کی جنگ کے سوا

ہے کیونکہ فتوحاتِ متذکرہ بالا کے علاوہ سلطنت کے اندرونی انتظامات کو وہ اس
حسن تدبیر کے ساتھ چلا رہا تھا کہ پہلے ہی دن سے سلطنت کو طاقتور بناتے بناتے
اِس درجہ اقتدار و نفوذ تک پہنچا دیا تھا +

دو سال سے خراسان میں ایک عظیم الشان طاقت تیار ہو رہی تھی - اور اُس
صوبے کے امراء کا فرض یہ تھا - کہ یا تو اُس طاقت کو پاش پاش کر دیں - یا اُس
کے حلیف بن جائیں - لیکن تجربہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ جابرانہ طاقت سے اُس کا
استیصال ناممکن ہے اور قید و بند اور قتل و خونریزی سے اُس کے ستون متزلزل
نہیں ہو سکتے بلکہ اُن سے اُس کی طاقت میں اور بھی اضافہ ہو سکتا ہے - کیونکہ ملاحدہ
کے مذہب کی طرح اُس کی روحانی اور اخلاقی حالت کی حفاظت ایک رئیس عاقل
و مدبر اور ایک متعصب جماعت سے تعلق رکھتی تھی جس کا نام شیخ حسن تھا - اور وہ
مضافاتِ بیہق میں سے ایک گاؤں جور کا رہنے والا تھا +

شیخ حسن جوری شیخ خلیفہ کا مرید تھا - جو سبزوار کی مسجد میں ارشاد و ہدایت
کی خدمت انجام دیتے تھے - اور اِس طریقہ پر بہت سے معتقد پیدا کر لئے تھے
اور صوفیہ کے طریقہ کو ایک طرزِ خاص کے ساتھ شریعت کے ساتھ ربط دیا تھا .
اور فرماتے تھے کہ "میرا مقصد ان تمام مذاہب سے بالاتر ہے" - بالآخر فقہائے سبزوار
اُن کے قتل پر کمربستہ ہوئے اور ۷۳۶ھ کے اوائل میں وہ قتل بھی کر دیئے گئے ان
کے قتل کے بعد حسن جوری اُن کے جانشین مقرر ہوئے اور خراسان کے تمام اہم
شہروں میں دورہ کر کے لوگوں کو دعوت دی اور اُن کو مقامی امراء کی مخالفت پر
برانگیختہ کیا - چونکہ نہایت فصیح البیان اور شیریں سخن تھے لوگ اُن کے معتقد
ہو گئے اور وہ شوال ۷۳۶ھ میں عراق میں گئے اور محرم ۷۳۹ھ میں پھر خراسان

سے تنگ آ گئے تھے شیخ حسن جوری کی رہائی کو اپنا فرض سمجھا اور اس مقصد کے لئے اُن کے مرید جمع ہوئے اور اُن کو قلعہ یاتاک سے چھڑا کر سبزوار میں لائے اس طاقت کا مرکزی اقتدار اگرچہ سبزوار میں تھا لیکن اس کا اثر خراسان کے تمام شہروں پر تھا اور امراء کے ستائے ہوئے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

مسعود سربدار کی دانشمندی سے یہ بعید تھا کہ ایک ایسی موجودہ طاقت سے جو ارغون شاہ سے مقابلہ کر رہی تھی فائدہ نہ اُٹھائے۔ خود ارغون شاہ کے تلخ تجربہ سے اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ شیخ حسن جوری کے ساتھ بجز صلح کے کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنے آپ کو شیخ حسن جوری کا سخت شیدائی مرید ظاہر کیا۔ اور اپنے مقاصد کے حصول میں اُن کی معیت سے کام لیا اور اب یہ دونوں مادی اور روحانی طاقتیں باہم مل گئیں اور ایک بار اور مسعود کو غیر معمولی عروج حاصل ہو گیا۔ بالخصوص جنگ عراق میں طغاتیمور خان اور امرائے خراسان کی سرگرمی کو ذریعہ بنا کر مسعود اور شیخ حسن جوری نے نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی قوت کی تکمیل میں کوشش کی۔ شیخ حسن اگرچہ ایک درویش آدمی تھے لیکن ملکی معاملات میں کافی طور پر مداخلت کرتے تھے اور مسعود کو تقریباً اپنا ماتحت بنا لیا تھا۔ ابن یمین اسی حالت میں سبزوار میں آیا۔ اور قصیدہ مذکرہ بالا کے بعد ذیل کا قصیدہ پیش کیا:-

بگفتم روئیت از مے شد چنیں رخشندہ گفتا نے   ز تابِ آفتابِ رائے شاہ کامیاب است این

میں نے کہا تیرا چہرہ شراب سے اس قدر دمک اُٹھا ہے اُس نے کہا نہیں بلکہ یہ شاہِ کامیاب کے آفتابِ رائے کی چمک کا نتیجہ ہے۔

فلک قدرا بہ تیغ [illegible] بر تن حبابست این

اے فلک قدر جب تو تلوار سے دشمن کا سر بدن سے جدا کرتا ہے تو وہ آب نیل کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے اور یہ اُس کا بلبلا بن جاتا ہے۔

بپائے پیلتن اسپت چناں عاجز فتد خصمت — کہ ہر کس بیندش گوید کہ خر اندر خلابست این

تیرے پیلتن گھوڑے کے پاؤں کے نیچے تیرا دشمن اس طرح عاجز ہو کے گرتا ہے کہ جو شخص اس کو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ گدھا ہے جو کھلیان میں پڑا ہے۔

جہاندارا من این دولت کہ بوسیدم جناب تو — بہ بیداری ہمے بینم ندانم یا بخوابست این

اے جہاندار میں یہ دولت یعنی تیری آستان بوسی ۔ بیداری میں دیکھتا ہوں یا یہ خواب ہے

فلک گوئی بعذر آنکہ رنجاندیک چندم — بدرگاہ تو راہم داد چون جنت خیال است این

آسمان نے بطور اس عذر کے کہ مجھ کو اس نے کچھ دنوں ستایا تھا تیری درگاہ میں راہ دی کہ یہ مثل جنت کے ہے

اِس قصیدہ میں بھی شیخ علی کاون کے قتل اور طغا تیمور خان کی فوج کی شکست کے اشارات موجود ہیں۔ لیکن جب اُس کو نظر آیا کہ مسعود کے علاوہ ایک اور طاقت بھی موجود ہے ۔ اور جب تک اُس کا سہارا نہ ڈھونڈا جائے آگے بڑھنے کا راستہ نہیں مل سکتا تو اُس نے ذیل کا قصیدہ شیخ حسن جوری کی مدح میں جو مُلک کا حقیقی بادشاہ تھا تیار کیا اور یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ ابن یمین مذہبی حیثیت سے بھی اُن کے طریقہ کی طرف مائل ہو۔ کیونکہ ابن یمین اثنا عشری شیعہ تھا۔ اور شیخ حسن جوری بھی لوگوں کو تشیع کی دعوت دیتے تھے اور امرائے خراسان کو اُن کے ساتھ جو مخاصمت تھی اُس کا سبب بھی صرف یہی تھا کہ وہ لوگوں کو مذہب اہل تشیع کی دعوت دیتے تھے اور بغاوت کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ۔ بہر حال حسن عقیدت یا سیاسی مصلحت ابن یمین نے مجبوراً شیخ حسن جوری کا تقرب حاصل کرنا چاہا اور ذیل کا قصیدہ شیخ علی کاون کے فوج کے شکست اور حسن جوری کی تہنیت فتح میں تیار کیا۔

بیان کے رو سے اہلِ زمانہ کا فرض یہ ہے   کہ خدا سے شیخ حسن کے لیے دعا کریں

یکروزہ مصافش زپئے نصرتِ کلکش   صد سالہ فزوں طمع نہد زاغ و زغن را

اپنے قلم کی حمایت کیلئے اُس کی ایک دن کی جنگ   سو سال سے زیادہ کیلئے چیل اور کوے کی خوراک مہیا کرتی ہے

ہنگامِ ملاقاتِ دو صف از تفِ تیغش   پدرود کند جان بد اندیش بدن را

دونو صفوں کے ملنے کیوقت اسکی تلوار کی گرمی سے   دشمن کی روح بدن سے رخصت ہوجاتی ہے

از ربقہ فرمانش ہر آنکس کہ بروں برد   آمادہ نہاد از پئے خود تیغ و کفن را

جو شخص اُس کے حکم سے باہر نکلا   اُس نے اپنے لئے تیغ و کفن کا سامان کیا

اے مظہرِ انوارِ الٰہی دل پاکت   نشناختہ چون مردم یک فن ہمہ فن را

اے وہ بزرگ کہ تیرا دل انوار الٰہی کا مظہر ہے   اور وہ یک فنی عالم کی طرح تمام فنون سے ناواقف ہے

چون دستِ اجل گردنِ خصمِ تو ہمی بست   از حبلِ وریدش بسزا یافت رسن را

جب موت کے ہاتھ نے تیرے دشمن کی گردن باندھی   تو سزا کے طور پر اُس کی شاہ رگ سے رسی حاصل کی

ہست ابن یمین داعیِ جاہِ تو و باشد   آگاہی ازین واقف ہر سرّ و علن را

ابن یمین تیرے جاہ کا دعاگو ہے اور چاہئے ۔۔ کہ خدا کو بھی یہ معلوم ہوجائے

شیخ حسن جوری اور امیر وجیہہ الدین مسعود نے اپنی روحانی اور جسمانی طاقت کو متحد کر کے تمام لوگوں کو اپنی کو اطاعت پر مجبور کر دیا تھا اور تمام لوگ مسعود کی ترقیوں کو شیخ حسن کا فیض و برکت خیال کرتے تھے۔ مسعود نے بھی لوگوں کے اس عقیدے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اور اپنی سلطنت کی بنیاد روحانیت کی سطح پر قائم کی تھی۔ اسی اتحاد اور مسعود کی مخدومیت اور شیخ حسن کی رہائی کے متعلق ابن یمین نے ذیل کا قصیدہ لکھا ہے:۔

یا شاہ بین چہ مرحمت است این کہ حق نمود   دنیاتش دادہ بود کنوں دین بران فزود

دیکھو خدا نے بادشاہ پر یہ کیا مہربانی کی ہے کہ پہلے تو اُس کو دُنیا عنایت فرمائی تھی اور اب اس پر دین کا بھی اضافہ کیا۔

اور وادیٔ ایمن سے یقین کی روشنی دکھائی

حالش بدان رسید کہ ناگہ بگوشِ ہوش　　تو بوا الی اللہ از لبِ کروبیاں شنود

یہ حال ہوگیا کہ دفعتہً ہوش کے کان میں "خدا کی طرف رجوع کرو" کی آواز فرشتوں کے لب سے سنائی دی

دولت کشاد مصحف تقدیر بہر فال　　در خط اوّل آیت "الصلح خیر" بود

سلطنت نے فال کیلئے تقدیر کے قرآن کو کھولا　　تو پہلی ہی سطر میں آیہ "الصلح خیر" نظر آئی

دانست شاہ عہد کہ در کشت زار عمر　　تخمے کہ کشت حاصل آن بایدش درود

زمانہ کے بادشاہ نے معلوم کرلیا کہ عمر کے کھیت میں　　اُس نے جو بیج بویا ہے اُس کا حاصل درود ہے

زد آتشِ محبتِ خاصانِ مُلکِ فقر　　در باطنش زبانہ و فی الحال ہیچو دود

مُلکِ فقر کے خواص کی محبت نے۔ اُس کے دل کے اندر ایک آگ لگادی جو اس وقت مثل دھوئیں کے نظر آتی ہے۔

بشتافت سوے آنکہ بمیدانِ معرفت　　از جملہ اولیا قصب السبق آن تنین در ربود

وہ اُس شخص کی طرف بڑھا جو میدان معرفت میں　　تمام اولیاؤں سے گوئے سبقت لے گیا ہے

یعنی جناب حضرت شیخ کہ ہمتش　　بر فرق فرقد از رہِ رفعت قدم بود

یعنی وہ شیخ جس کی ہمت بلند نے　　فرقد کے سر پر پاؤں رکھا

شیخ از کرم بصیقلِ نورِ یقین خورش　　زنگ شکوک از آئینہ رائے شہ زدود

شیخ نے مہربانی سے اپنے نور یقین کی صیقل سے　　بادشاہ کی رائے سے شکوک کا زنگ چھڑا دیا

آنرا کہ صلح کرد درین صلح باصفا　　جاوید خواہدش ہمہ خلق جہان ستود

جس نے اس صلح باصفا کے لئے کوشش کی　　چاہیے کہ تمام خلق ہمیشہ اُس کی تعریف کرے

من بعد عقدہ کہ فتد در امور مُلک　　روشن شدہ است ابن یمین را کہ زود زود

گردد بہ یمن ہمت این قطب اولیاء　　یکسر کشادہ چون رہِ صلح و صفا کشود

اس کے بعد امور ملک میں جو گرہیں پڑیں گی　　اس کی نسبت ابن یمین کو واضح طور پر معلوم ہے

جب صلح و صفا کا راستہ کھل گیا ہے تو وہ بھی اس قطب اولیا کی ہمت کی برکت سے جلد جلد کھل جائینگی

دولتِ اسلام ابد تک بیدار رہے　　اور کیا خوب ہوا کہ نظر بسبب ادنیٰ کی گیا

اِس قصیدہ سے اُس زمانہ کے لوگوں کا عقیدہ اور مسعود کی ترقی کا سبب معلوم ہو سکتا ہے۔ تاریخوں میں یہ بات بھی مشتبہ ہے کہ آیا مسعود خود یا زرمیں جا کر شیخ کو قلعہ طاق سے رہا کرا لایا یا درویش اسد توتی اور شیخ حسن کے ستر مریدوں نے یہہ خدمت انجام دی۔ لیکن اِس قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مسعود جا کر شیخ کو رہا کرا لایا ہے اور اس سے پہلے اس درمیانی شخص کے ذریعہ سے باہم صلح و اتحاد کی سلسلہ جنبانی کی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ درمیانی شخص بھی درویش اسد توتی رہا ہو کہ وہ شیخ حسن کے معاملے میں نہایت تعصب رکھتا تھا اور ارغون شاہ سے حالت قید میں اُن کے دیدار کی اجازت طلب کی تھی ؛

ہرات میں

اُس وقت ملوکِ کرت کے سب سے بڑے بادشاہ معز الدین حسین جس نے ۴۰ سال تک ۷۳۲ھ سے ۷۷۱ھ تک ہرات اور اطراف ہرات میں سلطنت کی بر سرِ عروج تھا۔ اُس نے طغاے تیمور خان کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور اُس کی لڑکی کو اپنے حبالۂ نکاح میں لایا ؛

جب سرداروں نے طغا تیمور خان کی فوج کو شکست دی اور ہرات کی سرحدیں اُن کا اثر و اقتدار محسوس ہونے لگا تو شاہ معز الدین حسین نے طغا تیمور خان کو دعوت

دینا چاہتا ہے لیکن سربداروں کو اس خط و کتابت کی اطلاع ہو گئی اور قبل
اس کے کہ اُن دونوں بادشاہوں کے درمیان کوئی معاہدہ ہو اُن سبھوں نے ایک لشکر جمع کر لیا اور شیخ حسن جوری نے شاہِ ہرات کی خدمت میں قاصد روانہ کئے کہ "تو مسلمان نہیں ہے۔ ورنہ مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے درپے نہ ہوتا"۔ شاہِ ہرات کو اس پر غصہ آیا اور اُس نے دونوں قاصدوں کو قتل کرا دیا۔ اب لڑائی شروع ہو گئی اور سربداروں کی فوج جس کی تعداد صرف پانچ ہزار تھی ہرات کی ۳۰ ہزار فوج کے مقابل میں دادِ شجاعت دینے لگی۔

خراسان کے مشرقی جانب ایک صوبہ زاوہ ہے۔ جہاں شیخ قطب الدین حیدر کا مزار ہے۔ اسی مقام پر دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ اور امیر مسعود سربدار نے اس سفر میں ابن یمین کو بھی مدعو کیا اور اُس نے اِس غرض کے لئے جیسا کہ ذیل کے قطعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک گھوڑا طلب کیا:۔

اے شہ کامران وجیہ الدین — اے چو نامِ تو طالعت مسعود

اے کامیاب بادشاہ وجیہ الدین۔ اے وہ شخص کہ تیرے نام کے ساتھ تیری قسمت بھی مسعود ہے

چاکرت لاشہ مرکبے دارد! — ہمچو فرزینش کجروی معہود

میرے ملازم کے پاس ایک ضعیف گھوڑا ہے — جس کی چال فرزین کی طرح ٹیڑھی ہے

ھر کہ گردد برا او سوار بود — در عدادِ پیادگاں معدود

جو شخص اُس پر سوار ہوتا ہے — اُس کا شمار پیادوں میں کیا جاتا ہے

صفر ۷۴۳ھ کی صبح کو جنگ شروع ہوئی اور اوّل اوّل ہراتیوں نے شکست کھائی۔ اِس موقع پر مسعود نے جب اپنے آپ کو غالب دیکھا تو اسی معرکہ میں اپنے گھر کے رقیب شیخ حسن جوری کے خطرات سے بھی آزادی حاصل کرنا چاہی۔ اور ایک شخص کو اُن کے قتل پر مامور کر دیا لیکن اب ہراتیوں نے دوبارہ جمع ہو کر سربداروں کی فوج کو شکست دی اور مسعود شیخ حسن کی لاش اور فوج کے خزانے

حاصل ہوئی۔ چنانچہ ایک شاعر اسی واقعہ کے متعلق کہتا ہے :-

گر خسرو کرت بر دلیران نزدے   وز تیغ یلی گردن ایشان نزدے

اگر شاہ کرت دلیروں پر حملہ نہ کرتا۔ اور تلوار سے اُن کی گردن نہ مارتا۔

از بیم سنانِ سربداران تا حشر   یک ترک دگر خیمہ بایران نزدے

تو سربداروں کی برچھی کے خوف سے قیامت تک کوئی دوسرا ترک ایران میں خیمہ نہ نصب کرسکتا

مطلع السعدین اور روضتہ الصفا میں مذکور ہے

اِس معرکے میں امیر فخر الدین محمود مستوفی المشتہر بابن یمین کو گرفتار کرکے ملک معز الدین حسین کی خدمت میں لائے اور بادشاہ نے ان کی تربیت کی اور اُن کے ساتھ بہ لطف پیش آیا۔ چونکہ ابن یمین کا دیوان اسی معرکے میں گم گیا تھا۔ اِس لئے اُس نے شاہ حسین کی مدح کے ساتھ ایک قطعہ میں اس واقعہ کا ذکر بھی کیا :

یہ ایک مختصر سا اشارہ ہے جس کو زادہ کی مشہور جنگ کے ضمنی واقعات میں مورخین نے ذکر کیا ہے لیکن بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان واقعہ یعنی اُس کے دیوان کی گمشدگی کے متعلق جو ادبیات ایران اور ابن یمین کے عہد شباب کا نہایت افسوسناک واقعہ ہے۔ ہم اُس شرح کی طرف رجوع کریں جس کو ابن یمین نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں لکھا ہے اُس نے یہ مقدمہ ۷۵۴ھ میں جب کہ موجودہ دیوان مرتب کیا ہے لکھا ہے اور اُس کا وہ حصہ جو اِس واقعہ سے تعلق رکھتا ہے حسب ذیل ہے :-

جب بہت سا زمانہ گذر چکا اور اشعار تدوین و ترتیب کے قابل ہو گئے تو اُس کا نسخہ سفر و حضر میں ساتھ رکھتا تھا اور جو دوسرے اشعار کہتا تھا اُن کو بھی اُس میں لکھ لیتا تھا۔ لیکن وہ دفعتاً قضائے ربانی اور تقدیر یزدانی سے اُس معرکہ میں جو شیخ حسن جوری اور سلطان مسعود کو لشکر ہرات کے ساتھ صوبہ خواف

چنانچہ اُس کے ماتم میں یہ قطعہ کہا گیا:-

گر بدستان ستد از دستم فلک دیوان من　　آنکہ او میساخت دیوان شکر یزدان با من است

اگر آسمان نے میرے ہاتھ سے فریب دے کر میرا دیوان لے لیا - تو خدا کا شکر ہے کہ جس نے دیوان کو بنایا تھا وہ میرے ہمراہ ہے۔

ور ربود از من زمانہ سلک دُرِ شاہوار　　زان چہ غم دارم چو طبع گوہر افشاں با من است

اگر زمانہ مجھ سے دُرِ شاہوار کی لڑی چھین لے گیا تو اس کا کیا غم جبکہ طبع گوہر افشاں میرے ساتھ ہے

ور ز شاخ گلبنِ فضلم گلے بربود باد　　گلشنے پر لالہ و نسرین و ریحان با من است

اگر میرے فضل کے گلبن کی شاخ سے آسمان ایک پھول اڑا لے گیا تو کیا پرواہ؟ لالہ و نسرین و ریحان سے بھرا ہوا ایک باغ میرے پاس ہے۔

ور تہی شد یک صدف از لولوئے لالہ مرا　　پر ز گوہر خاطری چوں بحرِ عمان با من است

اگر موتی سے میرا ایک سیپ خالی ہو گیا تو کیا فکر؟ موتیوں سے بھری ہوئی ایک طبیعت بحرِ عمان کے مثل میرے پاس ہے۔

قطرہ چند از رشاشِ کلکم ار گم شد چہ شد　　خاطرِ فیاض ہمچوں ابرِ نیساں با من است

اگر میرے قلم کی جھڑی سے چند قطرے گم ہو گئے - تو کیا ہوا؟ ابرِ نیسان کی طرح ایک فیاض طبیعت میرے پاس ہے۔

آبِ شعرِ عذب من چون خاک اگر برباد شد　　سہل باشد چشمہ سارِ آبِ حیوان با من است

میرے شعر کا شیریں پانی مانند مٹی کے اگر برباد ہو گیا تو یہ ایک معمولی بات ہے آبِ حیات کا چشمہ میرے ساتھ ہے۔

ور چہ آمد دل بدرد از گشتنِ دیوان تلف　　لیک از دردش نیاید غم چو درمان با من است

اگرچہ دیوان کے ضائع ہو جانے سے دل دُکھنے لگا لیکن مجھ کو اس درد کی فکر نہیں ہے جب کہ دوا میرے پاس ہے۔

ہے میرے پاس ہے۔

در ثنائے شاہِ عالم ہمچون صیتِ عدلِ او — منتشر شد در جہاں طبع ثناخوان با من است

شاہِ عالم کی مدح کے لئے اُس کے عدل و انصاف کی طرح یہ بھی مشہور ہو گیا کہ مداح طبیعت میرے ساتھ ہے۔

گرچہ دیوانِ دگر ترتیب دانم کرد لیک — حاصلِ عمرم ہبا شد اندہِ آن با من است

گو میں دوسرا دیوان بھی مرتب کر سکتا ہوں لیکن میری زندگی کا حاصل برباد ہو گیا اور اُس کا غم میرے ساتھ ہے۔

بے عنایت گر بود گردوں با من چہ باک — چون عنایت ہائے شاہنشاہِ دوران با من است

اگر آسمان میرے ساتھ سرد مہری کرتا ہے تو کیا پروا — جبکہ شاہنشاہِ زمانہ کی مہربانی میرے اوپر ہے

خسروِ عادل معز الدین کہ گوید قدرِ او — کز جلالت آنچہ گنجد در امکان با من است

بادشاہِ عادل معز الدین کہ اُس کی قدر کہتی ہے۔ کہ بزرگی سے جو کچھ ممکن ہے وہ میرے ساتھ ہے

معظم چاکر نوازیہا کہ اندر کل حال — شہریارِ عہد از جملہ اقران با من است

سب سے بڑی بندہ نوازی شہریارِ زمانہ کی ہر حال میں تمام ہمسروں میں سے میرے اوپر ہے۔

آن بود کز حکمِ او گوید مرا آزادۂ — شاد باش ابن یمین کاجزائے دیوان با من است

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اُس کے حکم سے ایک آزاد شخص کہہ اُٹھے کہ اے ابن یمین خوش ہو جا کہ تیرے دیوان کے اجزاء میرے پاس ہیں۔

عمر شد در کامرانی تا ابد بادو بود — وردِ من چاکر دعائے شاہِ مردان با من است

عمر کامرانی میں گذرتی گئی اور اسی طرح ابد تک گزرتی ہے میرا ناچیز وظیفہ بھی ہے۔

اگرچہ اہلِ نقد کے نزدیک اُس دیوان کی بہت زیادہ قدر و قیمت نہیں تھی لیکن جبکہ اس ورطۂ خونخوار سے رہائی ہوئی اور گھر کی طرف واپس آنا پڑا تو اس مقولے

کاشعار پراگندہ چو ہفت اورنگم　مانندۂ پروین بہ نظام آرم باز

کہ اپنے پراگندہ اشعار سے - پروین کے مانند ایک ہار بناؤں

غرض متذکرہ بالا چند اشعار سینوں اور بیاضوں سے منتخب کرلئے گئے اور اس کے بعد جو کچھ کہنے کا اتفاق ہوا اس کو ان کے ساتھ شامل کرلیا گیا۔ اور ایک دوسرا دیوان جیسا کچھ ہو سکا نہ یہ کہ جیسا کچھ ہونا چاہیئے تھا ایک کتاب کی صورت میں مرتب ہوگیا اور اس خیال سے کہ جو شخص اس دریا میں کسی دُرِ شاہوار کے لئے غواصی کرنا چاہے تھوڑی سی محنت میں اُس کا یہ مقصد حاصل ہو جائے اس کی بنیاد حروف تہجی پر رکھی گئی۔ اکابر زمانہ کے لطف و کرم سے یہ توقع ہے کہ جب ان مطولات لاطائلہ کا مطالعہ فرمائیں تو معائب کی اصلاح اور محاسن کے اظہار سے میرے اوپر احسان کریں اور میرے حق میں دعاء فرمائیں۔ یہ کام غرہ شوال ۷۳۵ھ میں تمام ہوا والحمد لولیہ اولاً و آخراً والصلوٰۃ علیٰ نبیہ باطناً و ظاہراً" +

جیساکہ صاحب روضتہ الصفا کی عبارت سے اوپر معلوم ہوا۔ اس معرکے میں ابن یمین کو گرفتار کرکے ملک معزالدین کی خدمت میں لے گئے تھے اور اس لحاظ سے فصیحی خوافی کا یہ قول　دیوان کے ضائع ہو جانے کے بعد ذیل کا قطعہ بنزوار سے ملک معزالدین ابوالحسین کرت کی خدمت میں بھیجا +

جس کو پروفیسر اڈورڈ براون نے نقل کیا ہے۔ قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ جس معرکے میں وہ گرفتار ہوا ہے۔ اُسی میں قطعہ متذکرہ بالا کو ہرات یا ہرات کے راستے میں کہا ہے۔ بنزوار سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ خود یہ بات بھی نہایت بے جوڑ معلوم ہوتی ہے کہ رہا ہوکر بنزوار میں آنے کے بعد وہ ملک معزالدین کی مدح میں قطعہ کہے۔ خود اس کے ان الفاظ سے کہ

جب بہ فضل خدا اُس ورطۂ خونخوار سے رہائی حاصل ہوئی اور وطن کو واپس ہوا

سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوان کے گم ہو جانے کے بعد ایک مدت تک وہ اُس کے جمع کرنے کا آرزومند تھا اور اس حیثیت سے سبزوار کی واپسی اور اُس لڑائی میں ایک مدت کا وقفہ رہا ہوگا۔ اور یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہ اس مدت کے وقفہ میں ہرات میں مقیم تھا۔ چنانچہ اُس نے معز الدین کرت کی مدح میں جو اشعار لکھے ہیں اور ہرات کی عمارتوں کی جو تعریف کی ہے۔ اُس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس نے اس شہر میں بہت دنوں تک قیام کیا تھا۔

دیوان کی جستجو کے زمانے میں اُس نے یہ قطعہ بھی لکھا ہے:۔

شرفِ ملت و دین مشرفِ دیوان ہنر آن منوچہر کہ خجلت دہ پیوست بچہر

شرف الملۃ والدین نے

گفت جزوے دو سہ از گفتۂ تو یافتہ ام آورم نزد تو روزے ز سر شفقت مہر

مجھ سے کہا کہ تیرے کلام کے دو تین جزو مجھ کو ملگئے ہیں۔ جن کو میں ایک دن تیرے پاس لاؤں گا

روزہا رفت و نیاورد مگر مہر برید او ہم از بندۂ خود ابن یمین ہمچو سپہر

بہت سے دن گذر گئے اور وہ اُن کو نہ لایا۔ شاید آسمان کی طرح اُس نے بھی اپنے غلام ابن یمین سے قطع محبت کرلی۔

اُس کا دیوان تو نہ مل سکا البتہ اُس کے مختلف اجزاء جو اُس کو اور اُس کے دوستوں کو یاد تھے اور متفرق اشعار کے لکھنے سے جمع ہو گئے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام محفوظ دماغی سرمایہ ناقص تھا اور اس کے گم شدہ دیوان کا جو حصہ جمع ہوسکا وہ صرف اُن اشعار پر مشتمل تھا جن کا یاد کرنا عوام کے لئے مفید اور لذت خیز تھا مثلاً قطعات۔ رباعیات۔ غزلیات اور مادہ تاریخ وغیرہ لیکن اُس نے اپنے عہدِ شباب کے سرداروں کی مدح میں جو اشعار لکھے تھے وہ چونکہ کسی کے لئے مفید نہیں تھے اور اُن کا یاد کرنا کسی شخص کے لئے نتیجہ خیز نہ تھا وہ دستیاب

اُس کے عہدِ جوانی کی طرف اشارات موجود ہوں - بلکہ اِس دیوان کے زیادہ تر
قصیدے جو نصف دیوان میں آ ئے ہیں وہ ہیں جو ۷۴۳ھ یعنی واقعہ زاوہ اور
دیوان کے گم ہو جانے کے بعد کہے گئے ہیں اور جو قصائد دیوان کے گم ہو جانے
سے پہلے لکھے گئے ہیں - وہ بھی اسی سن کے قریبی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں -
اور غالباً خود ابن یمین نے اُن کو یاد رکھا ہوگا - لیکن جن قصائد کی تاریخ کسی
طریقہ سے نہیں معلوم ہو سکتی اور صرف ظن و تخمین سے معلوم ہوتا ہے - کہ وہ
عہدِ جوانی میں کہے گئے ہیں وہ اِس قدر کم اور مبہم ہیں کہ کسی طریقہ سے اُن کی تاریخ
نہیں معلوم ہو سکتی اور جن دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے - کہ وہ عہدِ جوانی میں کہے
گئے ہیں - اُنہیں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ عہدِ کہولت کی یادگار ہیں اور اس
کے اشعار کے دقیق مطالعہ اور ممدوحین کی تاریخ وفات کے تطابق سے میں
دیوانِ قدیم کے قصائد کو اُس کے جدید قصائد سے جُدا تو کر سکا ہوں لیکن عام
طور پر زیادہ تر یہ قدیم قصائد بھی قریب قریب ۷۴۳ھ کہے گئے ہیں *

میدانِ جنگ زاوہ (تربتِ حیدریہ) کے قیدیوں میں ایک ابن یمین
بھی تھا جو شیخ حسن جوری کے قتل اور وجیہہ الدین مسعود سربدار کے بھاگ
جانے کے بعد اور تمام بے بس اور عاجز از جنگ و فرار لوگوں کے ساتھ ہراتی
فوج کے ہاتھ میں گرفتار ہوا - اور اُس کو نظر آیا کہ سربداروں کی فوج کے یقینی
غلبہ کے بعد بالکل غیر متوقع طور پر معاملہ نے دوسری شکل اختیار کر لی اور
ہراتی فوج نے راہِ فرار اختیار کر لینے کے بعد دفعتاً دوبارہ ہمّت کر کے
آگے بڑھی اور علمِ فتح پر قابض ہو گئی *

اس منحوس دن کے سلسلہ میں جو ۱۳ صفر کو واقع ہوا تھا ابن یمین کے
حالات میں بہت کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے - کیونکہ وہ چند منزلوں

کی فوج نے فتح پائی اور اُس کو دُور سے نظر آیا کہ ہراتی فوج نے کس سراسیمگی کی
حالت میں جنوب مشرق کی راہ لی اور بہت سا مال و دولت چھوڑ کر بھاگ نکلی
اُس وقت اُس کے دل میں اُمید کی یہ شعاع چمکی کہ خاتمہ جنگ کے بعد جب
شاہ مسعود اور شیخ حسن اپنے خیمہ کی جانب واپس ہوں گے اور آج کی عظیم
الشان فتح اور بہت سے مالِ غنیمت کے حاصل ہونے پر سجدہ شکر بجا
لائیں گے ۔ اور ملازموں کو خوش کریں گے ۔ ایک نگاہ اپنے شاعر کے اوپر بھی
ضرور ڈالیں گے ۔ اور ہراتیوں کے مال میں سے اُس کو بیش بہا صلہ دینگے
لیکن ابھی اِس خیال نے بہت زیادہ وسعت نہیں اختیار کی تھی کہ ابن یمین
کو دُور سے ایک ٹیلے پر ہراتیوں کا جھنڈا بلند نظر آیا جس کے گرد ایک جماعت
تھی اور نقارہ اور شور و غل کی آواز کانوں میں آرہی تھی ۔ ہر لحظہ یہ سر و سامان زیادہ
ہوتا جاتا تھا اور جھنڈے کے گرد ہجوم بڑھتا جاتا تھا ۔ ابن یمین کو یہ انتظار
تھا کہ ہراتیوں کی اِس آخری مقابلہ کرنے والی غیر مفرور جماعت کے منتشر
کرنے کے لئے امیر وجیہہ الدین مسعود کوئی دوسرا نقشہ جنگ بنائیگا ۔ اور
سخت حملہ کرے گا لیکن اس نظارے کے خلاف اُس کو معلوم ہوا کہ مسعود کے
ہمراہیوں میں نصر اللہ جوینی نے شیخ حسن جوری کو قتل کر دیا ہے اور اِس بناء پر
سربداروں کی فوج میں تزلزل و تفرقہ واقع ہو گیا ہے اور اِس موقع سے فائدہ
اُٹھا کر ہراتی فوج آگے بڑھ رہی ہے ۔ اور سربداروں کی فوج میں بھاگڑ پڑی ہوئی
ہے ۔ اُس نے بذاتِ خود اِس واقعہ کی اطلاع حاصل کرنی چاہی تو اُس کو
چست و چالاک سوار جن کے پاس تیز رو گھوڑے تھے سامنے نظر آئے بڑے
بڑے خیمے نمودار ہوئے ۔ بادشاہ کا جھنڈا سرنگون تھا اور اُس کے اِرد گرد
ایک متنفس بھی نہیں تھا ۔ اُس وقت ہراتی فوج لشکرگاہ میں آئی اور غارت

آیا۔ یہاں تک کہ اُس کا دیوان بھی۔

بچنگالِ غارت گران اوفتاد — وزآن پس کس از وے نشانی نداد

غارت گروں کے ہاتھ پڑ گیا ؛

ایک بے رحم سپاہی نے کچھ نہ پایا تو دوڑا ہوا آیا اور غریب ابن یمین کو گرفتار کر کے تمام قیدیوں کے ساتھ ہرات میں بھیجدیا۔ اگرچہ ابن یمین پر اس طویل راستے میں جو صدمات گذرے ہونگے اُن کا اندازہ بہ مشکل کیا جا سکتا ہے تاہم جب یہ معلوم ہوا کہ وہ قتل نہیں کیا جائیگا اور اُس کو یہ لوگ ملک معز الدین حسین کرت کی خدمت میں پیش کریں گے تو ابن یمین کی جان میں جان آئی اور اُس کا دل قوی ہو گیا ؛

ملک معز الدین اس چھوٹے سے سلسلۂ کرت کا جس نے ہرات اور غور میں حکومت کی ایک بہت بڑا بادشاہ تھا۔ ملک شمس الدین محمد کو جو سلاطین مرغنی کی اولاد میں تھا۔ منکو قاآن کے زمانے میں ہرات کی حکومت حاصل ہوئی اور اُس کی اولاد شاہانِ مغل کے زیرِ اثر رہی۔ لیکن اس کے ساتھ جب اُنہوں نے شاہانِ مغل میں ضعف کے آثار دیکھے تو کبھی کبھی بغاوت بھی کر دی۔ اور اِس بغاوت کے زائل کرنے کے لئے مغلوں کی عظیم الشان فوجیں ہرات میں آئیں۔ جو کبھی کامیاب اور کبھی ناکامیاب ہو کر واپس گئیں۔ اِن سب میں سب سے آخری اور سب سے بڑا بادشاہ بھی ملک معز الدین حسین تھا۔ جس نے تقریباً چالیس سال (۷۳۲ھ سے ۷۷۱ھ تک) سلطنت کی ؛

اُس کی سلطنت کے پانچویں سال جب سلطان ابو سعید بہادر خاں نے وفات پائی اور ایران امراء کے ہاتھوں میں تقسیم ہو گیا اور وہاں بغاوت

اس وقت نہایت آباد تھا اور معز الدین حسین کے دورِ حکومت میں وہ تمام خرابیاں جو اُس کے سلف حافظ بن غیاث الدین کے زمانے میں غوریوں کے حملہ سے پیدا ہو گئی تھیں۔ دور ہو گئی تھیں اور ۷۴۳ھ میں اُس زمانے کے تمام شعراء و فضلاء نے جن کو ایران کے کسی حصّے میں اپنے قدردان نہیں ملتے تھے ہرات کو اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ اور ملک معز الدین کے لطف و کرم سے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

ابن یمین کو یہ تمام واقعات اچھی طرح معلوم تھے اس لئے جب اُس کو یہ معلوم ہوا کہ لوگ اُس کو ایسے بادشاہ کی خدمت میں لے جا کر زندہ پیش کرینگے۔ تو وہ بہت خوش ہوا اور پہنچنے کے ساتھ ہی سب سے پہلے ایک قصیدہ پڑھا جس میں اپنے دیوان کے ضائع ہونے پر افسوس کیا تھا اس کے ساتھ ہی ذیل کا قصیدہ بادشاہ کی مدح میں پڑھا:۔

بگذر اے ابن یمین از رمز و گو توفیق حق　　سوئے شاہِ دین پناہم رہنمائی میکند

اے ابن یمین اب اشارات و کنایات کو چھوڑ کر یہ کہہ کہ خدا کی توفیق مجھکو شاہِ دین پناہ کیطرف راستہ دکھاتی ہے

خسرو عادل معز الدین کہ خاکِ پائے او　　از شرف در چشم اختر طوطیائی میکند

شاہِ عادل معز الدین کہ اُس کی خاکِ پاء　　شرف سے آسمان کی آنکھوں میں سرمہ دیتی ہے

ابنِ یمین کی شہرت عالمگیر تھی اور ملک معز الدین نے بارہا اس کا نام سنا اور اُس کے اشعار کو پڑھا تھا۔ اِس لئے جب اُس نے دیکھا کہ اُس کو قیدیوں کے ساتھ گرفتار کر کے ہرات میں لے آئے ہیں تو اُس کے ساتھ مہربانی اور اعزاز و احترام سے پیش آیا۔ اور ہرات میں اُس کی اشاعت کے تمام سامان فراہم کر دیئے۔ اب اِس سال سے ابن یمین شاہِ ہرات کا خاص مداح ہو گیا۔ اور ۷۴۶ھ تک وہیں قیام کیا شاہ معز الدین کی مدح میں چند قصیدے اُس کے دیوان میں موجود ہیں اور منجملہ اُن کے ایک قصیدہ جس کا تعلق رفاہ عام کے کام کے ساتھ یہ ہے

خدا کا شکر ہے کہ زمانے کی تائید سے۔ شاہِ نام دار جو شہرت چاہتا تھا وہ حاصل ہو گئی ہے

توئینِ عہد خسروِ خسرو نشان حسین　　آنکس کہ روزگار بدو دارد افتخار

خسرو نشان۔ شاہِ معز الدین حسین۔ جس پر زمانے کو ناز ہے۔

بندے بہ بست خسرو خسرو نشان حسین　　ہمچون پناہِ معدلتِ خویش استوار

خسروِ خسرو نشان حسین نے ایک بند باندھا ہے۔ جو اُس کے انصاف کی پناہ کی طرح مضبوط ہے۔

بندے کزو کشادہ شود کارِ عالمے　　زین بندگی نگر چہ کشایش گرفت کار

ایسا بند جس سے دُنیا کا کاروبار کھُل گیا ہے۔ اس باندھنے سے کس قدر کام کھل گئے ہیں۔

خندان لبِ زمانہ ازین بند دلکشاے　　خاصہ گہے کہ گریہ کند ابرِ نوبہار

زمانہ کے لب اس بند دلکشا سے خندان ہیں۔ بالخصوص اُس وقت جب ابرِ نوبہار روتا ہے۔

ابن یمیں چو مادح خاک جناب تست　　دائم ز گنج گوہرِ موزونست بایسار

ابن یمین چونکہ تیرے دربار کا مداح ہے۔ اِس لئے ہمیشہ خزانہ سے ہمدست رہتا ہے۔

ملک معز الدین کو مغربی جانب سے اطمینان حاصل ہو گیا تو اُس نے مشرق کا رُخ کیا اور قبائل غور وغیرہ کی تنبیہ کے لئے لشکر کشی کی۔ جب اندخود۔ شیر خاں اور باغدیس میں پہنچا تو رعایا نے شورش کی اور بادشاہ نے قتل عام اور کلہ منار کا حکم دیا۔ چنانچہ صاحب روضۃ الصفا اُس کی حکومت کے متعلق لکھتا ہے:۔

"کوچہ خیاباں میں شیخ فخر الدین رازی کے مزار کے گرد گلی کے دونوں سروں پر دو منارے آسمان سے باتیں کر رہے تھے"۔

انہی فتوحات کے زمانے میں جب ایک بار ملک معز الدین واپس آیا ہے تو ابنِ یمین نے اُس کے خیر مقدم میں ہرات میں یہ قصیدہ لکھا ہے:۔

شادباش ایدل کہ دوش آمد بشیرا ز گرد راہ　　مژدہ داد از مقدمِ میمونِ شاہِ دین پناہ

اے دل خوش ہو کہ کل بشارت دھندہ آیا۔ اور بادشاہ کے آنے کی خوشخبری سُنائی۔

منت ایزد را کہ باز آمد بہ یمن فرخی   خسروے کز فر او با زیب شد دیہیم و گاہ

خدا کا شکر ہے کہ تقدیر کی برکت سے۔ ایسا بادشاہ واپس آیا جس سے تختِ سلطنت کو رونق حاصل ہوئی۔

گرچہ صد رہ پیش مالش یافت رو دشمن و لیک   بخت بد نگذاردش یکدم کہ یابد انتباہ

اگرچہ دشمن نے اُس سے سو بار شکست کھائی۔ لیکن بد قسمتی سے اُس کو تنبیہ حاصل نہ ہوئی۔

ابن یمین نے خوش قسمتی سے صرف ملک معز الدین کی فتوحات کا نظارہ کیا اور وہ تاریک منظر نہ دیکھ سکا جب ۷۵۹ھ میں امیر فرغن ترکستان سے ایک فوجِ عظیم لے کر پہنچا اور امرأ اندخود اور شیورخان کی حمایت میں ہرات کا محاصرہ کیا اور اُس پر اس قدر تشدد کیا کہ معز الدین مجبور ہو کر صلح کے لئے حاضر ہوا اور دوسرے سال خود ترکستان جا کر امیر فرغن کے دربار کی حاضری دی۔ لیکن امیر باقر اور دوسرے امراء کے ہاتھوں جنھوں نے ملک معز الدین کو فرار پر مجبور کر دیا اور اُس نے امیر فرغن کے دامن میں جا کر پناہ لی۔ ملک کو جو ذلت نصیب ہوئی۔ ابن یمین اُس کو نہ دیکھ سکا اور ہرات میں ایک ایسا مبارک زمانہ بسر کیا جس میں فتح پر فتح عید پر عید اور جشن پر جشن کے سوا کچھ نہ تھا اور اس طریقہ سے ابن یمین کو ہمیشہ قصیدہ پیش کرنے کے مواقع حاصل ہوتے رہے۔

عیدِ نو بر خسروِ خسرو نشان فرخندہ باد   رائے ملک آرائے او را شاہِ انجم بندہ را

خسروِ خسرو نشان کو نئی عید مبارک ہو۔ اور آفتاب اُس کی رائے کا غلام ہو۔

خسرو جمشید رتبت سایۂ یزدان حسین   کافتابِ قدرش از برج شرف تابندہ باد

بادشاہِ جم رتبہ۔ سایۂ خدا یعنی حسین۔ کہ اُس کی قدر کا سورج بزرگی کے بُرج سے چمکے۔

اِس مسرت انگیز زمانہ اور شاہِ معز الدین کی توجہ نے ہرات میں اُس کے پاؤں ایسے پکڑے کہ تین سال تک اُس نے واپسی کا مطلق ارادہ نہیں کیا اور جو خبریں سبزوار سے پہنچتی تھیں اُن میں بھی اُس کے متوجہ کرنے کی چندان صلاحیت

اور اُس نے شکست کے نقصانات کی تلافی کے لئے کوشش شروع کردی۔
چنانچہ صاحب حبیب السیر کے قول کے مطابق شیخ علی کاون کی جنگ اور اُس کے قتل کا واقعہ بھی اسی سفر یعنی ۷۴۳ھ میں پیش آیا لیکن باتفاق مورخین امیر مسعود اور شیخ حسن جوری کے اتفاق و اتحاد سے یہ معرکہ سرانجام پایا تھا اس لئے یہ ۷۴۳ھ کے بعد کا واقعہ نہیں ہو سکتا لیکن مسعود کے حملہ مازندران کے متعلق کسی قسم کی گفتگو کی گنجایش نہیں۔ صاحب روضۃ الصفا اور تمام مورخین لکھتے ہیں کہ جب مسعود رستمدار کے جنگل میں آیا تو سب نے اُس کا راستہ روک لیا اور بالآخر وہ گرفتار ہو گیا۔ اور خواجہ علاؤ الدین کے لڑکے کی خواہش کے بموجب جو اُس جگہ موجود تھا اُس کو قتل کر دیا۔ سربدار کا لشکر جب ترتیب کے ساتھ مازندران میں آیا اور اُس صوبہ کے سرداروں نے جس طرح مسعود کی ظاہری اطاعت کی جنگل استمدار میں جس طرح وہ گرفتار ہوا۔ مازندران پر جس طرح حملے کئے اور اپنے لشکر گاہ کے گرد جس طرح مارا گیا۔ صاحب حبیب السیر نے ان تمام واقعات کو نہایت مفصل طور پر بیان کیا ہے۔ اور وہ اس واقعہ کو ۷۴۳ھ کا واقعہ خیال کرتا ہے۔ لیکن اور مورخین اس کو ۷۴۵ھ کا واقعہ خیال کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ باتفاق مورخین وجیہہ الدین مسعود کی سلطنت کا زمانہ سات سال اور چار مہینہ ہے اس لئے اس کو ۷۴۴ھ کے آخری اور ۷۴۵ھ کے ابتدائی مہینوں کا واقعہ فرض کر سکتے ہیں۔

مسعود نے جس وقت مازندران پر حملہ کیا۔ محمد آیتمور کو جو اُس کا ایک عہدہ دار تھا۔ سبزوار میں اپنا قائم مقام بنا کر چھوڑ گیا۔ لیکن مسعود کی موت سے جب ملک میں شورش پیدا ہوئی تو اُس نے اُس کے روکنے کے لئے خزانے کا دروازہ کھول دیا۔ سپاہیوں کو جمع کیا۔ بہت سے قلعوں کو جو اُن کے قبضے سے

شریف النسب آدمی تھے آتیمور سے بغض رکھتے تھے۔ چنانچہ اس موقعہ پر جب کہ
مسعود دنیا سے اٹھ گیا تھا اور شیخ حسن جوری کے درویش ایک فوجی دستہ
مرتب کر کے اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لانا چاہتے تھے۔ خواجہ علی شمس الدین
بھی ان درویشوں کے ساتھ شریک ہو گئے اور ان کی طرفداری کرنے لگے۔
اگرچہ وہ دل میں سلطنت کی آرزو رکھتے تھے لیکن ظاہر میں درویشوں کی خیر
اندیشی کے سوا اور کسی خواہش کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ اور ہمیشہ کہا کرتے تھے
کہ سربداروں کی حکومت خداوند تعالےٰ کے لطف و کرم کے بعد شیخ حسن جوری
کی توجہ سے اس قدر ترقی کر گئی کہ اس کے بہ کثرت ساتھی پیدا ہو گئے اور سب
کے سب محمد آتیمور کی پستی نژاد اور سنگ دلی سے متنفر ہیں اور اس کی اطاعت
کو باعث ننگ و عار خیال کرتے ہیں۔"

غرض اس قسم کے حیلوں سے انہوں نے محمد آتیمور کو قتل کرا دیا اور اب
سربداروں نے خود خواجہ علی شمس الدین کو بارِ حکومت اٹھانے کی تکلیف دی
اور کہا کہ "آپ کے سوا کوئی شخص حکومت کے قابل نہیں۔ خود شیخ حسن جوری بھی
آپ ہی کی حکومت کے لئے کوشاں تھے" لیکن خواجہ علی چونکہ اس موقع کو اپنے
لئے موزوں نہیں خیال کرتے تھے اور ان کو یہ ڈر تھا کہ اگر میں نے حکومت قبول
کر لی تو لوگ ان پر یہ الزام لگائیں گے کہ خود بادشاہ بننے کے لئے محمد آتیمور کو قتل
کر دیا اور اس طور پر ان کی عزت و وجاہت میں فرق آجائیگا اس لئے انہوں نے
کہا کہ "میں اپنی فقیری کے گوشے کو ہزار دل سلطنت کے بدلے بھی نہیں دونگا
البتہ درویشوں کی اعانت سے مجھے کوئی مضائقہ نہ ہوگا"۔ چنانچہ انہوں نے
محمد آتیمور کے قتل کا حکم دیا اور کلو اسفندیار کو بادشاہ بنایا۔ محمد آتیمور نے دو سال
اور ایک مہینہ تک سلطنت کی تھی۔ اور اس لحاظ سے وہ ۷۴۷ھ میں مقتول ہوا

... کی مخالفت

پر آمادہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سربداروں نے اُس کو (۱۴ ر جمادی الثانی ۷۴۷ھ) میں قتل کر دیا۔ اور اس کے بعد خواجہ علی سے مشورہ کیا تو اُنہوں نے مسعود کے لڑکے امیر لطف اللہ الملقب بہ میرزا کے بادشاہ بنانے کا مشورہ دیا۔ لیکن چونکہ وہ لڑکا تھا اِس لئے اُنہوں نے مسعود کے بھائیوں میں امیر شمس الدین فضل اللہ کو اس کا قائمقام بنانے کی رائے دی۔ لیکن امیر شمس الدین ایک بُزدل شخص تھا اِس لئے اُس کی ہفت ماہہ حکومت کے زمانے میں سربداروں میں ضعف کے آثار پیدا ہو گئے اور دشمنوں نے ہر طرف سے اُس کے مُلک پر دستِ تطاول دراز کرنا چاہا۔ بالتخصوص طغاتیمور خاں نے اُن کے مُلک کے فتح کرنے کے لئے فوجیں بھی جمع کر لیں۔ سربداروں نے یہ حالت دیکھی تو شمس الدین کو چار خروار ابریشم دے کر حکومت سے الگ کر دیا۔ ان تمام حالات میں ہر اُنہوں کے ہاتھ میں گرفتار ہونے کے بعد سبزوار میں ابن یمین کا پہلا کارنامہ جو اُس کی وابستگی پر دلالت کرتا ہے۔ وہ قصیدہ ہے جو اس نے امیر شمس الدین بن فضل اللہ کی مدح میں لکھا ہے:۔

اے نسیم صبحدم از بختِ نیک ار باشدت
بر درِ گیتی پناہِ خسرو عادل گذار

اے نسیم صبح اگر خوش قسمتی سے شاہِ عادل گیتی پناہ کے دروازے پر تیرا گذر ہو!

گو ندیدم ہیچ سودا در سرِ ابن یمین
جز بچشم اندر کشیدن خاکِ پایت سرمہ وار

تو کہتا ہے کہ ابن یمین کے سر میں۔ اس کے سوا کوئی سودا نہیں کہ تیری خاکِ پا کو آنکھ کا سرمہ بنائے

لیکن از روئے حسد گردوں نمے خواہد کہ او
در جنابِ حضرت میمونت گردد بختیار

لیکن حسد سے آسمان یہ نہیں چاہتا۔ کہ وہ تیری درگاہ میں کامیاب ہو۔

یعلم اللہ گر ز درت غائب نبودے یکزماں
ہیچ اگر بودیش بر اوراک ماموں اقتدار

اگر مجھ کو حصولِ اُمید پر قدرت حاصل ہوتی تو خدا جانتا ہے کہ وہ ایک منٹ بھی تیرے دروازہ سے غائب نہ ہوتا۔

[illegible]

۷۴۷ھ کی ابتداء میں ہرات کو چھوڑ کر وطن کی یاد میں مشغول ہوا ہوگا:-

اے صبا گر بودت سوئے خراسان گذرے　　بر از حالِ دلِ من سوئے جاناں خبرے

اے صبا اگر خراسان کی طرف تیرا گذر ہو۔ تو میرے دل کی خبر میرے معشوق کو پہونچا دینا۔

چشمِ زخمِ فلکی بود و گرنہ زچہ روئے　　در رہ افتاد مرا ناگہ از اینساں سفرے

یہ آسمان کی شرارت تھی ورنہ۔ مجھ کو ایسا سفر کیوں پیش آتا۔

جب اُس نے سفر کر کے دوسری بار خراسان کی سرزمین پر قدم رکھنا چاہا تو کہا

این منم بارِ دگر عزمِ خراسان کردہ　　روئے چون بلبلِ شیدا بہ گلستان کردہ

اب میں نے دوسری بار خراسان کا ارادہ کیا ہے۔ اور بلبل کی طرح باغ کی طرف بڑھا ہوں

بودہ یعقوب صفت ساکنِ بیتُ الاحزان　　این زمان روئے سوئے یوسفِ کنعان کردہ

جو یعقوب کے مانند ایک غمکدے میں مقیم تھی۔ لیکن اب یوسفِ کنعان کی طرف جا رہی ہے۔

اگرچہ یقیناً و تخمیناً اُس کے منازلِ سفر متعین کئے جا سکتے ہیں اور شلمش بیگ اور نصر اللہ سنجانی کی مدح میں اُس نے جو قصائد لکھے ہیں ان سے ان ملاقاتوں کا نتیجہ معلوم ہو سکتا ہے۔ جو اول الذکر سے تہانیات ہیں اور مؤخر الذکر سے خوف میں ہوئی ہے لیکن اِن باتوں کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے۔ اور ابن یمین ہم کو دفعتاً ۷۴۷ھ میں سربداروں کے دربار میں نظر آتا ہے*

لیکن اس فصل کے اختتام سے پہلے ایک تنبیہی نکتے کے متعلق جس کا ذکر اُن مورخین نے کیا ہے جو سربداروں کے زمانے سے قریب تر تھے۔ میں چند سطروں میں لکھنا چاہتا ہوں۔ خواجہ علی نے جس طریقہ سے حکومت حاصل کی اس کی تفصیل مطلع السعدین میں اس طرح کی گئی کہ کلو اسفندیار کے قتل کے بعد امیر شمس الدین بادشاہ ہوئے لیکن وہ نہایت بخیل تھے اور سربداروں کے وظائف و مرتبات کے دینے میں خردہ گیری کرتے تھے لیکن اُن کے بیٹے علی شمس الدین نے

تمام سربدار اُس سے برگشتہ خاطر ہو گئے۔ اور شمس الدین کو قتل کر دیا۔ اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا خواجہ کریم علی شمس الدین حاکم ہوا۔ اور ایک سال سے کچھ کم زمانے تک اُن پر حکومت کی۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ سربداروں کے وظائف و مرتبات کے نہ دینے کے مجرم باپ بیٹا دونوں تھے۔ غالباً صاحب مطلع السعدین کو امیر وجیہ الدین مسعود کے بھائی خواجہ شمس الدین فضل اللہ نائب السلطنت میرزا لطف اللہ پر خواجہ علی کے باپ شمس الدین کا دھوکا ہوا ہے۔ کیونکہ خواجہ علی کا باپ شمس الدین کبھی بادشاہ نہیں ہوا۔ اور خواجہ علی شیخ حسن ہی کے زمانے سے ایک با اثر شخصیت رکھتا تھا۔ اور بادشاہوں کے عزل و نصب میں سیاسی چالوں سے کام لیتا تھا۔

فریومد اور سبزواریں

امیر وجیہ الدین سربدار کے سال وفات کے بعد محرم ۷۴۸ھ میں خواجہ شمس الدین نے سربداروں پر نہایت غیر معمولی اقتدار حاصل کر لیا۔ چونکہ وہ تعلیم یافتہ اور ایک بہت بڑے خاندان کا رکن تھا اور عقل و تدبیر کے علاوہ امیر وجیہ الدین کی سلطنت کے تحفظ و قیام کا معاملہ اُس کے فضائل اور محاسن کے لئے ایک تختۂ مشق بن چکا تھا۔ اس لئے اُس نے بلا تامل اُسی کا

رہے اُن کے ساتھ اس قدر عقیدت کا اظہار کیا کہ ایک نہایت قابلِ اعتماد شخص بن گیا
اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ حسن جوری کے قتل کے بعد اُن کے مریدوں نے اُس کو شیخ کا
حقیقی جانشین تسلیم کرلیا۔ اور اپنے معاملات میں اُس سے مشورہ لینے لگے۔ اس طرح
جب اُن کی پوزیشن مضبوط ہوگئی تو اُن کے دل میں حرص و آز کے شعلے بھڑکنے
لگے اور اُنہوں نے جسمانی قوت کے ساتھ روحانی طاقت کو بھی شامل کرنا چاہا۔ یعنی
ایک ہی وقت میں شیخ حسن اور امیر مسعود دونوں کے قالب میں نمایاں ہونے کی
کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ مخفی طور پر امور سلطنت میں نجاست شروع کی اور سلطان
محمد آتیمور۔ کلو اسفندیار اور شمس الدین فضل اللہ۔ نائب میرزا لطف اللہ کو ایک
ایک کر کے تباہ کرنا شروع کیا۔ مثلاً کسی کو معزول اور کسی کو قتل کیا اور عزل و نصب کا
یہ کام درویشوں کی مصلحت کے پردہ میں انجام دیا اور اس طاقت در گروہ کو اپنا
دائمی مددگار بنایا۔ یہاں تک کہ اب مُلک میں اُس کا کوئی حریف و مقابل باقی نہیں
رہا۔ اس بناء پر امیر مسعود کے بعد جس نے سربداروں کے صاحبقران کا لقب پایا تھا
وہ اِس مختصر سے سلسلہ کا سب سے بڑا بادشاہ بن گیا۔ لیکن یہ ایک عجیب بات
ہے کہ مورخین نے ہمیشہ اُس کے نام میں اشتباہ کیا ہے۔ اور اس کو اس کے
باپ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اور اس کو خواجہ شمس الدین علی کہتے ہیں۔ حالانکہ
شمس الدین اُس کے باپ کا نام ہے۔ خود اُس کا نام علی ہے۔ چنانچہ صاحب
حبیب السیر لکھتا ہے:۔

"بعض مورخین نے اُس کو خواجہ علی شمس الدین کے نام سے یاد کیا ہے۔
اور راقم حروف اُس کو خواجہ علی اور علی خواجہ سمجھ کر عرض کرتا ہے"۔

صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے:۔

"گرچہ سربداروں کے مورخین نے اُس کو علی شمس الدین کے نام سے یاد
کیا ہے لیکن چونکہ مجمل فصیحی اور دوسری کتابوں میں اُس کا صحیح نام

[illegible] جمہور مورخین کی پیروی نہیں کی"۔

انہیں لوگوں میں دولت شاہ سمرقندی اُس کو خواجہ علی شمس الدین کے لقب سے پکارتا ہے لیکن یہ تحقیق بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اور ہر شخص صاحب حبیب السیر کی طرح اس کو علی خواجہ یا خواجہ علی کہہ سکتا ہے۔ البتہ جو شخص کسی شاعر کے قصائد کو بغور مطالعہ کرنا چاہتا ہے۔ اُس کا فرض ہے کہ اُس کے ممدوحین کو اچھی طرح پہچانے جس شعر کا تعلق بیٹے کے ساتھ ہے اس کو باپ سے متعلق نہ کرے۔ اور اُس کے ممدوحین کے لقب میں اشتباہ سے محترز رہے۔ اُس کا نام علی ہے اور شمس الدین اُس کے باپ کا لقب ہے۔ چنانچہ ابن یمین کے اس شعر میں اسی طرف اشارہ ہے:-

نسبت بہ شمس گر نزی گاہِ انتساب　　　کے شمس را بود بجہانگیری اشتہار

انتساب کے وقت اگر تو سورج کی طرف اپنے آپ کو منسوب نہ کرے۔ تو سورج عالمگیر ہونے کے ساتھ کب مشہور ہو۔

خود خواجہ علی کا لقب تاج الدین ہے۔ اور ابن یمین کے دیوان میں جس قدر قصائد اُس کی مدح میں ہیں کسی دوسرے بادشاہ کی مدح میں نہیں ہیں۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ خواجہ علی نے مذہبی حیثیت سے سلطنت حاصل کی ہے۔ اِس بناء پر اُس نے اپنی دینداری ثابت کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ شریعت کی حفاظت اور شہر کے امن و انتظام کے لئے کوشش بلیغ کی جائے۔ چنانچہ اُس نے پانچ سو رنڈیوں کو کنوئیں میں ڈلوا دیا۔ بہ کثرت جاسوس اور انسپکٹر مقرر کئے۔ کہ تمام جزئی و کلی امور کی نسبت معلومات فراہم کریں۔ شراب اور بھنگ کی سخت ممانعت کر دی۔ یہاں تک کہ جو شخص ان چیزوں کا نام بھی لیتا تھا وہ سزایاب ہوتا تھا۔ خود ابن یمین نے بھی حسب عادت شعراء جب ایک قصیدہ کی تشبیب شراب

[illegible]

عید آمد اے نگار بدہ جامِ خوشگوار — کز جامِ خوشگوار شود کار چون نگار

عید آئی اے معشوق جامِ خوشگوار عنایت کر۔ کہ جامِ خوشگوار سے کام معشوق کی طرح سنور جاتا ہے۔

بگذشت ماہِ روزہ غنیمت شمار عمر — زیرا کہ ہست نوبتِ این نیز رہ گذار

رمضان کا مہینہ گذر گیا۔ عمر کو غنیمت سمجھ۔ کیونکہ یہ بھی ایک چلتی پھرتی چیز ہے۔

نے نے نعوذ باللہ ازین کار فارغم — ساغر بدہ بدستِ من اے ترک میگسار

نہیں نہیں۔ نعوذ باللہ مجھ کو اس سے کیا کام۔ میرے ہاتھ میں اے ترک میگسار پیالہ نہ دے

تشبیب این قصیدہ بر آئین شاعران — کردم بمے وگرنہ گواہست کردگار

اس قصیدہ کی تشبیب میں نے شراب کے ساتھ شعراکے عام طریقہ کے مطابق لکھی ہے۔ ورنہ خدا گواہ ہے

کاین بندہ مدتیست کزین جرم تائب است — از راہ اختیار نہ از راہِ اضطرار

کہ میں نے ایک مدت سے اس سے توبہ کر لی ہے۔ اور یہ بھی مجبوراً نہیں۔ بلکہ اختیاراً

خاصہ کنوں کہ امرِ شہنشاہ عہد شد — یا نہی کردگار درین باب اختیار

بالخصوص ایسے زمانے میں۔ جب کہ بادشاہ کے حکم سے اس کی ممانعت ہو چکی ہے۔

جانِ وجہانِ لطف و کرم تاجِ ملک و دین — آن ہمچو تاج سرورِ شاہانِ روزگار

لطف و کرم کی جان یعنی تاج الدین۔ جو شاہانِ زمانہ کے سر کا تاج ہے۔

ابنِ یمین نے نہ صرف یہ عذر کیا بلکہ دوسرے قصاید میں بھی شاعروں کے متداول طریقہ تشبیب سے گریز کرنے کی کوشش کی۔ اور مے و معشوق کا نام بھی زبان پر لانا پسند نہیں کیا۔ اور بادشاہ کے مذہبی خیالات کی مناسبت سے اپنے قصائد کی ردیف "ملک و دین" قرار دی۔ تاکہ یہ اُس کے لئے تقرب کا ذریعہ ہو سکے:۔

چون شد عنایتِ ازلی یارِ ملک و دین — رونق گرفت بار دگر کارِ ملک و دین

جب خدا کی مہربانی ملک و دین کی مددگار ہوئی۔ تو دوسری بار ملک و دین نے رونق حاصل کی

سلطان ستای چون من سلطان نشان چو تو — نامد پدید د ناید از اقطارِ ملک و دین

طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو اُس کے ہاتھ سے معزول ہوئے۔ اور "یاروگر" کے لفظ سے
اُس کا مقصود یہ ہے کہ مسعود سربدار اور حسن جوری کے بعد تیری باری آئی اور تو نے
ملک و دین کی از سرِ نو تجدید کی +

چونکہ دوسری قسم کی تشبیہیں کفر آمیز تھیں اس لئے وہ اکثر بادِ سحر سے پیغام بری
کا کام لیتا ہے۔ چنانچہ ایک قصیدہ میں جس میں بادشاہ کی شادی کی طرف اشارہ
ہے کہتا ہے:۔

زہے خجستہ شبے کز دمِ نسیمِ سحر　　بفرخی و سعادت بمن رسید خبر

کس قدر مبارک رات تھی جس میں نسیم سحر کے ذریعہ سے مجھ کو فرخی و سعادت کی یہ خبر ملی۔

خجستہ مسندِ بلقیس عہد را افتاد　　بہ تختگاہِ سلیمان روزگار گذر

کہ بلقیس زمانہ کی مبارک مسند کا گذر سلیمان زمانہ کے تخت پر ہوا۔

وہ اپنے قصائد میں خواجہ علی کو تاج الدین کا لقب دیتا ہے۔ لیکن کسی تاریخ
میں اُس کا یہ لقب مذکور نہیں ہے۔ اُس نے اُس کی مدح میں جو قصائد لکھے ہیں۔
اُنہیں میں اس قصیدہ کو بھی محسوب کرنا چاہیئے +

منت ایزد را کہ بختِ نوجوان پیرانہ سر　　رہنمایم گشت سوئے شہریارِ بحر و بر

خدا کا شکر ہے کہ میرے تجربہ کار بختِ جوان نے خشکی و تری کے بادشاہ کی طرف میری رہنمائی کی

دورِ دورِ تست آن کابنِ یمین　　نگذراند عمر خود زین بیش در یک دیگر

اب تیرا زمانہ ہے اس لئے ابن یمین۔ اس سے زیادہ لیت و لعل میں زندگی بسر کرنا نہیں چاہتا

یا ز دیوانِ کرم اطلاق کن روزی من　　یا نشانم دہ جز این گر ہست بوانے دگر

یا درِ فیض سے میرا وظیفہ جاری کر۔ یا اس کے سوا مجھ کو کسی دوسرے دربار کا پتہ دے

خواجہ کی ابتدائی سلطنت میں انسدادِ شراب نوشی کا جو حکم جاری ہوا۔ اس کی

خدا کا شکر ہے کہ بغیر کسی قسم کے انقلاب کے۔ دوسری بار [illegible]

برفگند آئینِ مستی از جہاں عزمش چنانکہ ۔۔۔ بہر ہشیاری خورند اکنوں خردمندان شراب

اُس کے عزم نے مستی کے رواج کا اس طرح سدباب کیا۔ کہ عقلمند لوگ اب ہشیاری کیلئے شراب پیتے ہیں

خواجہ علی کے بادشاہ ہونے کے ساتھ ہی دفعتاً سربداروں کا ضعف مبدل بہ قوت ہوگیا۔ کلو اسفندیار اور شمس الدین کے زمانہ نیابت میں اندرونی انتظامات میں خلل واقع ہوگیا تھا۔ اور بیرونی دشمن ہر سمت سے سربداروں کے ملک کیطرف تاک لگائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ کا قدیم دشمن طغاتیمور لشکر کشی کی فکر میں مصروف تھا اور خاک سبزوار کو اپنا لقمہ تر سمجھتا تھا۔ لیکن خواجہ علی نے تخت نشینی کے ساتھ اندرونی حالت کی پورے طور پر اصلاح کرلی۔ بد اخلاقیوں اور شورشوں کا قلع قمع کردیا جو قلعے سربداروں کے قبضے سے نکل چکے تھے۔ اُن کو تسخیر کرلیا اور تھوڑے سے دنوں میں ملک کو اُسی قدر طاقتور بنادیا جس قدر وہ مسعود کے زمانہ میں تھا۔ اس حالت کو دیکھ کر طغاتیمور خان نے شدت احتیاط سے اپنے عزم کو فسخ کردیا اور بجائے حملہ کے خواجہ کی خدمت میں ایک خلعت روانہ کیا اور یہ معاہدہ کیا کہ امیر وجیہہ الدین مسعود کے زمانے میں جو کچھ فتح ہوچکا ہے وہ سربداروں ہی کے قبضہ میں رہے گا۔ ابن یمین نے اسی معاملے کے متعلق ذیل کا قطعہ لکھا ہے:۔

خلعتِ شاہ جہاں بر شہریار شرق و غرب ۔۔۔ تا قیامت بر مرادِ دوستاں فرخندہ باد

مشرق و مغرب کے بادشاہ کیلئے شاہ جہان کا خلعت۔ دوستوں کی مراد کے موافق قیامت تک مبارک رہے

تاج ملک و دین علی آن سایۂ پروردگار ۔۔۔ کاختر بخشش از اوج شرف تابندہ باد

تاج الدین علی یعنی خدا کا وہ سایہ۔ جس کی قسمت کا ستارہ اوجِ شرف سے چمکتا رہے۔

اُس نے اندرونی انتظامات میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ پانچ سو رنڈیوں کو کنوئیں میں ڈلوادیا اور جو شخص شراب و بھنگ کا نام لیتا تھا اُس کو سزا دیتا تھا اور

ملک معزالدین حسین کرت تسخیر خراسان کے ارادہ سے فرہاد جرد تک اگر خواجہ علی کی نقل و حرکت کی خبر کے سننے کے ساتھ ہی ہرات کو واپس گیا۔ چنانچہ دشمنوں کے اوپر اُس کو جو غلبہ حاصل ہوا۔ ابن یمین اُس کے متعلق لکھتا ہے۔

یارب این خرم نسیم از عالم جان میرسد　　　یا زبستان ارم یا باغ رضوان میرسد

یارب مایہ مسرت خیز نسیم عالم جان سے آتی ہے۔ یا باغ ارم سے یا باغ رضوان سے

یا بشارت میدہد کز قتلگاہ دشمنان　　　برمراد دوستان رایات سلطان میرسد

یا دشمنوں کے قتلگاہ سے۔ دوستوں کی مراد کے موافق شاہی جھنڈے کے آنے کا مژدہ دیتی ہے

تاج ملک و دین علی کانچہ از مطالب آرزد　　　بودش اکنوں با حصول بیشتر زان میرسد

تاج الدین علی کہ اس کے جس قدر مقاصد تھے۔ اب اُس سے زیادہ حاصل ہو رہے ہیں

مشرقی حِصّے کے انتظام کے بعد خواجہ علی سبزوار کے مغربی صوبوں میں گیا۔ کیونکہ مشرقی حِصّے کی اصلاح کے زمانے میں خواجہ کی مصروفیت سے درویش ہندو نے فائدہ اٹھا کر دامغان میں بغاوت کی اور خواجہ نے دامغان پر حملہ کر کے درویش کو گرفتار کیا اور سبزوار میں لا کر "مقتول" کیا۔ گویا یہ ایک ایسا سفر تھا جس میں خواجہ علی فریومد اور ابن یمین کے گھر سے ہو کر گذرا ہے۔ کیونکہ ابنِ یمین کے اِن اشعار سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

دوش بے ہیچ خبر کوکبۂ بادِ سحر　　　بر درِ کلبۂ من کرد بصد لطف گذر

کل اچانک بادِ سحر کا جلوس۔ میرے گھر کے دروازے سے بصد مہربانی گذرا۔

گفت من پیشروم میرسد اکنوں ز عقب　　　رایتی نقش طرازش ہمہ از فتح و ظفر

اور کہا کہ میں مقدمۃ الجیش ہوں اور میرے بعد۔ ایک ایسا نقش آئیگا جس کا بیل بوٹہ تمام تر فتح و ظفر ہوگا

رایت شاہِ جہان و اور دارائے جہان　　　آنکہ شد کشور اعدائش ہمہ زیر و زبر

یعنی بادشاہ کا جھنڈا آئے گا۔ وہ بادشاہ جس کے دشمن کا ملک بالکل زیر و زبر ہوگیا۔

یہ ہے کہ خواجہ نے ہمیشہ اس مداحی کے زمانے میں ہمیشہ اس پر مہربانیاں کی ہیں
اور بظاہر تمام بادشاہوں سے زیادہ اُس کے ساتھ لطف و کرم کیا ہے۔ چنانچہ خود
ابن یمین اس کا اقرار کرتا ہے:۔

مرا تو آنچہ بہ تشریف دادۂ ہمہ عمر — زبہر فخر بر ابنائے روزگار بس است

مجھ کو تو نے تمام عمر جو کچھ اعزاز کے ساتھ دیا ہے۔ وہ اس کے لئے کافی ہے کہ میں اس کے ذریعہ
سے ابنائے روزگار پر فخر کروں۔

ولیک طوطی طبعم کہ طائر ملکوت — بجنب او چو بود ہمائے خرگس است

لیکن میرا طوطی طبع کہ طائر ملکوت بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

از آنکہ بال و پرے نیش مناسب حال — فتادہ اکثر اوقات اندریں قفس است

چونکہ اپنی حالت کے مناسب بال و پر نہیں رکھتا۔ اس لئے اکثر اوقات قفس میں بند رہتا ہے

ببخش بال و پرے از منال ترخانیش — کہ در ہوائے تو پرواز کردنش ہوس است

ترخانی خزانے سے اُس کو بال و پر عطا کر۔ کہ وہ تیرے ہوا میں اُڑنا چاہتا ہے۔

کنونکہ دسترست ہست دستگیریش باش — مدہ ز دست مرا نیوقت را کہ دسترس است

اس وقت جبکہ تجھ کو قدرت حاصل ہے اس کا دستگیر ہو اور قدرت کے اسوقت کو ہاتھ سے نہ دے

معلوم نہیں کہ "منال ترخانی" سے اُس کو کچھ ملا یا نہیں؛ لیکن خواجہ کے فیض
محبت سے غالباً اُس نے فائدہ اُٹھایا ہے۔ چنانچہ وہ وصف باغ۔ وصف اصطخر
اور وصف شادیاخ میں نہایت مبالغہ کے ساتھ کہتا ہے:۔

تا ابد عشرت کنان باد انکاخ شادیاخ — ہمدمش ابن یمین کالحق حریفے ہمدم است

ابن یمین ہمیشہ شادیاخ کے محل میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا رہے کہ وہ بے شبہ
حریف و ہمدم کی حیثیت رکھتا ہے۔

اور عشرت آباد کے وصف میں جو خواجہ کا خود ساختہ تھا لکھا ہے:۔

[illegible] سے بھی زیادہ خوشنما جگہ نظر آئے

فضیلت بر بہشت اور اتمام است اینکہ گہ گاہے	تماشا گاہ عشرت جائے شاہ کامراں بینی

بہشت پر اُس کو یہ فضیلت ہے کہ کبھی کبھی۔ شاہ کامران کی جگہ اُس کو تو تماشا گاہ عشرت دیکھتا ہے۔

اور خواجہ کی تعمیر کردہ جامع مسجد کے وصف میں جس کی تعریف تذکرہ دولت شاہ میں بھی مذکور ہے کہتا ہے :۔

حبذا طاقے کہ جفت این رواق اخضر است	وز بلندی مر زمین را آسمانے دیگر است

کیا خوب طاق ہے کہ آسمان کا جوڑا کہا جا سکتا ہے۔ اور بلندی سے زمین کے لئے گویا دوسرا آسمان ہے

تا موذن بر سر ایوان او باشد بپائے	قامتش ز آسیب چرخ چنبری چون چنبر است

جب تک موذن اُس کے اوپر کھڑا رہتا ہے۔ چرخ چنبری کے صدمے سے اس کا قد کمان کیطرح جھکا رہتا ہے

مسجد جامع ہمی خوانندش اما جنت است	اندر او فوارہ مانند حوض کوثر است

اس کو اگرچہ مسجد جامع کہتے ہیں لیکن وہ جنت ہے۔ اور اُس کے اندر ایک فوارہ مانند حوض کوثر کے ہے

اِس کے بعد خواجہ کی مدح کے اخیر میں کہتا ہے :۔

صاحبا ابن یمین از یمن مدحت مدتے است	با تشعر و نثر با شعری و نثرہ ہمسر است

اے آقا ابن یمین تیری مدح کی برکت سے۔ اپنے شعر و نثر کی بدولت شعری و نثرہ کے ساتھ ہمسری رکھتا ہے

بہر حال وہ خواجہ کا مونس، ہمدم اور مداح تھا اور وہ اکثر اُس کو گھر سے اپنے دربار میں بلواتا تھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے :۔

میموں بود چہ طلعت فرخ لقائے تو	دیدن علی الصباح رخ دلکشائے تو

کس قدر تیری مبارک صورت بابرکت ہے۔ صبح کے وقت تیرے رخ دلکش کا دیکھنا کس قدر سعادتمندی ہے

من خود کیم چہ مرتبہ دارد کہ از کرم	کردہ است التفات بمن بندہ رائے تو

میری کیا حقیقت ہے، از روئے لطف و کرم۔ خود تو نے میری طرف توجہ کی ہے۔

وہ اِن حالات میں بادشاہ کے دربار میں جو چیز بطور نذر کے پیش کرتا تھا وہ اِس قسم کا قصیدہ تھا۔

شہنشہ زمین و زمان تاج ملک و دین　　　کافراز دست سورو ثابت از و کلاہ

زمین و زمان کا شاہنشاہ تاج الدین۔ کہ تاج شاہی کی عزت اور اُس کی بقا اسی کی ذات سے ہے

دریائے خاطرم گہر افشان و من زفقر　　　در آب چشم خویش چو کشتی کنم شناہ

میری طبیعت کا دریا موتی برسا رہا ہے اور میں احتیاج سے اپنے آنسوؤں میں کشتی کی طرح تیرتا پھر رہا ہوں

اور جب وہ دربار میں حاضر ہوتا تھا تو قصیدہ یا تو خود پڑھتا تھا:۔

او ز بار ابن یمین چوں عرضہ از مدح تو　　　عقل گوید کانوری مداح سلطان سنجر است

دربار میں جب ابن یمین تیری مدح کرتا ہے۔ تو عقل کہتی ہے کہ انوری سلطان سنجر کی مدح کر رہا ہے

یا راوی اس کے قصیدہ کو پڑھکر سناتا تھا:۔

گہے کہ راوی اشعار من مدیح تو خواند

ان تمام قصائد میں جن سے اُس کے دربار میں بلانے کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ذیل کا قصیدہ نہایت واضح اور مفصل ہے:۔

باز دین و ملک را بر زعم چرخ چنبری　　　کار ہا خواہد نہادن روے در نیک اختری

اس میں اُس نے یہ بیان کیا ہے کہ بادشاہ نے مجھ کو دربار میں یاد فرمایا۔ اور جب میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ بادشاہ کے گرد ایک لشکر جو کثرت تعداد میں مور و ملخ کے برابر تھا جمع ہے۔

لشکرے زینسان بسوے دامغان میبرد شاہ　　　تا سر اعدا کشد در ربقۂ فرمانبری

اور اُس لشکر کو بادشاہ دامغان کی طرف اس غرض سے لے جاتا ہے کہ دشمنوں کو اپنا فرمانبردار بنائے

ایسی حالت میں

ناگہ آمد افسر آفاق شہر ملک و دین　　　آنکہ معجز میکند ظاہر بکام شاعری

ناگاہ وہ مشہور شخص آیا جس سے شاعری کے حق میں معجزہ صادر ہوتا ہے۔

و آنکہ گر سحر حلال شعر او دیدے بخواب　　　ز آتش غم سوختی پیش از قیامت سامری

وہ امیر نامور و ملاجی کا همدم تھا۔ اور اس کے مقابل میں ہم رستم کو دلیر نہیں کہہ سکتے۔

یہ شاعر اور امیر نامور ملک و دین کے دربار سے

خسرو عادل ستلمش بیگ دریا دل کہ ہست — همتش بر زار آن کاندر تصور آوری

آئے اور شوق و محبت کے ساتھ جو کچھ کہنا تھا کہا اور بادشاہ نے ان باتوں کو سنکر بہت کچھ لطف محبت کا اظہار کیا اور اگرچہ

عزم اوّل فسخ کرد از شوق نوئین جہان — خود چنیں باشد رہ و رسم شہان گوہری

اول الذکر کے عزم کو دنیا کے سردار نے فسخ کر دیا۔ اور بادشاہانِ حقیقی کا طریقہ بھی یہی ہے۔

تاہم باہم اتفاق و اتحاد ہو گیا۔ اور امور سلطنت میں باہم قول و قرار ہوا اور دوستوں کو خوش اور دشمنوں کو مبتلائے نوحہ و ماتم کیا۔

ہر کجا گردند باہم متفق این ہر دو شاہ — بگسلند از ہم نطاق گنبد نیلوفری

یہ دونوں بادشاہ جہاں متفق ہو جائیں۔ آسمان کے پٹکوں کا شیرازہ درہم برہم کر دیں

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ دامغان کی طرف اس فوج کشی کا سبب کیا تھا؟ یہ یقینی ہے کہ اس کا سبب درویش ہندو کی بغاوت نہیں تھا۔ کیونکہ اس کا نتیجہ جنگ کی صورت میں ظاہر نہیں ہوا۔ اور درویش ہندو کی بغاوت کا خاتمہ جنگ پر ہوا۔ بہرحال اس زمانے میں بغیر جنگ کے اس کثرت سے فوج کشی ہوئی ہے۔ کہ تاریخ سے اُن کے اسباب و علل کی تعیین ناممکن ہے۔ البتہ ہم کو صرف یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ ستلمش بیگ کیوں فوج کشی سے بیزار ہوا۔ اور اپنے دربار کے دو معزز ممبروں کو کیوں سفارش کے لئے روانہ کیا؟ اور بادشاہ کو سفر سے کیوں روک لیا؟

امیر ستلمش بیگ امیر عبداللہ بن مولائی قہستانی کا جانشین تھا اور ابن یمین نے اُس کی اور اُس کے باپ کی مدح میں بہ کثرت قصیدے کہے ہیں۔ یہ خاندان

امیر عبداللہ طغائے تیمور کے ساتھ عراق میں گیا اور امیر مسعود سربدار کے ساتھ شیخ علی کاون کی جو مشہور لڑائی ہوئی اس میں شکست کھا کر قہستان کو واپس گیا اور وہاں جا کر چند روز کے بعد مر گیا۔ اُس کے بعد اُس کا بڑا لڑکا امیر محمد شیخ حسن جوری کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کا مرید ہو گیا اور اس لحاظ سے امیر عبداللہ نے ۷۴۳ھ میں وفات کی اور اُس کے بعد اُس کا دوسرا لڑکا ستلمش بادشاہ ہوا۔

چونکہ خواجہ علی شمس الدین نے اسقدر اقتدار حاصل کر لیا تھا کہ تمام امرائے خراسان اُس سے خائف رہتے تھے۔ اور امیر ستلمش جو شاہِ ہرات کے ساتھ مصروفِ جنگ تھا اُس کی اعانت کا محتاج تھا۔ اس لئے اگر اُس نے اس مصرعہ کے مطابق

نباشد دشمن دشمن مگر دوست

اپنے مشترک دشمن یعنی ملک معزالدین کرت کے مقابل میں سربداروں کی حکومت سے درخواستِ اعانت کی تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ البتہ یہ دیکھنا چاہئے کہ خواجہ علی نے ستلمش کی ہم عہدی کے شوق سے کیوں دامغان کی چڑھائی کو نظر انداز کر دیا؟ دامغان کے ساتھ ستلمش کا کون ایسا تعلق تھا جس کے ذریعہ سے وہ فتح سختی کے ساتھ وہاں سربداروں کے حملے کو روک سکتا تھا؟ کیا وہ سردارانِ دامغان کے ساتھ کوئی خاندانی اور نسلی تعلق رکھتا تھا؟ کیا اُس نے اُن کے ساتھ کوئی معاہدہ کیا تھا؟ کیا اس موقعہ پر ملک معزالدین فرہاد جرد کی طرف سے پشت پر بیٹھا ہوا قہستان پر حملہ کرنے کی گھات میں تھا۔ اسی حالت میں اگر خواجہ علی دامغان کی طرف جاتا تو اس سے بہت دُور ہو جاتا اور اس کی اعانت سے بالکل معذور ہو جاتا لیکن یہ ظنی اور فرضی باتیں ہیں۔ جن میں ایک بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح امیر ستلمش بیگ نے خواجہ علی کی خدمت میں جن لوگوں کو معاہدہ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ اُن کے نام بھی بالکل نامعلوم ہیں۔ پہلا شخص جس کا

نام معلوم ہوتا ہے وہ واقفی آقا قریش ... شاعر معلوم ہوتا ہے لیکن

دستیاب نہ ہو جائے یہ شخص گمنام رہے گا۔ کیونکہ "شہر ملک و دین" کا لقب کوئی معمولی لقب نہیں ہے۔ دوسرا شخص "ملانجی" ہے لیکن اُس کے حالات میں اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں ہے کہ وہ سنتلمش کا معتمد علیہ۔ بہادر اور ایک مشہور شخص تھا۔ البتہ اُس کا صحیح سبب تقریباً معلوم ہے کہ شاعر کو کیوں پیغامبر بنایا گیا کیوں کہ ملانجی جو ایک سپاہی منش شخص تھا۔ وہ پیغامبری کے فرائض کے ادا کرنے کے لئے نرم و چرب زبان کا محتاج تھا لیکن اِس قسم کی نرم زبانی ملانجی کے فرائض سے باہر تھی۔ اور یہ ممکن تھا کہ اُس کی سخت کلامی معاملہ کو سخت تر اور معاہدہ کے شیرازہ کو بالکل درہم برہم کر دیتی۔ یہ احتیاط بھی نہایت پسندیدہ تھی۔ کہ خواجہ علی نے پیش بینی کر کے اس شاعر پیغام رسان کی چرب زبانی کے مقابلے کے لئے ابن یمین کو دربار میں پہلے ہی سے بلا لیا تھا۔ دربار کو خوب سجایا تھا اور لشکر کو جائزہ لینے کے لئے طلب کیا تھا تاکہ فوج اور دربار کی عظمت و شان کو دیکھ کر قاصدوں کی آنکھیں خیرہ اور ابن یمین کی فصاحت سے اُن کی زبانیں گنگ ہو جائیں۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ وہ بحیثیت اپنے شاعر کے بھی سنتلمش بیگ پر فضیلت رکھتا ہے۔ بہر حال اس معاہدہ میں ابن یمین کے شرکت کی اصلی وجہ تو یہی معلوم ہوتی ہے اِس کے علاوہ سنتلمش بیگ کے خاندان بلکہ خود اُس کے ساتھ ذاتی طور پر اُس کے دوستانہ تعلقات تھے بلکہ شاعر شہر ملک و دین اور امیرہ ملانجی سے بھی وہ بالکل بیگانہ اور نا آشنا نہ تھا۔ اور اس لحاظ سے وہ ان سب کا بہترین میزبان اور ہم صحبت ہو سکتا تھا۔

ابن یمین کو اِس قسم کی شاہانہ خدمت گذاری کے بہت سے مواقع حاصل ہوئے ہیں۔ اور اُس نے اِن مواقع پر اپنی طبیعت کا کافی امتحان و تجربہ کیا ہے۔ خود بادشاہ نے بھی کبھی کبھی بعض قصائد کے ذریعہ سے اس کا امتحان لیا ہے

کی - چنانچہ وہ خود کہتا ہے :-

بندہ بفرمانِ تو گفت مدیح چنانکہ　　منشی گردوں ازآن فائدہ بے مر گرفت

میں نے آپ کے حکم سے ایسی مدح لکھی - کہ منشی گردوں نے بھی اُس سے فائدہ اُٹھایا

لیک تو دانی نکو حالِ سخن گوید بگو　　تا کہ ردیفِ سخن کرد نکو تر "گرفت"

لیکن تو خود سخن فہم ہے - بتا - کہ کس نے "گرفت" کی ردیف کو بہتر طریقہ سے نباہا

لیکن باایںہمہ اِن باتوں سے اُس کے دل کا پورا حوصلہ نہیں نکلتا تھا اور ہمیشہ قصائد میں اپنی طرف بادشاہ کی توجہ مبذول کراتا رہتا تھا - اور اپنی ترقی کے متعلق اپنے قصائد میں اشعار لکھتا رہتا تھا مثلاً

مرا باچنیں طبع چوں آب و آتش　　کزو در شگفتند عالی و دانی

باوجود ایسی تند - تیز اور روان طبیعت کے - جس سے ادنیٰ و اعلےٰ سب محظوظ ہوتے

چرا از جہان ہیچ بہرہ نباشد　　نہ جاہے، نہ مالے، نہ آبے، نہ نانے

مجھ کو دنیوی چیزوں میں سے کیوں حصّہ نہیں ملتا؟ نہ میرے پاس جاہ ہے نہ مال نہ پانی نہ روٹی

ایک دوسرے قصیدہ میں بھی جو خواجہ علی کی مدح میں لکھا ہے :-

گر تو اندیشۂ کارش نکنی پس کہ کند　　گو درایں عہد شہے کو چو تو عالی ہمت است

اگر تو اسکی (ابن یمین کی) فکر نہ کریگا تو دوسرا کون کریگا؟ اس زمانہ میں تجھ سا بادشاہ اور تجھ سا بلند ہمت کہاں

ایک اور قصیدے میں کہتا ہے :-

با چوں تو ممدوح و مداحے چو من انصاف دہ　　شاخ اُمیدم رُوا باشد کز اینسان بے بر است

تجھ سے ممدوح کے مجھ جیسے مداح کیلئے تو ہی انصاف کر کہ اس قدر محرومی جائز ہے

لیکن باوجود اس حریصانہ تحریک و سلسلہ جنبانی کے بادشاہ پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑا - کیونکہ خواجہ علی شمس الدین اگرچہ اس مختصر سلسلۂ حکومت کا بہت بڑا بادشاہ تھا - تاہم خست اور جمع مال و دولت کے ساتھ اُس کو سخت شغف و انہماک تھا

[illegible] کے مرنے کے بعد دوسرے
ملازمین کی شکایت میں بطور مثل کے کہتا ہے۔

چہ کردہ بود زخست علی شمس الدین ۔۔۔ بجز نزاع کہ با اہل فضل در نان کرد

بخل اور خست سے علی شمس الدین نے اس کے سوا اور کیا کیا تھا۔ کہ اہل فضل کیساتھ روٹی کے بارے میں جھگڑتا تھا۔

ہمان مضائقہ در نان کہ با من او کردے ۔۔۔ پریر نائب دیوان بعینہ آں کرد

روٹی کے بارے میں میرے ساتھ جو تنگی وہ کرتا تھا۔ پارسال اس کے نائب دیوان نے بھی وہی کیا

اگر تو ابن یمیں را وظیفہ مے ندہی ۔۔۔ ضرورتش سفرے باید از خراساں کرد

اگر تو ابن یمین کو وظیفہ نہ دے گا۔ تو وہ خراسان سے سفر کرنے پر مجبور ہو گا

اس قطعہ میں اس نے ان فرمانرواؤں کو جو خواجہ علی کے بعد صاحب تاج و تخت ہوئے۔ یہ دھمکی دی ہے کہ بخل کا انجام اچھا نہیں ہوتا اور خواجہ علی کا جو حال ہوا وہی اس معاملے میں اس کے پس رو کا بھی ہو سکتا ہے۔ اسی مضمون کا اس نے ایک قطعہ اور بھی لکھا۔ جس میں خواجہ علی کے بخل و غرور کا تذکرہ کر کے بادشاہ وقت کو اس کے انجام سے ڈرایا ہے۔ لیکن اس مرتبہ اس نے گردش روزگار کا ذکر اس مبالغہ کے ساتھ کیا ہے کہ خواجہ علی کے گذرے ہوئے زمانے کو دوبارہ واپس بلانا چاہتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے

پیشتر زین علی شمس الدین ۔۔۔ کہ سر از کبر بر فلک بودے

اس سے پہلے علی شمس الدین۔ جس کا سر غرور سے آسمان کے اوپر تھا

گرچہ در جمع مال و در ضبطش ۔۔۔ ید بیضا و سحر نیمو دے

اگرچہ مال و دولت کے جمع کرنے میں معجزانہ و ساحرانہ کام کرتا تھا۔

لیکن از شاعراں خوش گفتار ۔۔۔ گر کس اورا بشعر بستودے

لیکن اگر کوئی شاعر۔ اس کی مدح کرتا تھا۔

ہم در او غیرتے شدہ پیدا ۔۔۔ ہم عطائے بقدر فرمودے

ایندم از رستۂ اکابر عہد غیر سودا نمیرسد سودے

لیکن اس زمانے کے امراء سے۔ بجز جنوں کے اور کوئی فائدہ نہیں پہونچتا

صد از آں را بآتش ار فگنی بر نیاید نہ ہیچ یک دودے

اگر ان میں سے سینکڑوں کو آگ میں ڈال دو۔ تو کسی سے بھی دھواں نہ اُٹھے گا۔

کاش بارے چو ایں چنیں مے بود گر بدار نیک ہم ہماں بودے

کاش ایک بار ایسا ہی اور ہو جاتا۔ وہ برا تھا یا بھلا لیکن وہی ہوتا۔

لیکن یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ دوبارہ خواجہ علی کی زندگی کی توقع اس لئے کرتا ہے کہ دوسرے امراء کو شعراء کی قدردانی کا شوق پیدا ہو۔ ورنہ وہ درحقیقت خواجہ علی سے بہت خوش نہ تھا۔ اور اتنے بڑے رئیس میں وہ بخل جیسے عیب کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اور اسی بخل۔ حرص اور طمع جمع مال و دولت سے اس کو نہایت برُے دن دیکھنے پڑے۔

خواجہ علی کی سخت گیری اس درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ خزانہ کا ایک دینار بھی کسی کے ذمہ باقی رکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ بلکہ ہر شخص کو خود طلب کرتا تھا۔ اور بدزبانی کے ساتھ پیش آتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگ اس سے تنگ آگئے۔ اس کا ایک ملازم حیدر قصاب نامی تھا۔ جو اس کے ساتھ تعلقات بھی رکھتا تھا۔ لیکن جب حساب کرنے کے بعد اس کے ذمہ ایک رقم نکلی۔ تو اس کی تمام جائداد ضبط کر لی۔ اس کے بعد کچھ اور رقم رہ گئی۔ تو اس پر ایک سخت گماشتہ مقرر کیا۔ حیدر نے اگرچہ مہلت طلب کی اور عجز و الحاح بھی کیا۔ لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ حیدر نے بھی مجبور ہو کر جیسا کہ تاریخوں میں مذکور ہے شام کی نماز میں خواجہ علی پر حملہ کیا۔ اور جب لوگوں نے اس کو گرفتار کرنا چاہا۔ تو خواجہ یحییٰ کرابی نے اس کی طرفداری کی۔ سنہ ۷۵۳ھ میں یہ واقعہ پیش آیا۔ روضۃ الصفا میں ایک شعر بھی مذکور ہے۔ جس کو کسی نے حیدر قصاب کی مدح میں کہا ہے۔

اے در نبرد حیدر کرار روزگار وے کردہ راست خنجر تو کار روزگار

ابن یمین نے اس کے وفات کی جو تاریخ کہی ہے۔ اس میں اور روضۃ الصفا اور تمام دوسرے مورخین کی تصریحات میں چند مہینوں کا فرق ہے۔ کیونکہ ان تمام مورخین کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ علی ۷۵۳ھ میں مقتول ہوا ہے۔ ابن یمین کے مادہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ۷۵۲ھ کا واقعہ ہے۔

چوں ہفتصد و پنجہ و دو رفت ز سال　　بیش از دو نماندہ بود ماہِ شوال

جب ۷۵۲ھ آیا۔ اور ماہ شوال کے آنے میں دو ماہ سے زائد کا وقفہ نہ تھا۔

خورشید لقا علی شمس الدین را　　از خنجر حیدر اندر آمد بزوال

تو خورشید لقا خواجہ شمس الدین کو۔ حیدر کی تلوار سے زوال آیا

صاحب مطلع السعدین نے بھی اس کے قتل کے واقعہ کو صفر ۷۵۲ھ میں لکھا ہے۔ مورخین نے اس کی مدت حکومت چار سال نو ماہ بتائی ہے اور اس لحاظ سے اس کا سال جلوس محرم ۷۴۸ھ اور سال وفات ۲۸ شوال ۷۵۲ھ قرار پاتا ہے۔

اُس کے زمانہ حکومت میں سربداروں کی سلطنت طاقتور ہو گئی۔ صوبے آباد ہونے لگے اور دشمن ضعیف اور عاجز ہو گئے۔ لیکن اس کے سخت طریقہ سیاست نے لوگوں کو ناراض کر دیا تھا۔ بالخصوص شعراء رو رہا جو ہمیشہ انعام کے خواستگار رہتے ہیں۔ اس قدر برہم ہو گئے تھے۔ کہ جب وہ مقتول ہوا تو یہ سب نہایت خوش ہوئے۔ اور خواجہ یحیٰ کراپی کو جو اس کے قتل کا محرک اور حیدر کا پشت پناہ تھا۔ بادشاہ بنایا اور قاتل کو کوئی سزا نہ دی۔ یہاں تک کہ اس کا اعزاز اور بھی بڑھایا اور اس کو سپہ سالار مقرر کیا۔ خود ابن یمین نے ذیل کا قصیدہ حیدر کی مدح اور اس کی حملہ آوری کی مبارکباد میں لکھا ہے۔

آفریں باد آفریں اے حیدر خنجر گذار　　کآمد از تیغ تو آب ملک یارے کار

اے تلوار چلانیوالے حیدر تجھ پر آفریں ہو کہ تیری تلوار سے ملک کا کام رونق پکڑ گیا۔

میں الجھا دیا۔

دشمنت چو حرص وسے از سے انشت غالب ہمچو مور   پائمال و ہر گشت از بہر گنجی سر چو مار

تیرا دشمن چونکہ چیونٹی کی طرح بڑا حریص تھا۔ اس لئے خزانے کے لیئے اسکا سر سانپ کیطرح کچل دیا گیا۔

باد تر این دولت مخلد خود بود کاین پرتوے است   زآفتاب ملک و ملت سایہ پروردگار

یہ حکومت تیرے لئے ہمیشہ ہو اور ہوہی گی کیونکہ۔ وہ آفتاب ملک و ملت کا پرتو اور خدا کا سایہ ہے

صاحب عادل نظام الدین کہ گیر د عاریت   رائے او را شاہ انجم بھر صیت و اشتہار

صاحب عادل نظام الدین کہ۔ سورج اس کی رائے کو شہرت کے لیئے مستعار لیتا ہے

شہر یار ملک و دین یحیی کہ دین و ملک را   تا بقا یا شد نہ باشد و غیر او کس شہریار

بادشاہ ملک و دین یحیی کہ جب تک دنیا کا وجود قائم ہے اس کے سوا دین و ملک کا کوئی بادشاہ نہ ہو

نظام الدین یحییٰ ہیں حیدر وہی خواجہ یحییٰ کراٹی ہے۔ جس نے حیدر کو اس خدمت کے صلے میں جو اس نے خواجہ علی کو قتل کر کے انجام دے کر اپنا سپہ سالار بنایا۔ اور بقول دوست شاہ

"یہ ایک بڑا رئیس زادہ تھا جس نے طوس کو جانی قربانی اور امیر علی رمضانی کے کے قبضہ سے نکالا۔ اور جانی قربانی کی فوج نے طوس میں جو ابتری پھیلادی تھی اس کی تلافی کی اور طوس کی نہروں کو جاری کیا" (صفحہ ۲۸۳)

نیز وہ اسی صفحہ میں لکھتا ہے!

"اس کے زمانے میں غازان خان کی فوج جو سمرقند کا بادشاہ تھا حدود بیہق تک پہنچ گئی۔ امیر یحییٰ نے آگے بڑھ کر جنگ کرنی چاہی۔ لیکن وہ فوج اس سے در گزر مائل بصلح ہو گئی"۔

وہ علماء اور درویشان شیخ حسن جوری کا لحاظ کرتا تھا۔ بعض مورخین اس کو مجنوں بھی خیال کرتے ہیں۔

چھٹی فصل

انجامِ زندگی

خراسان میں کوئی طاقت سربداروں کے مقابلے میں سر اٹھانے کے قابل نہ تھی۔ طغا تیمور خاں صرف "خاں" کے لقب پر قانع ہو گیا تھا۔ اور استرآباد اور مازندران کے ایک حصے پر حکومت کرتا تھا۔ علی کاؤن کے قتل کے بعد حزم و احتیاط کے دامن میں پناہ لے لی تھی۔ اور خوف زدہ نگاہوں کے ساتھ دور ہی دور سے سربداروں کی حکومت کے انقلابات کو دیکھ رہا تھا۔ اور حملہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ خواجہ علی شمس الدین کے جلوس سے پہلے چونکہ سربداروں کی حکومت میں ضعف و اضمحلال کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے وہ سبزوار کی تسخیر کی فکر میں تھا اور اس غرض سے ایک فوج بھی تیار کر لی تھی لیکن علی شمس الدین کے جلوس کی خبر کے سنتے ہی اس نے اپنے اس ارادہ کو فسخ کر دیا۔ اس کی خدمت میں خلعت روانہ کیا اور ظاہری ادب و احترام پر راضی ہو گیا۔ سربدار بھی ہر سال ایک بار اس کی زیارت اور رسمی طور پر اظہار اطاعت کرتے تھے۔ لیکن ۷۵۳ھ میں جب خواجہ یحیٰی کرابی بادشاہ ہوا تو اس نے اس ظاہری اطاعت سے بھی آزادی حاصل کرنی چاہی اور اس کے دربار کی حاضری کو حیلہ حوالہ سے ٹالنا چاہا۔ لیکن طغا تیمور خاں ترغیب و تہدید دونوں طریقوں سے اس کو اپنے دربار میں بلاتا تھا۔ ایک بار دونوں کے درمیان مشاعرہ و رجز خوانی بھی ہوئے۔ اور ہر ایک نے جیسا کہ مطلع السعدین میں مذکور ہے۔ دوسرے سے بے نیازی ظاہر کی۔ لیکن اخیر میں طغا تیمور خاں کے اصرار و تہدید سے مجبور ہو کر خواجہ یحیٰی نے رسمی اطاعت کا اظہار کیا۔ اور رسم بندگی و کورنش کے بجالانے کے لئے دربار استرآباد میں جانے کے لیے

میں اس سے نہایت مفید نتائج کے نکلنے کی توقع تھی۔ ان سب میں ابن یمین جو
اس قسم کے مواقع کی تاک میں لگا رہتا تھا اور بھی زیادہ توقعات رکھتا تھا۔ وہ اس
موقع پر اپنے قدیم ممدوح طغا تیمور خاں کے ساتھ نئے سرے سے تجدید عہد کرنا چاہتا تھا۔
اور اس کو یقین تھا۔ کہ یحیی کی اطاعت کی مسرت سے وہ خزانے کا دروازہ کھول دیگا
اور یحیے اور اس کے متوسلین کو خلعت و نعمت عطا کریگا۔ بالخصوص اپنے قدیم شاعر اور
خواجہ یحیے کے مصاحب کو محروم نہ کریگا۔ اس لئے اس نے یحیے کے ساتھ گرگان تک جانے
کے ذرائع مہیا کئے۔ اور ذیل کے قصیدہ کو پیش کیا۔

یارب چہ موجب است کہ دستور شہ نشان	والانظام دولت و دین آصف زمان

یارب یہ کیا بات ہے؟ کہ وزیر شہ نشان۔ والانظام دولت و دین اور آصف زمان

روزے نپرسد از سر اشفاق و مرحمت	مولائے خویش ابن یمین را کہ اے فلاں

کسی دن از راہ لطف و کرم۔ اپنے غلام ابن یمین سے یہ نہیں پوچھتا کہ اے فلاں

چونی؟ و در چہ کار؟ و درین موسم از چہ خاست؟	عزم توزین جناب بجناب خدا یگاں

تو کیونکر ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اور اس موسم میں کیوں؟ جہانگیر بادشاہ کے دربار کا ارادہ کیا ہے۔
چند اشعار کے بعد جن میں خواجہ یحیے اور طغا تیمور خاں کے اتحاد کیطرف اشارہ ہے
کہتا ہے۔

برلائے شاہ گر نکنی حال بندہ عرض	زود اکہ بر فلک رسدم نالہ و فغان

اگر تو بادشاہ کے سامنے میرا حال نہ کہیگا۔ تو عنقریب میری فریاد آسمان پر پہنچے گی
خواجہ یحیے کو یہ عرض حال پسند آئی اور جیسا کہ ذیل کے قصیدے سے معلوم ہوگا
وہ ابن یمین کو طغا تیمور خاں کے دربار میں اپنے ساتھ لے گیا۔

ہر چند مدتے شدم از رہ اضطرار	دور از جناب حضرت ہیموں شہریار

اگرچہ مجبوراً مجھے ایک زمانے تک۔ بادشاہ کے مبارک آستانہ سے دور رہنا پڑا

اکنون امید هست که باره دگر کنم   در دیده خاک درگه عالیش سرمه وار

لیکن اب امید پڑتی ہے کہ دوسری بار سرمہ کی طرح اوس کے درگاہ عالی کی خاک کو آنکھوں میں لگاؤں

من بندہ را امید بدینگونہ دولتے   دانی کہ از کجاست پس از فضل کردگار

مجھ کو خدا کے فضل کے بعد اس سلطنت سے تم جانتے ہو کہ امید کیوں ہے؟

زانجا کہ رائے سرور گردن کشان عہد   کرد التفات سوئے من زار و لفگار

اس لئے کہ اس زمانے کے سلاطین و امراء کے سردار نے مجھ ضعیف و خستہ کیطرف توجہ مبذول فرمائی ہے

آں سرورے کہ مملکت شاہ را بدو   لا بل کہ جملہ ملک جہانراست افتخار

وہ سردار کہ تجھ بادشاہ کی سلطنت کو نہ صرف تیری سلطنت کو بلکہ کل دنیا کو اس پر فخر و ناز ہے

والا نظام دولت و دیں آنکہ در جہاں   تا گرد ایں مدار بود افلاک را مدار

والا نظام دولت دین وہ کہ دنیا میں آسمانوں کا مرکز وہی ہے۔

ممکن نہ باشد آنکہ چو او ہیچ صفدرے   پیش سپاہ شاہ کند رایت آشکار

یہ نہیں ہو سکتا کہ اوس جیسا کوئی بہادر بادشاہ کی سپاہ کے آگے جھنڈا بلند کرے۔

من بندہ را بدرگہ عالی خویش خواند   بالطف بے نہایت و با بر بے شمار

اس نے مجھ کو اپنے دربار میں نہایت ہی لطف و کرم سے طلب کیا۔

تا در رکاب موکب کشور کشائے او   بوسم جناب حضرت سلطان کامگار

تاکہ اس کے خدم و حشم کے ساتھ حضور کی آستان بوسی کروں۔

اے شاہ کامیاب توئی آنکہ یافتی   ہر آرزو کہ خواست دست ز آفریدگار

اے بادشاہ تو کامیاب ہے کیونکہ تو نے خدا سے جو آرزو کی وہ پوری ہوئی۔

دنیک سعادتے کہ ندارد ثبات ہیٹے   کامروز بندگی ترا کرد اختیار

اور اب ایک ایسی سعادت نے تیری ملازمت کی ہے جو لا زوال ہے۔

زیں مخلصے بدست نیاید بقرنہا   کو ملک را بہ تیغ کند کار چو نگار

اور اب ابن یمین پر نگاہ کر کہ اس کا کھوٹا سکہ تیرے کیمیا سے کندن بن جائے۔

ابن یمین راستہ میں بھی بیکار نہیں رہا۔ بلکہ طغا تیمور خاں کی مدح میں قصیدے لکھے

اے خسروے کہ بر درت از سروران عہد صف‌ها بود کشیدہ زہر سو بروز بار

اے بادشاہ تیرے دروازے پر دربار کے دن ہر طرف صف بصف سرداران زمانہ کھڑے ہوئے تھے

از انجملہ سرداران سرگردنکشان ملک چون گرد شاہ بندہ نوازش بزرگوار

ان تمام سرداروں میں سے شاہ بندہ نواز نے جسکو بڑا بنایا۔

بربایداز جلالت وزینت بفر شاہ ازفرق آفتاب فلک تاج زرنگاہ

وہ بادشاہ کے دبدبہ سے عظمت حاصل کر کے سورج کے سر سے تاج زرنگار اڑا لے جاتا ہے۔

والانظام دولت و ملت کہ در جہان دارد چو آفتاب جہانگیر اشتہار

والانظام دولت و ملت، جو دنیا میں۔ سورج کی طرح شہرت رکھتا ہے۔

فرخندہ طالعے کہ شہنشاہ عہد راست کورا چنین خجستہ مطیعے است دوستدار

بادشاہ کی تقدیر کس قدر اچھی ہے کہ ایسا فرمانبردار شخص اس کا دوست ہے

اورا نواز و تربیت از وے مدار باز تا مملکت بہ ملک در افزایدت ہزار

اسکو سرفراز کر اور پرورش میں اس سے دریغ نہ کر تا کہ تیری حدود سلطنت میں اور ہزاروں ملکوں کا اضافہ ہو

اس کو خواجہ یحیے جیسے دوست اور فرمانبردار وزیر کے گننے پر مبارکباد دیتا ہے

فرخندہ باد مقدم دستور کامیاب بر روزگار دولت شاہ فلک جناب

کامیاب وزیر کا آنا۔ شاہ فلک جناب کی سلطنت کے لئے مبارک ہو

چونکہ ابن یمین بارہ سال سے طغا تیمور خاں کے دربار سے الگ ہو کر سبزوار اور ہرات میں پڑا ہوا تھا۔ اس لئے اس علیحدگی کے متعلق بھی اس نے اشعار لکھے۔ لیکن ان دونوں بادشاہوں کے اتحاد سے اس نے امید قائم کرنے میں کسی قدر عجلت سے کام لیا اور اپنے قصائد میں اس نے جو وعدے کئے تھے۔ کہ تیجے بہت بڑا خدمتگذار ہے وہ نہایت عاجلانہ اور سرسری تھے۔ کیونکہ ایک جشن کے موقعہ پر جس میں ابن یمین

کو صلہ وجائزہ کی توقع تھی اور وہ اس موقع پر قصیدہ پیش کرنا چاہتا تھا۔ ایک ایسا واقعہ
رونما ہوا جس نے معاملہ کی صورت بالکل بدل دی۔ چنانچہ دولت شاہ سمرقندی رکن الدین
صائن کے حالات میں ضمنی طور پر لکھتا ہے

طغا تیمور خاں موسم بہار میں رادکان کے میدان و سبزہ زار میں قیام کرتا تھا۔
موسم سرما دریائے جرجان و سلطان دوین استرآباد میں گذارتا تھا۔ مشہد مقدس میں عمدہ
عمارتیں بنوا کر کھیتوں کی پرورش کرتا تھا اور سربداروں کے فتنہ کا دبانا اس کے امکان
میں نہ تھا۔ چنانچہ سربداروں کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ہر سال سربداروں کے معاہدہ کی
تجدید و حاضری دربار کے لئے بیہق سے خان کے یہاں جاتا تھا اور جب خواجہ یحییٰ کرابی
بادشاہ ہوا تو اس نے مجلس استقبال میں حافظ شغانی سے کہا کہ "آج ان مغلوں کو
قتل کیا جاسکتا ہے"۔ حافظ یہ سنکر خاں کیطرف روانہ ہوا اور موزہ سے چھری نکال کر
خاں کو زخمی کیا اور خواجہ یحییے نے بھی خاں کے سر پر زخم لگائے اور اس کے نوکروں
نے حملہ کیا۔ طغا تیمور خاں کی تاریخ قتل یہ ہے۔

تاریخ قتل شہ عالم طغا تیمور — از ہجر بود ہفتصد و پنجاہ و چار سال

بادشاہ عالم طغا تیمور خاں کی تاریخ قتل ۷۵۴ھ

در روز شنبه از مه ذیقعده شانزده — کایں حکم گشت واقع از حکم ذوالجلال

روز شنبہ ۱۷ ماہ ذیقعدہ ہے

چونکہ یہ واقعہ عین جشن کے موقعہ پر پیش آیا تھا۔ اور صاحب روضۃ الصفا نے تصریح
کی ہے کہ عین جلسہ اکل و شرب میں طغا تیمور خاں پر حملہ کیا گیا تھا۔ اس لئے قیاس بھی
ہے۔ کہ اس موقع پر ابن یمین بھی موجود رہا ہوگا۔ اور وہ اس واقعہ کا عینی شاہد ہوگا۔ اسی
طرح اس نے یہ بھی دیکھا ہوگا۔ کہ طغا تیمور خاں کے ساتھی کیونکر اس کی لاش کو چھوڑ کر
بھاگ گئے اور سربداروں نے خیمہ و خرگاہ میں لوٹ ڈالدی اور ایک لحظہ میں اس
سلطنت کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔ اس کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا۔ کہ اس واقعہ کے

... کی پیدائش ہوئی۔ اور اسی بادشاہ کے بارے میں جس کے متعلق ابھی چند گھڑی پہلے اس نے ابدی زندگی اور ابدی سلطنت کی آرزو کی تھی ذیل کا قصیدہ لکھ کر یحییٰ کی خدمت میں پیش کیا۔

کار ملک و دین بحمد اللہ نظام از سر گرفت   مصطفےٰ بطحا کشاد و مرتضےٰ خیبر گرفت

خدا کا شکر ہے کہ نئے سرے سے ملک و دین کی تنظیم ہوئی رسول اللہ نے بطحا کو فتح کیا اور حضرت علی مرتضےٰ نے خیبر کو تسخیر کیا۔

سرور گردنکشاں یحییٰ کہ چوں الیاس و خضر   از مددگار ایزد ملک بحر و بر گرفت

سربلندوں کے سردار یحییٰ نے الیاس اور خضر کی طرح خداوند تعالیٰ کی مدد سے خشکی و تری دونوں پر قبضہ کر لیا۔

آنکہ چوں بہر شکار آورد پا اندر رکاب   شہریار باسپاہ و تخت با افسر گرفت

وہ یحییٰ جس نے شکار کے لئے رکاب میں پاؤں رکھا تو بادشاہ پر مع سپاہ کے اور تخت پر مع تاج کے قبضہ کیا۔

تا عدوش از زخم گرز سرگراں در خواب شد   ہر کجا شاہے زبیمش ترک خواب و خور گرفت

جب سے اس کا دشمن گرز گراں کا زخم کھا کر سو گیا ہر جگہ کے بادشاہوں نے اس کے خوف سے سونا اور کھانا پینا چھوڑ دیا۔

ہر کہ دید آں حال یا از دیگرے بشنید گفت   کار ملک و دیں بحمد اللہ نظام از سر گرفت

جس نے اس حالت کو دیکھا یا دوسرے سے سنا اسنے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ نئے سرے سے ملک و دین کی تنظیم ہوئی

غالباً یحییٰ نے اس سفر میں سلاطین مازندران کی تنبیہہ بھی کر دی تھی۔ کیونکہ ابن یمین کہتا ہے

خسرو مازندراں چیں مرزباں خالوش بود   رائے نقض عہد میزد لاجرم کیفر گرفت

چونکہ مازندراں کا بادشاہ بھی نقض عہد کرنا چاہتا تھا اس لئے اس کو اسکی سزا ملی

یہ قصیدہ بھی انہی فتوحات کی مبارکباد دیتی ہے۔

نامد الحق ایں چنیں فیروز کار شہریار   رستم از مازندراں و زہفتخواں اسفندیار

خراسان بار دیگر شد بہشت آں خوش و خرم — ز فر خسرو عادل خدیو خطۂ عالم

خراسان دوسری بار بادشاہ عادل اور خدیو عالم کے رعب و داب سے بہشت کے مانند شاداب ہو گیا۔

یحییٰ نے سبزوار کی آبادی میں نہایت کوشش کی اور اس کا عہد حکومت چار سال اور آٹھ مہینے تک رہا اور دامغاں سے لے کر جام تک اس کے حدود سلطنت میں شامل تھے ابن یمین کے دیوان میں بہ کثرت قصیدے اس کی مدح میں موجود ہیں اور اس کی سلطنت کے آخری زمانہ تک اس نے اس کی ملازمت کی ہے۔ دولت شاہ سمرقندی کا بیان ہے کہ ۷۵۹ھ میں خواجہ یحییٰ اپنے سالے علاؤ الدولہ کی سازش سے اپنے مقربین بارگاہ کے ہاتھوں مقتول ہوا اور صاحب روضۃ الصفا کے نزدیک اس کے قاتل کا نام زین الدین ہے اور اس نے دوسرے طریقے پر اس واقعہ کی تفصیل کی ہے۔

جن مورخین نے سربداروں کا تذکرہ کیا ہے انہوں نے اس کی مدت سلطنت چار سال آٹھ ماہ لکھی ہے۔ اس لئے اس کی مدت حکومت کی تعیین میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے اور اس لحاظ سے اگر اس کا جلوس ۷۵۳ھ کی ابتدا یعنے خواجہ علی شمس الدین کے قتل کے دو ماہ بعد فرض کیا جائے۔ تو اس کی وفات رمضان ۷۵۷ھ میں واقع ہوتی ہے۔ اور دولت شاہ نے جو سال (۷۵۹ھ) بنایا ہے۔ اُس میں اور اس میں تقریباً ڈیڑھ سال کا فرق پڑ جاتا ہے صاحب حبیب السیر کے نزدیک یحییٰ کی وفات ۷۵۶ھ میں ہوئی ہے اور ہم نے اس کا جو سال وفات قرار دیا ہے۔ اس سے یہ تاریخ وفات قریب تر ہو جاتی ہے۔ بہرحال تمام صورتوں میں سخت اختلافات ہیں۔ اور اگر ہم ظہیر الدین (جو یحییٰ کے بعد فرمانروا ہوا) کے جلوس کے ساتھ ۷۵۶ھ یا ۷۵۸ھ میں اس کا سال وفات تسلیم کر لیں۔ تو ان دونوں میں اس قدر بعد ہو جاتا ہے۔ کہ ایک مدت تک سربداروں کی سلطنت کو بغیر فرمانروا کے ماننا پڑتا ہے۔

اس کے بعد حیدر قصاب نے جو سپہ سالار تھا ظہیر الدین کرائی کو بادشاہ بنایا

[illegible] چار ماہ اور دولت

نے ایک سال ایک ماہ لکھا ہے اور حسن دامغانی پہلوان کے ہاتھوں اس کے قتل کو ربیع الثانی ۷۶۱ھ کا واقعہ قرار دیا ہے۔ اس کے قتل کے بعد حسن دامغانی پہلوان نے مرزا لطف اللہ پسر مسعود کو بادشاہ بنایا۔ لیکن ایک سال تین ماہ کے بعد اس سے مخالفت کر کے اس کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔

ابن یمین نے ظہیر الدین کرابی اور حیدر قصاب کے دور حکومت میں تین سال نو ماہ اور مرزا لطف اللہ کے عہد سلطنت میں ایک سال تین ماہ میں یعنے اس پانچ سال کے اندر جو یحیی اور پہلوان حسن کے دور حکومت کے درمیان میں گذرے بادشاہوں کی مدح میں کوئی قصیدہ نہیں لکھا۔ اور ان بادشاہوں میں کسی کا نام زبان پر نہیں لایا۔ لیکن جب آخر رجب ۷۶۲ھ میں اس نے پہلوان حسن کو تخت سلطنت پر دیکھا۔ اور اس کے وزیر خواجہ یونس سمنانی کو اپنی مداحی کے لیے پسند کیا تو شعر و سخن کی زبان کھولی۔

غنچہ را یافتم از تیغ خود آغشتہ بخون ہمچو پیکان امیر الامرا روز شکار

غنچہ کو میں نے اس طرح خون میں لتھڑا ہوا پایا۔ جس طرح شکار کے دن امیر الامرا کا پیکان

خسرو عہد زمان داور دارای جہان حسن آن وقت عطا بر صفت گوہر بار

زمانہ کا بادشاہ دنیا کا مالک۔ یعنے حسن جو بخشش کے وقت ابر گوہر بار بن جاتا ہے

یہ قصیدہ بھی جسکی گریز کا شعر یہ ہے۔

تاج سر ملوک جہاں پہلوان حسن افتاد در اعادیش ولولہ

سلاطین جہاں کے سر کا تاج پہلوان حسن۔ جسکے خوف سے اس کے دشمنوں میں ہلچل پڑ گئی۔

اسی کی مدح میں لکھا ہے اور اس لحاظ سے یونس وزیر کے موید خواجہ علی نے حسن کو پنجشنبہ ۷۶۶ھ میں قتل کیا اور درویش عزیز کو جو شیخ حسن جوری کے درویشوں میں تھا اصفہان سے طلب کر کے اپنا معتمد علیہ قرار دیا۔ لیکن ۹ ماہ کے بعد وجیہ الدین

میں کہا کہ "حکومت نرمی سے نہیں ملسکتی"۔ اور بلا تامل اپنے ہم عہد درویش عزیز کا سر بازار میں لٹکایا۔ شیخ حسن جوری کے درویشوں پر سختیاں کیں۔ شیخ حسن اور شیخ خلیفہ کی قبروں کو اہل بازار کا مزبلہ بنا دیا۔ ان دونوں کے اوپر لعنت بھیجنے کا حکم دیا اور دامغان سے سرخس تک قبضہ کر لیا۔

پہلوان حسن کے عہد حکومت میں امرا صوبہ میں سے ابن یمین نے دو شخصوں کی مدح لکھی ہے۔ جن میں ایک خواجہ یونس سمنانی وزیر پہلوان ہے۔ چنانچہ وہ خود انکا نام لیتا ہے

شکر انعام حاتم ثانی   مخلص الملک یونس ظاہر

دوسرا امیر ابوبکر شمامسمانی ہے جو سربداروں کے امرا میں بہت بڑا امیر تھا اور امیر ولی حاکم استرآباد کے ساتھ جنگ کر کے اس کو قتل کر دیا تھا۔ ایک شخص حاجی نامی اسکا خاص شاعر تھا اور ابن یمین نے اسی کے ذریعہ سے اپنا مدحیہ قصیدہ روانہ کیا تھا۔ چنانچہ خود ایک تمہید کے بعد حاجی شاعر سے درخواست کرتا ہے

دارائے دیں امیر ابوبکر بن علی   کامروز اوست عمدۂ شاہان روزگار

آقائے دیں امیر ابوبکر بن علی کے حضور میں میرا یہ قصیدہ پیش کر دیجئے

امیر ابوبکر کی شکست نے حسن دامغانی کو کمزور کر دیا۔ اس لئے خواجہ علی موید دامغان سے راتوں رات سبزوار میں آیا اور اصلی مرکز پر قابض ہو کر امرا حسن کو مجبور اور خود اسکو ذی الحجہ سنہ ۷۶۶ھ میں قتل کر دیا۔ حسن دامغانی نے چار سال چار مہینے تک حکومت کی۔ آخر خواجہ علی موید نے امیر تیمور گورگانی کے دامن میں پناہ لی۔ اور سات سال تک اس کا ملازم رہا۔ اور اس کے حکم سے خوزستان یا کردستان پر لشکر کشی کی۔ پندرہ سال تک یعنی سنہ ۷۶۶ھ سے سنہ ۷۸۱ھ تک حکومت کر کے سنہ ۷۸۹ھ میں انہی دو لڑائیوں میں سے کسی ایک میں وفات پائی۔

[illegible]
سے ہٹایا اور جس طرح امیر تیمور کی جو اس کے فضائل اخلاق کا گرویدہ تھا اور اسکو نہایت معزز سمجھتا تھا اطاعت کی اس سے اس کی صحت و رائے اور عاقبت اندیشی کا اندازہ ہوتا ہے

اگر ابن یمین کی عمر وفا کرتی تو وہ بھی ایسے عاقل شریف اور تعلیم یافتہ بادشاہ کے زمانے میں بہت کچھ جاہ و اعزاز حاصل کرتا۔ لیکن افسوس کہ ابھی خواجہ علی نے پوری ترقی حاصل نہیں کی تھی۔ کہ ابن یمین کی طولانی زندگی اپنے آخری حد تک پہنچ گئی۔ اور جیسا کہ وہ خود کہتا ہے

کماں آسا شد ایں قد چو تیرے   زبس کز گردش دوراں خورم کوب

میرا تیر کا سا قد زمانے کے صدمے سہتے سہتے کمان کی طرح ہو گیا۔

کنوں پشتم بخم در کف عصائے   کمانے را ہیئے مانم زہ از چوب

اب میری پیٹھ اس قدر خمیدہ ہو گئی ہے کہ میں ایک کمان کے لیے لکڑی کا چلہ ہو گیا ہوں

ضعف پیری نے گو اس کو اب زیادہ خدمت گزاری اور درباری داری کے قابل نہیں رکھا تھا لیکن باینہمہ اس نے چند قصائد۔ چند قطعات اور چند ترجیع بند اس بادشاہ کی مدح میں بھی لکھے۔ اور اپنی زندگی کے بقیہ تین سال سربداروں کے اس آخری بادشاہ کی مدح میں صرف کئے اور ابتدا سے لے کر انتہا تک اسی سلسلہ کی مدح میں اپنے طویل تعلق کو قائم رکھا۔ چنانچہ اس کے ترکیب کا پہلا بند اس شعر پر ختم ہوتا ہے

بار دیگر شد جہاں از صنع رب العلمین   ہمچو بزم خسرو آفاق انجم ملک و دیں

دوسری مرتبہ دنیا خدا کی قدرت سے بادشاہ کی محفل کی طرح آراستہ و پیراستہ ہوئی

اُس کے ایک قصیدہ کے چند شعر یہ ہیں۔

قطب ملوک قدوہ شاہان روزگار   فرزانہ نجم ملت و دیں شاہ سبزوار

بادشاہوں کا قطب شاہان زمانہ کا پیشوا دانشمند نجم الملۃ والدین شاہ سبزوار

اس بادشاہ کی مدح میں چند قطعے اور قصیدے اور بھی ہیں۔ جن کو ابن یمین کی آخری ردیفوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ خواجہ علی کی پانزدہ سالہ عہد حکومت میں سے ابن یمین نے صرف ۴ سال پائے۔ یعنے ذیقعدہ ۷۶۶ھ سے شنبہ ہشتم جمادی الثانی تک جو اس مادہ تاریخ کے مطابق جو اس کتاب کی ابتدا میں لکھا گیا ہے۔ ابن یمین کے وفات کا دن ہے لکھا ہے کہ اس رات ابن یمین نماز میں مشغول ہوا۔ اور صبح کیوقت جب لوگ اس کے کمرے میں گئے۔ تو حالت یہ دیکھی۔ کہ وہ پڑا ہوا ہے اس کی جانماز بچھی ہوئی ہے اور یہ قطعہ اس کے سامنے ہے۔

منگر کہ دل ابن یمیں پر خون شد　　بنگر کہ ازیں سرائے فانی چون شد

یہ مت دیکھ کہ ابن یمین کا دل پر خون ہو گیا۔ صرف یہ دیکھ کہ وہ اس سرائے فانی سے کیونکر گیا۔

مصحف بکف و چشم برہ روے بدوست　　باپیک اجل خندہ زن بیرون شد

ہاتھ میں قرآن سامنے میں آنکھ اور دوست کیطرف منہ کر کے قاصد اجل کے ساتھ ہنستا ہوا باہر گیا۔

جس قدر تاریخی معلومات نے اعانت کی اور جس قدر مواد اس کے دیوان سے فراہم ہو سکا۔ ہم نے ابن یمیں کے حالات لکھ دیئے اور قدم قدم پر باوجود تاریخی نامساعدت کے اس کی زندگی کے تمام دوروں کی تحقیقات کرنے کے بعد اس قدر مختصر حالات لکھے جا سکے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ابن یمیں کے حقیقی حالات زندگی سے ان مختصر حالات کو وہی مناسبت ہے جو مصوران چین اور پہلوانان قدیم کی تصویروں کو انکے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہر شخص اپنی استطاعت اور معلومات ہی کے موافق خدمت کر سکتا ہے۔ اگر اس نے ہزاروں جگہ غلطی کی ہے اور ہزاروں باتوں کو نہیں سمجھ سکا ہے تو وہ معذور ہے۔

تاریخوں اور تذکروں کی مبہم اور بکھرے ہوے تصریحات سے ایکطرف تو ابن یمین کی سخت تلون مزاجی ظاہر ہوتی ہے۔ دوسری طرف ہم ایک ایسے تیرہ و تاریک میدان

[illegible] ہیں [illegible] کی بنائی ہوئی رہ گئے [illegible] نہیں کیا ہے۔ اور تو
ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ کہ جو راستہ طے ہوا ہے وہ نہایت مختصر ہے۔ باایں ہمہ ہر قدم صحت
و انصاف کے ساتھ اٹھایا گیا ہے اور ہر وہ تحریر جس میں یہ اوصاف جمع ہو جائیں۔ وہ
قابل استفادہ و مستحق دوام و بقا ہے۔ جس شخص نے تذکروں کی تصریحات کو دیکھا ہوگا
وہ تصدیق کریگا۔ کہ کسی شخص نے اس رسالہ کے لکھنے والے کی طرح ابن یمین کو نہیں پہچانا
اور اس گمشدہ شاعر پر زمانے کے جو توبہ تو پردے پڑے ہوئے ہیں۔ انکے اٹھانے کی
کبھی زحمت گوارا نہیں کی ہے اور اس کی زندگی کے ساٹھ سال کو سال بسال ناظرین
کے سامنے نمایاں نہیں کیا ہے۔ ان سب کے بعد ناظرین اس کی بھی تصدیق کرینگے۔ کہ
ابن یمین کے حالات کے ضمن میں تاریخ کا جو ایک حصہ درج کیا گیا ہے۔ اُس کا مقصد
صرف یہ تھا۔ کہ اس کی زندگی کا ماحول روشن ہو جائے۔ اور اس کے ممدوحین اور معاصرین
کے حالات معلوم ہو جائیں۔ اس موقع پر اس بات کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔ کہ ابن یمین
کے دیوان کے مطالعہ سے سربداروں کی تاریخ کے بہت سے ایسے نکتے بھی معلوم
ہو گئے ہیں۔ جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا تھا۔ مثلاً خواجہ علاء الدین محمد ہندو وزیر خراسان
امیر عین الدین طغرائی پدر ابن یمین کا سال وفات اکثر سربداروں کی تاریخ جلوس
و قتل اور انکی ملکی ترقی و تنزل کا حال اسی طرح اس سے یہ فائدہ بھی ہوگا۔ کہ جو شخص
اس دور کی تاریخوں کے تناقض سے واقف ہوگا۔ وہ انکا مطالعہ بہتر طریقہ سے کر سکیگا

دُوسرا باب

پہلی فصل

اخلاق

ابن یمین کی زندگی کے تمام پہلو اُس کی اخلاقی حالت کے ظلّ و پرتو ہیں۔ اس عظیم الشان بزرگ نے اپنی طویل عمر بالخصوص اپنی نصف زندگی کے گذر جانے کے بعد اخلاقی شاعری کی طرف توجہ کی اور سادہ زبان اور آسان و مختصر اشعار میں وہ تمام اخلاقی نکات نظم کیئے۔ جو اس کے نزدیک اس کے ہم وطنوں کی دنیوی سعادت مندی کے لئے ضروری اور قابل اتباع و تقلید تھے۔ خوش قسمتی سے اس نے اس اخلاقی فرض کے ادا کرنے کے لئے تمام ضروری سامان بھی اپنے گرد مہیا پائے۔ خدا نے اس کو طویل زندگی عطا فرمائی۔ اس کو سخت تند و تیز انقلابات سے دوچار ہونا پڑا۔ اُس کے زمانے میں طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ خدا نے اس کو نہایت صحیح دماغ بھی عنایت فرمایا تھا۔ اس لیئے ان تمام حالات سے اس پر وہ تمام اخلاقی مسائل واضح کر دیئے۔ جس سے اور لوگ بالکل غافل اور ناواقف تھے۔

اگر کبھی اس کے قطعات کو اخلاقی عنوانات کے رو سے مرتب و مبوب کیا جائے۔ تو

کسی طور پر بھی وہ خوش خلاقی۔ پاک باطنی اور نیک نیتی میں شہرت رکھتا ہے۔
اور تذکروں میں وہ صفات حسنہ کیساتھ متصف کیا گیا ہے

اگرچہ کسی شاعر کے قول و عمل میں تطابق کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بالخصوص ان اخلاقی اصول پر عمل کرنا جو کسی خاص موقع پر نظم کیے گئے ہوں۔ کسی شاعر کے لئے لازمی نہیں ہے۔ تاہم یہ یقین کرنا چاہیئے کہ جو شخص خود کسی اخلاقی سرمایہ کا مالک نہ ہو وہ وقت بے وقت اس کثرت سے اخلاقی اشعار نہیں کہہ سکتا اور ہمیشہ اخلاقی نکات کی جستجو و تلاش میں مصروف نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ہم کو اصولاً یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ جو شخص اپنے ہم شہریوں کی ارشاد و ہدایت کا فرض انجام دیتا ہے اور انکے درمیان اس کثرت سے اخلاقی قطعات کی اشاعت کرتا ہے۔ اس میں اس قدر اخلاقی اوصاف ضرور موجود ہونگے۔ جن کی بنا پر اس کو ایک "اچھا آدمی" کہہ سکیں۔ اس کو خود بھی یہ نکتہ یاد ہے کہ انسان کے قول و عمل میں ہمرنگی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے۔

ہست ہم چوں نمونۂ سخنت   زانچہ داری تو در بدن محجوب

جو کچھ تیرے اندر چھپا ہوا ہے۔ وہ تیری کلام کا نمونہ ہے

گر و رونت بداست گفتت بد   ور دروں تو خوب گفتت خوب

اگر تیرا دل برا ہے تو تیرا قول بھی برا ہے اور اگر تیرا دل اچھا ہے تو تیرا قول بھی اچھا ہے

ممکن ہے کہ اس کے خاص خاص اخلاقی نکتے مخصوص حالات و واقعات کا نتیجہ ہوں لیکن اس نے ایک اخلاقی کلیہ قائم کیا ہے جس کو پڑھ کر ہر شخص مجبوراً اس کی نیک نیتی اور پاکیزگی خیال کی تعریف و توصیف کرے گا۔

ہر کہ از بہر خود نہ گفت سخن   بہر غرش سخن بجاں شنوند

جس نے کہ اپنے لئے بات نہیں کہی دوسرے کے لئے اس کی بات لوگ دل سے سنتے ہیں

اہل عالم ہمہ کشاورزند   ہر چہ کارند ہمچناں دروند

اہل دنیا کسان ہیں۔ جو بوتے ہیں وہی کاٹتے ہیں۔

نہیں ہے۔ کہ اس کے تمام عقائد، اعمال اور اقوال بہتر تھے۔ کیونکہ اس صورت میں ہم کو اس بات کا مدعی ہونا پڑے گا۔ کہ عقل انسانی بالکل مکمل اور غلطی سے محفوظ ہے اور یہ ایک مضحکہ انگیز دعوے ہے۔ بلکہ عقلمند آدمی سے وہ شخص مراد ہے۔ جس کی قوت تمیزیہ اس مطلق العنان اور بے محابا قوت پر جو انسان کو عشق و جنوں کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے غالب آتی ہے۔ ہر جگہ اس کے لئے غور و فکر اور احتمالی آفرینی کا موقعہ پیدا کرتی ہے اور سخت زلزلہ انگیز جذبات و احساسات کی پیروی سے اس کو روکتی ہے

ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ عقل ہمیشہ انسان کو خوش نصیب رکھتی ہے اور نیز یہ کہ خود عقل ہی انسان کی اصلی سعادت ہے۔ کیونکہ وہ اگرچہ ایک سیاسی مدبر یا تنخواہ دار عہدہ دار کے لئے ایک نہایت قیمتی چیز ہے۔ لیکن عام طبقات انسانی بالخصوص ایک شاعر کے لئے اس کو ہمیشہ مفید اور قیمتی چیز نہیں تصور دیا جا سکتا۔ جو شخص اپنے آپ کو شاعر کہتا اور اسکی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ امواج ابدی اور اصوات حقیقی کا فطری عکس ہوتا ہے اس کے لئے فطرت کی کھلی ہوئی فضا کے علاوہ ایک قسم کی بے خبری اور ایک قسم کا احساس بھی لازمی ہے۔ جو اس کو کبھی کبھی ایسے جذبات کے عالم میں لے جائیں۔ جو نرم لطیف اور شیریں ہوں۔ تاکہ وہ بلا روک ٹوک کسی جگہ اپنے قدم کو جما سکے اور صدا ہائے فطرت کی تند و تیز موجیں اس کے دل کے مخفی چشمہ سے نظم و ترتیب کے ساتھ۔ بے روک ٹوک اس کی زبان پر جاری و رواں ہو سکیں۔ ابھی وہ وقت ہوتا ہے جب شاعر کو ایک بزرگ ترین ہستی کا خطاب دیا جاتا ہے اور اس کے اشعار کو الہامات طبیعی کا آئینہ خانہ کہا جاتا ہے اسی وقت اس کا کلام جس بحر و وزن میں بھی ہو ایک محسوس اور اضطراری موسیقیت کی شان میں نمایاں ہوتا ہے اور یہ وہ موسیقیت ہوتی ہے۔ جس میں تمام کائنات اپنا راگ گاتی ہے۔ اور دل، زبان، اور بے اختیاری کے سوا کسی چیز کے ذریعہ سے اس کی تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ لیکن جس قوت کا نام عقل ہے وہ احتیاط تردد۔ دور بینی۔ بدگمانی

اور اس طبعی لہر کو پیچھے ہٹانا چاہتی ہے۔ لیکن باایںہمہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ یہ ایک نہایت شریف اور قابل احترام قوت ہے۔ جس پر انسان فخر کر سکتا ہے وہ افراد کی زندگی کا آخر ثمرہ اور گذشتہ قدیم اجتماعی زندگی کی آخری پیداوار ہے۔ وہ شاعری کی آگ کو بجھا دیتی ہے اور عظیم الشان حیرت انگیز ناگہانی کاموں کو آگے بڑھنے سے روک دیتی ہے۔ ان سب سے بڑھکر سب سے عجیب تر بات یہ ہے۔ کہ نہ کوئی چیز اسکی قائمقام ہو سکتی اور نہ کوئی چیز اس کے احکام کو منسوخ کر سکتی۔ کیونکہ انسان کا حاکم اور انسان کا بادشاہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے

ابن یمین اسی عظیم الشان قوت کا غلام ہے۔ وہ جب کوئی کام کرتا ہے۔ کوئی خیال دل میں لاتا ہے۔ کسی عقیدہ کو پیدا کرتا ہے۔ تو یہ قوت آگے بڑھ کر اس کو روک دیتی ہے اور کہتی ہے کہ اس سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں۔ اس لیئے کسی عقیدہ کے اظہار۔ کسی نصیحت کے بیان اور کسی اخلاقی رستے کے دکھلانے کے لیئے جب وہ آمادہ ہوتا ہے تو یہی محتاط قوت آگے بڑھ کر اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ دوبارہ اس خیال کی ناپ تول کرے اور اس مسلمہ عقیدہ کو دوسری بار تجربہ و امتحان کی کسوٹی پر پرکھے۔ افسوس ہے کہ ایک معمولی۔ ایک عاقل اور ایک بے تعصب انسان پر جن حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اور اس نسبت غیر یقینی اور ناپائدار ہوتی ہیں۔ کہ پہلے ہی احتمال آفرین میں انکی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں اور کہنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ایک نامعقول جلوہ کے ساتھ طفلانہ شیفتگی رکھتا تھا اور واقعہ اس کے علم و یقین کے بالکل مخالف تھا۔ ابن یمین کے خیالات و عقائد میں جو تضاد پایا جاتا ہے اس کی وجہ یہی ہے۔ وہ جب کسی خیال کو جو اس کی طبیعت اور عادت کے مطابق ہوتا ہے ظاہر کرتا ہے تو دوسرے قطعے میں لازمی طور پر اس کی مخالفت بھی کر دیتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے منہ میں جو کچھ آئے وہ کہیں۔ لیکن میں اسکو بھی ابن یمین کی اخلاقی عظمت کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ اگر ابن یمین

اس پر بالکل کورانہ اور مقلدانہ ایمان لائیں تو کیا وہ ہمارے ساتھ خیانت کرنے کا مجرم نہ ہوتا؟ میرا خیال ہے۔ کہ ابن یمین اس سے بزرگ و برتر ہے کہ وہ جس سلسلہ خیالات کو ناپائدار اور غیر کلی سمجھتا ہے۔ ہم کو اس میں ظالمانہ طور پر جکڑ دے اور ہم کو اس کے تسلیم کرلینے پر مجبور کرے۔ اس کا یہی تردد و تذبذب اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ارشاد و ہدایت کا فرض ایک انصاف پسند دل کے ساتھ ادا کرتا ہے اور اپنے گرد اندھے مریدوں کو جمع نہیں کرنا چاہتا۔ استغنا اور گوشہ نشینی بے شبہ نہایت پسندیدہ اوصاف ہیں۔ لیکن کیا وہ ایک عام عملی دستور العمل بھی بن سکتے ہیں۔ کیا تمام لوگ باہم ایک دوسرے سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ کیا انکی تلخ زندگی اسباب کی اجازت نہیں دیتی۔ کہ نازک مواقع پر اپنی اور دوسروں کی حفاظت کے لیے کسی قدر ایک دوسرے کے محتاج بھی ہوں؟

اس میں شبہ نہیں کہ ایک فرد سخت ترین اخلاقی قواعد کی پابندی کو اپنی زندگی کا اساسی اصول قرار دے سکتا ہے لیکن ابن یمین عام جماعت انسانی کا واعظ اور رہنما ہے اور عام لوگوں کا حکم ایک فرد سے بالکل مختلف ہے۔

انسانی اخلاق میں سخاوت ایک بہترین وصف ہے لیکن کیا اس کو کوئی شخص اپنے لیے ایک عملی دستور العمل بنا سکتا ہے۔ اور کیا وہ اس کا پابند رہ کر خود ایک فقیر بے نوا نہیں ہو سکتا؟

انہی باریک باتوں کی بنا پر ابن یمین نے عوام کی بھلائی اور اپنے تمام ہموطنوں کے فوائد کے لیے کسی قاعدہ کلیہ کی پابندی سے احتراز کیا اور اخلاق کے تمام پہلوؤں کی طرف رہنمائی کی۔

میں اس مختصر فصل میں یہ کوشش کروں گا کہ اخلاقیات کے سلسلے میں ابن یمین کے خیالات کو واضح کروں اور اس کے متضاد عقائد کے تمام پہلوؤں کو دکھلاؤں۔ اور بتاؤں کہ اس عاقل اور نیک فطرت شخص نے حاکم عقل کے اوامر و نواہی کو کیونکر قبول

بڑا فیاض شخص تھا۔

ہرچہ داری بخور و بذل کن و باک مدار — کہ ترا طعنہ زند کس کہ فلاں متلاف است

تمہارے پاس جو کچھ ہو اسکو کھاؤ صرف کرو۔ اور اسکا مطلق خوف نہ رکھو کہ لوگ یہ طعنہ ماریںگے کہ فلاں شخص فضول خرچ ہے۔

بنود ہرچہ کند اہل کرم بے توجیہ — چہ تواں کرد سخا نزد بخیل اسراف است

فیاض آدمی جو کچھ کرتا ہے بلاوجہ نہیں کرتا۔ لیکن کیا کیا جائے؟ بخیلوں کے نزدیک سخاوت ہی کا نام فضول خرچی ہے

حاسدم مسرف اگر گفت چہ غم ابن یمین — نشمرد جود ز اسراف کہ از اشراف است

اگر حاسد مجھ کو فضول خرچ کہتا تو اے ابن یمین اس کا کیا غم؟ جو شریف ہیں وہ فیاضی کو فضول خرچی نہیں کہتے

وہ اس خلق کے ساتھ اس قدر متصف تھا۔ کہ لوگ اس کو مُسرف کہنے لگے۔ اور سخاوت کی جو حد معین ہے اس سے آگے نکل گیا۔

نزد اہلِ زمانہ از کہ و مہ — گر عبید اند جملہ گر احرار

زمانہ کے تمام چھوٹے بڑے کے نزدیک

ہست عقل معاش آن بکمال — کہ زید در جہاں منافق وار

اوسی شخص کی عقل کامل ہے جو دنیا میں منافقانہ زندگی بسر کرتا ہے۔

وآنکہ امساک غالب است براو — اوست اکفی الکفات در ہمہ کار

اور جس شخص پر بخل غالب ہے۔ وہ تمام کاموں میں سب سے زیادہ قابل ہے۔

این دو خرقہ چو نیست ابن یمین — زاں بر خواجگان دنیا دار

لیکن چونکہ ابن یمین ان دونوں میں سے نہیں ہے اس لئے دنیا داروں کے نزدیک

ہست عقل معاش او اندک — ہست اتلاف مال او بسیار۔

اسکی عقل کم اور اس کی فضول خرچی زیادہ ہے۔

من و اتلاف مال و بے عقلی — این فضیلت کزدست فخر تبار

[illegible] کردہ [illegible] جمع [illegible]   واں رذیلت کہ اوست مایہ عار

اور وہ گروہ اور دنیوی شان و شوکت - اور یہ بد اخلاقی جو ننگ و عار کا سرچشمہ ہے

اس میں شبہ نہیں - کہ اس نے قطعہ متذکرہ بالا کو بہت سی ملامتوں کے جواب میں لکھا ہے - جنکے ذریعہ سے لوگوں نے اس کے اسراف پر اعتراضات کئے ہیں - کہ اس نے موروثی مال کو اس طرح برباد اور جائداد کو اس طرح فروخت کر دیا - نہ اپنے پاس کچھ رکھا اور نہ اپنی اولاد کے واسطے کچھ چھوڑا - ان اعتراضات کے جواب میں وراثت اولاد کے متعلق ابن یمین اپنا خیال اسی طرح ظاہر کرتا ہے -

بخور - بپوش - بپاش و بداں کہ حاصل عمر   خرد نداشت کسے کو بدیگرے بگذاشت

کھاؤ - پہنو - لٹاؤ اور جانو کہ جس شخص نے اپنی زندگی کی پیداوار کو دوسرے پر چھوڑ دیا اس کے گرہ میں عقل نہ تھی -

منہ ذخیرہ کہ بسیار کس ز غایت حرص   نہاد گنج بصد رنج دیگرے برداشت

سرمایہ جمع نہ کرو - کیونکہ بہت سے لوگوں نے غایت حرص سے سینکڑوں مصیبتوں کے ساتھ خزانہ جمع کیا لیکن اس سے فائدہ دوسرے نے اٹھایا -

اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ اس طرح ادا کرتا ہے

ہم بخور ہم بدیگراں بخوراں   از نہال سعادت ثمرے

اپنی خوش قسمتی کے پھل سے خود کھاؤ اور دوسروں کو کھلاؤ

حیفم آید کہ حاصل ہمہ عمر   بگذاری کہ تا برد دیگرے

مجھ کو افسوس ہوتا ہے کہ تم اپنی زندگی کی کمائی کو اسلئے چھوڑ جاتے ہو کہ دوسرے لوگ اسکو اٹھا لیجائیں

ہم کو اس کی ملک و جائداد کے حصے میں نظر آئیگا - کہ ابن یمین نے اپنی باپ کی وراثت سے بہت سا مزروعہ پایا تھا اور مدتوں تنخواہ دار ملازم رہ چکا تھا - باایں ہمہ چند اسباب ایسے پیش آئے کہ اخیر عمر میں اس کو مبتلائے فقر و فاقہ ہونا پڑا -

(۱) ایک تو علمی زندگی اور دوستانہ تعلقات جو طبعاً ایک شخص کی علمی اور مادی زندگی

بضبط مال خویش بہ قانون کے م   عذرم بنزد مردم دانا ممہد است

اگر میں باقاعدہ اپنے مال کو روک نہیں سکتا۔ تو عقلمند آدمی کے نزدیک میرا عذر قابل قبول ہے

بام سر افتادہ و بنیاد منہدم   سہل است اگر بنائے فضائل مشید است

ٹوٹی ہوئی چھت اور گری ہوئی بنیاد قابل لحاظ چیز نہیں بشرطیکہ فضائل کی بنیاد مضبوط ہو

(۲) دوسرے فیاض طبیعت اور کھلا ہوا ہاتھ جنکی وجہ سے اس نے اپنی زندگی کی کمائی کو دوستوں اور مہمانوں کے خیر مقدم میں صرف کر دیا چنانچہ خود کہتا ہے۔

ندارد ابن یمین ما حضر دریغ از کس   درش کشادہ بود بر ہمہ صغار و کبار

ابن یمین کسی سے ماحضر کو دریغ نہیں رکھتا اس کا دروازہ ہر چھوٹے بڑے شخص پر کھلا رہتا ہے

ہم آن بہ کہ زعم دشمن را   درہ دوستاں بر افشانی

بہتر یہ ہے کہ دشمن کے ذلیل کرنے کے لئے روپیہ کو دوستوں پر صرف کیا کرو

مالِ تو داد دشمنت بدھد   گر تو زود داد دوست فشانی

اگر تم اپنے مال کو دوست کے اوپر نہ صرف کرو گے تو وہ تمہارے دشمن کے کام آئے گا۔

اس کا اعتقاد یہ تھا کہ خانقاہ اور عمدہ مکان کی تعمیر عقلمندی کے مخالف ہے۔ اور روپیہ کو اینٹ اور مٹی پر صرف نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ہر تعمیر کی جگہ۔

سفرہ گستراں کن اگر نام نکو مے طلبی   کہ بہ این نام ز اعیان جہاں در گذری

اگر تم کو شہرت کی خواہش ہے تو دستر خوان بچھاؤ۔ کہ اس طریقہ سے تمہارا نام سردارانِ زمانہ سے بھی زیادہ مشہور ہو جائے گا۔

مہمان خود خدا کا عزیز ہوتا ہے اور اس پر میزبان کا کوئی احسان نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اپنی روزی خود اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص مہمانوں کی ایک فوج اپنے گھر اتار دے تو نہ تو انکا بار اس پر پڑے گا۔ اور نہ انپر اس کا احسان ہوگا۔ کیونکہ انکی روزی خود انکے ساتھ ہوگی۔

ہر کرا ہمتی نگیتی روزی خود میخورد   گر نہ خوان تست نانش در ز خوان خویشتن

پس کرامت از مہمان است باید بہر آنکہ   بخورد بر خوان احسان نان خویش

اس لئے تم کو مہمان کا ممنون احسان ہونا چاہئے کہ تمہارے دستر خوان پر اپنی روٹی کھاتا ہے۔

اور ذیل کے نادر قطعے میں مدافعت کے بجائے اس نے حملہ کیا ہے۔

پس کسی کہ یافت مکنت و امساک پیشہ کرد   بر نفس ناستوده و اہل و عیال خویش

تو جس شخص نے اپنے اور اپنے اہل و عیال پر باوجود صاحب مقدرت ہونے کے بخل کیا

عذرش بر آں و نائت ہمت ہمیں بود   "دائم ز بیم فقر نگہدار مال خویش

تو اس پست ہمتی پر اس کا عذر صرف یہ ہو سکتا ہے "کہ احتیاج کے خوف سے ہمیشہ اپنے مال کی حفاظت کرو"

عمرے بفقر می گذراند ز بیم فقر   مسکین نگر چہ بے خبر آمد ز حال خویش

لیکن وہ اس احتیاط کے خوف سے اپنی زندگی ہی احتیاج میں گذار دیتا ہے دیکھو اس غریب کو اپنی حالت سے کس قدر بے خبری ہے

اس کے علاوہ اور دوسرے اسباب بھی ہیں جنکو ہم اس موقع پر بیان کرینگے جہاں اُس کے مال و جائداد سے بحث ہوگی اور اس لحاظ سے ہم کو یقینی طور پر معلوم ہے۔ کہ وہ ایک فیاض آدمی تھا اور اخیر عمر تک اس نے اس فیاضی کو قائم رکھا اور گو وہ بڑھاپے کے زمانے میں محتاج ہو گیا۔ تاہم اپنی پچھلی ہی بے دریغ فیاضیوں پر اس کو کسی قسم کی پشیمانی نہیں ہوئی اور نہایت بے پروائی اور خندہ جبینی کے ساتھ فضول خرچی کے مضامین لکھتا رہا۔ وہ اس پر ذیل کی دلیل کی طرح بہت سے دلائل قائم کرتا ہے۔ اور اپنے ضمیر کے حساب کی تفصیل بیان کرتا ہے۔

من از اکثر مال و املاک خویش   بداد م ز دست و بر انداختم

میں نے اپنی مال و جائداد کا بہت بڑا حصہ اڑا دیا۔

مپندار کز ابلہی خویش را   زیانے نہ اندر خور انداختم

یہ نہ سمجھو کہ حماقت سے میں نے اپنے آپ کو اپنی حیثیت سے زیادہ نقصان میں ڈالا

ز من ہرچہ ماند چو وارث برد   بمیراث دستے در انداختم

باوجودیکہ اخیر عمر تک اس کو نقصان اٹھانا پڑا اور ناکامی ہوئی

اور اس ذاتی فیاضی نے اس کو بڑھاپے کے زمانے میں فقر و فاقہ میں مبتلا کر دیا۔
بااینہمہ اس کو اس پر کسی قسم کی پشیمانی نہیں ہوئی اور اس نے مردانہ وار کھا۔

بارہا بروجہ پندِ مشفقانہ گفتہ ام　　گر ز دستت شد بروں مال و متاع ایدل منال

میں نے بارہا مشفقانہ نصیحت آمیز لہجہ میں کہا ہے کہ اے دل اگر تیرے ہاتھ سے مال و دولت متاع نکل گئے
تو اس پر آہ و نالہ نہ کر۔

راستی غبنے بود فاحش بر ابن یمین　　گر عزیزی پائمال ذل شود از بہر مال

ابن یمین کے نزدیک اصلی نقصان یہ ہے۔ کہ ایک معزز شخص مال کے لئے ذلیل ہو
لیکن اب یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ فطری عادت جس نے اس کی روح کی گہرائی میں جڑ
پکڑ لی ہے عقل کے موافق ہے یا نہیں؟
جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے اس کو عقل سے کسی قسم کی مخالفت نہیں۔
لیکن جب وہ دوسروں کی ذات اور انکی ارشاد و ہدایت کا لحاظ کرتا ہے۔ تو عقل اس کو
اس کے مخالف قطعات کے کہنے پر آمادہ کرتی ہے اور وہ لوگوں کو بتاتا ہے کہ معاش
اور اسی خوش نصیبی کے لئے مال و دولت ایک ایسی حقیقی اور وجودی چیز ہیں۔ کہ ہر
شخص آخر نظر انداز نہیں کر سکتا اور ہمارے لئے اس کی قدر دانی اس لئے ضروری
ہو جاتی ہے کہ

من لامعاش لہ لامعاد لہ۔ جس شخص کے پاس معاش نہیں اسکے پاس معاد بھی نہیں
یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب سخت ناداری کی حالت میں اس کو اپنی فیاضی اور فضول
خرچی ایک برے نتیجہ کی چیز نظر آئی اور اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی بدبختی کا دار و مدار صرف
اس بات پر ہے کہ اس نے معاش کی طرف توجہ نہیں کی۔ تو اس نے مالی توجہ و نگہداشت
کے متعلق اشعار لکھنا شروع کئے اور اس کو یہ یقین ہو گیا۔ کہ جو شخص فقیر، مسافر اور زاہد
گوشہ نشین نہیں ہے اس کے لئے مال سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔

نہیں ہے تجھ کو غم نہ کھانا پڑے

نیک گر ضبط از رہ امساک خواہی کرد نش	خون نام نیک تو زاں پس بود در گردنت

لیکن اگر بخل سے اس کی حفاظت کرنا چاہتے ہو تو اس وجہ سے تمہارے نام نیک کا خون تیری گردن میں ہو گا

بشنو از من تا نمائیم در معاشت راہ راست	منت ابن یمین باید بجائے آوردنت

میری بات سنو تاکہ معاش کے معاملے میں میں تمہیں سیدھی راہ دکھاؤں اس پر تم کو ابن یمین کا احسان ماننا چاہئے

از در افراط و از تفریط بودن محترز	از طریق اقتصاد آہنگ باید کردنت

افراط و تفریط سے الگ ہو کر اعتدال کے ساتھ موافقت کرنی چاہیئے۔

یہ ایک ایسی نصیحت ہے کہ اگرچہ ابن یمین نے خود اس پر عمل نہیں کیا ہے۔ تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسروں کو بھی اس کی نصیحت نہ کر سکے اور زمانہ کے تلخ تجربات نے اس کو جو تعلیم دی ہے وہ دوسروں کو نہ دے سکے اگرچہ وہ جو نصیحت کرتا ہے وہ مبہم اور کلی ہوتی ہے کیونکہ "افراط اور تفریط سے الگ رہنا" ایک ایسا مبہم اور کلی فقرہ ہے کہ زندگی کے کسی دستور العمل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ افراط اور تفریط سے الگ رہنے کے لئے انسان کو کیا کرنا چاہئے؟ خود شاعر کی زندگی بھی کوئی ایسا عملی نمونہ نہیں ہے جو اس کے اشعار کا مصداق ہو سکے۔ بایں ہمہ ابن یمین جن اشعار میں اعتدال اور درجہ قناعت کی تشریح کرتا ہے۔ ان سے ایک حد تک اس ابہام کی توضیح ہو سکتی ہے۔ مثلاً

کفافے از غذات ار مید ہد دست	تمام است ایں قدر ایں اندکے نیست

اگر تم کو کچھ کھانے پینے کو مل جائے تو یہ بہت ہے تھوڑا نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ یہ شعر کسی قدر سخت ہو اور اس درجہ پر قناعت نہ کی جا سکے لیکن ابن یمین ہم کو اس سے کسی قدر دو چار اڑنے کی بھی اجازت دیتا ہے اور اعتدال کے معنے میں اس قدر وسعت دراز کرتا ہے جو ہر دو غذا کے علاوہ اور لوازم زندگی کو بھی شامل

... یکس چنداں   کہ نباشد دراں بکس محتاج

ہر شخص اس قدر کھانے پینے کو رکھتا ہے کہ اس کے لئے غیر کا محتاج نہیں ہے۔

کلبۂ نیز بایدش کہ ازاں   نکنند ہر دمش کسے اخراج

اس کے لئے ایک ایسا گھر بھی چاہئے کہ ہر وقت اُس سے کوئی اس کو نکال نہ سکے

در جہاں پادشاہ وقت خود است   تا توانی مگرد ازیں منہاج

وہ دنیا میں اپنے زمانہ کا بادشاہ ہے۔ جب تک ہو سکے اس روش سے انحراف نہ کرو

کانچہ افزوں ازیں کنی حاصل   بہرۂ وارث است یا تاراج!

کیونکہ جو کچھ اس سے زیادہ تم حاصل کروگے۔ وہ یا تو وارث کا حصہ ہے یا لوٹ مار کا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شور و شر کے زمانے میں دولتمندی کا خیال ہر شخص یہاں تک کہ ابن یمین کے لئے بھی لوٹ مار کے تخیل سے الگ نہیں ہوتا۔ کیونکہ زمانے کے انقلابات اور امراؤ سلاطین کے حرص و آز کو کسی کے مال و جان پر رحم نہیں آتا تھا اور ابن یمین کو مال و دولت کے جمع کرنے سے جس چیز نے بیزار کر دیا تھا۔ ان میں مال و دولت کی ناپائداری اور سلاطین زمانہ کی دراز دستی بھی ایک بڑا سبب تھی۔ چونکہ وہ ہر طرف کی لوٹ مار کو دیکھ رہا تھا۔ اور دولت مند لوگ روپیہ حاصل کرنے کے لئے جو تشدد آمیز طریقے اختیار کرتے تھے۔ وہ سب کے سب اس کی نگاہ کے سامنے تھے اس لئے وہ کہتا ہے۔

گر مرا دور فلک کرد تہیدست چو سرو   نیم آزادہ گرم بر دل ازاں بارے ہست

اگر دور فلک نے مجھ کو آسمان کی طرح تہیدست کر دیا اور اگر میں آدھا آزاد ہوں تو میرے دل پر یہ بھی ایک بوجھ ہے

روز و شب منتظر حادث و وارث باشد   ہر کجا آرزوئے ضابطہ و زرداری ہست

جہاں کہیں دولت مند یا روپیہ جمع کرنے کی آرزو ہے اس کو انقلاب زمانہ یا وارث کا انتظار رہے

بہا میکنم ار سیم و زرے نیست مرا   کہ فراغت ز نگہداشتنش بارے ہست

میرے پاس سیم و زر نہیں ہے تو خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس کے محفوظ رکھنے سے بھی مجھے بیفکری ہے

یہی وجہ ہے کہ اس کے نزدیک ایک آزاد شخص کے لئے صرف وجہ کفاف پر قناعت ضروری ہے۔

صحت و وجہ معاش و زکسے ہمہ   ایں سعادت بس اگر آنکہ مدامت باشد

صحت، وجہ معاش اور کسی کا ڈر نہ ہونا تمہاری خوش نصیبی کے لئے کافی ہے بشرطیکہ یہ چیزیں ہمیشہ کیلئے ہوں

بیشک اندر طلب بیشتر از قدر کفاف   سخت کوشی تو از غایت سستی باشد

قدر کفاف سے زیادہ کی جستجو کے لئے تمہاری سخت جد و جہد بے شبہ انتہا درجہ کی کاہلی ہے۔

اس لئے اس کے نزدیک انسان کی کوشش کو صرف ضروری وجہ معاش کے حاصل کرنے تک محدود رہنا چاہیئے۔ احباب و رفقا کی صحبت و معاشرت بھی انسان کے لئے ضروری ہے اور اس کو ہمیشہ کے بڑھانے اور حرص کے گھٹانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ چنانچہ ابن یمین جس وقت لوگوں کو مال و جائداد کے نگہداشت کی نصیحت کرتا ہے اسوقت اس گفتگو اس کی اصل فطرت کے مخالف ہوتی ہے اور کبھی وہ اس کا عام حکم نہیں دیتا۔ بلکہ ہمیشہ معتدل روش کا پابند رہتا ہے اور افراط و تفریط کو برا سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک متوسط راستہ انسانی عقل کی آخری منزل ہے۔

ابن یمین کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عملی تعلیم دیتا ہے۔ یعنے جب وہ نظری اور عقلی طور پر معاش کے متعلق ہر شخص کی ذمہ واری کو محدود کر چکتا ہے تو اسی عقلی حیثیت سے وہ عملی طور پر بھی تحصیل معاش کا واضح طریقہ سکھاتا ہے۔ سعی و عمل کی تبلیغ کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ جو مال اس طریقہ سے حاصل ہو اس کو افراط و تفریط سے الگ رہ کر مناسب طریقہ پر اپنے اور اہل و عیال کے کھانے پینے پر صرف کرنا چاہیئے۔ اور ایسا ذخیرہ فراہم نہیں کرنا چاہیئے۔ جو جنگ انقلاب زمانہ اور ورثاء کی دستبرد میں آسکے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ انسان کو معاش کے معاملے میں جد و جہد سے چارہ نہیں اور بغیر محنت کے دولت حاصل نہیں ہوسکتی۔

گرچہ روزی بے سعی ہوتی تاہم اس کو تلاش کرو۔ کیونکہ سعدی نے کیا خوب کہا ہے

کہ یزداں رزق اگر بے سعی دادے　　بمریم کے ندا دادے کہ ہُزّی

کہ خدا اگر روزی بغیر کوشش کے دیتا تو مریم کو کب یہ آواز دیتا کہ درخت خرما کو ہلا دو

کیونکہ روزی اگرچہ ہر شخص کی قسمت میں لکھی ہوئی ہے اس لئے لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے زحمت برداشت نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ خداوند تعالےٰ نے ایک شخص کی روزی مصر میں اور ایک کی شام میں مقرر کی ہے۔ اس لئے اس کی جستجو میں ان ممالک کا سفر کرنا چاہیئے۔ اور یہ دوڑ دھوپ صرف اطاعت خداوندی کے لئے ہوگی۔

بعلم اللہ کہ در امور معاش　　نرود ہمت من از پئے آز

خدا جانتا ہے کہ معاش کے معاملے میں میری ہمت حرص و آز کے پیچھے نہیں پڑتی۔

لیکن از کوششے نخواہم کرد　　بیشک افتد بنا سزام نیاز

لیکن اگر میں اس کے لئے کوشش نہ کروں۔ تو مجھ کو نالائق لوگوں کا نیاز مند ہونا پڑے گا۔

اور آدمی کو اپنی ضروریات خود پوری کرنی چاہیئیں۔ دوسروں کا سہارا ڈھونڈھنا نہیں چاہیئے

اے خرد مند نام جوئے سیر　　ہر کہ در کارہا چہ بیش و چہ کم

اے عقلمند اور شہرت پرست جو شخص چھوٹے بڑے کام میں

قدم از سر کند قلم کردار　　بر خطش سر نہند اہل قلم

قلم کے مانند سر کے بل چلتا ہے اہل قلم اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

پادشاہ وحوش ازاں باشد　　کہ بخود کار خود کند ضیغم

شیر اس لئے جانوروں کا بادشاہ ہوا ہے کہ اپنا کام خود کرتا ہے

آدمی کو کام کرنا چاہیئے اور اپنا کام خود کرنا چاہیئے۔

ہم ز خود جوی ہر چہ میجوئی　　کہ بغیر از تو در جہاں کس نیست

جو کچھ ڈھونڈھتے ہو خود ڈھونڈھو۔ کہ دنیا میں تمہارے سوا کوئی نہیں ہے۔

گر بہ بندی کمر بخدمت خود   خدمت دیگرانت باید کرد

اگر اپنی خدمت کرنا چاہتے ہو تو تم کو دوسروں کی خدمت بھی کرنی چاہئے

در ہمہ کارہا چہ نیک چہ بد   فکر سود و زیانت باید کرد

تمام برے بھلے کاموں میں تم کو نفع و نقصان کی فکر کرنی چاہئے

در ہمہ جا و در ہمہ مورد   بر نفس اعتماد باید کرد

ہر موقع پر اپنے اوپر بھروسا کرنا چاہئے۔

یہ قطعہ بھی اُس کی روشنی طبع کی دلیل ہے

خلق جہاں کہ خدمت داداد میکنند   ہستند بر سہ قسم کہ ایں کار میکنند

جو لوگ خدا کی بندگی کرتے ہیں انکی تین قسمیں ہیں۔

قسمے شدند از پے جنت خدا پرست   ایں رسم و عادتے است کہ تجار میکنند

ایک وہ لوگ جو جنت کے لئے خدا پرست ہوئے ہیں اور یہ ایک ایسی رسم ہے جو تاجروں کا شیوہ ہے

قومے دگر کنند پرستش ز بیم او   ایں کار بندگانست کہ احرار میکنند

دوسرے وہ لوگ جو خدا کے خوف سے اس کو پوجتے ہیں اور یہ غلاموں کا کام ہے جسکو آزاد لوگ کرتے ہیں

جمعے نظر ازیں دو جہت قطع کردہ اند   بر کار ہر دو طائفہ انکار میکنند

تیسرے وہ لوگ جنہوں نے ان دونوں سے توجہ ہٹائی ہے اور دونوں کے کام سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں

چوں غیر خویش مرکز ہستی نیافتند   بر گرد خویش دور چو پرکار میکنند

چونکہ انہوں نے اپنے سوا کسی اور چیز کو ہستی کا مرکز نہیں پایا۔ اس لئے پرکار کے مانند اپنے ہی گرد حرکت کرتے ہیں۔

ایں است راہ حق کہ سیم فرقہ میروند   سیر و سلوک راہ بہنجار میکنند

راہ حق بھی ہے جس پر یہ تیسرا گروہ چلتا ہے اور انکا سفر ایک روش خاص پر ہوتا ہے

اس لحاظ سے عقبی فائدہ کے لئے خدا کی عبادت تاجروں کا کام۔ عقلمند لوگوں کا

ہے۔ بلکہ بعض لوگوں میں یہ وصف
پائے جاتے ہیں اور وہ لوگ تحقیقات اشیاء عالم کی کوشش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ دنیا میں انکے سوا کوئی چیز نہیں ہے اور اپنے سوا کسی چیز پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ خواجہ حافظ نے اسی خیال کو چند سال بعد یا شاید اسی زمانے میں اس طرح ظاہر کیا ہے

چو تو خود کنی اختر خویشش را بد مدار از فلک چشم نیک اختری را

جب تم خود اپنی قسمت کو برا بناتے ہو تو آسمان سے خوش قسمتی کی توقع نہ رکھو

اور ابن یمین بھی اس شعر میں اسی نکتہ کو بیان کرتا ہے۔

ہم زخود دان اگر فتد روزے طوق یا غل نصیب گردن تو

اگر کسی دن تمہارے گلے میں طوق پڑ جائے۔ تو یہ سمجھو کہ یہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے

اس لئے اپنے اوپر اعتماد کرو اور چونکہ صرف تمہیں مرکزی حیثیت رکھتے ہو۔ اس لئے پرکار کے مانند اپنے ہی گرد گردش کرو۔ اور جو کچھ کرو اپنی خوش نصیبی کے لئے کرو۔

چوں روزِ کار ہست تصحیف روزگار پس روزکار خوانمدنش بہ کہ روزگار

جب ذرا سے تغیر سے "روزگار" "روزکار" (یعنے کام کا دن) ہوجاتا ہے تو اس کو "روزکار" (یعنے کام کا دن) کہنا چاہئے نہ کہ روزگار۔

یعنے کہ روزکار چنیں است کار کن کایں روز چوں گذشت وگر نیست روزگار

یعنے کام کا دن جب کہ یہ ہے تو کام کرو۔ کیونکہ جب یہ دن گذر گیا تو پھر زمانہ آنیوالا نہیں ہے کام کرنا چاہئے اور وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ غفلت، سعادت پر ایک سخت ضرب لگانیوالی چیز ہے۔

کارِ امروز ہر کہ فردا کرد نشود بر مرادِ خود پیروز

جس نے آج کے کام کو کل کیا وہ اپنے مقصد کو حاصل نہ کرسکیگا۔

نقد نتواں بہ نسیہ داد از دست ہیچ فردا نیافت کس امروز

نقد کو ادھار کے لئے ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے۔ کوئی "کل" کو آج نہیں پاسکتا

کرو اور بات بنانا چھوڑ دو۔ باتیں بنانے سے کام نہیں ہو سکتا۔

پہلے باب میں اس کے جو سوانح زندگی بیان کئے جا چکے ہیں۔ وہ بھی اسی نہ تھکنے والی کوشش کا ایک عملی نمونہ ہیں۔ یعنے جس کوشش نے ساٹھ سال تک اس کو پچاس آدمیوں کی مداحی پر مجبور کیا۔ اسی نے اس کو طویل سفر اور اعزہ و اقارب اور اہل و عیال کی مفارقت پر بھی آمادہ کیا۔ چونکہ انقلابات زمانہ نے کاشتکاری کے پیشہ کو بے نتیجہ بنا دیا تھا اور اس کے حریص اعزہ و اقارب نے ظالمانہ طور پر اس کے کھیتوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس لئے اس نے کاشتکاری کو ایک غیر مفید چیز سمجھ کر فوراً اپنی قسمت کو ہر روز ایک نو پیدا سلطنت سے وابستہ کرنا چاہا۔ اور یہ کوشش کی کہ قصیدہ گوئی (کیونکہ اس کے اخلاقی قطعات نے اس کو کوئی مادی فائدہ نہیں پہنچایا) کے ذریعہ سے جو اس زمانے میں بلکہ آج سے چند سال پہلے بھی کوئی برا کام نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ بلکہ لوگوں کی نگاہ میں ایک معزز کام تھا۔ اپنی زندگی میں آسانیاں پیدا کرے۔ اس کو جس قدر ممدوح ملے وہ بھی بہت زیادہ قابل و شائستہ نہ تھے۔ کیونکہ انہوں نے اُس پرورش میں اس فیاضی سے کام نہیں لیا۔ کہ وہ کچھ دنوں کے لئے بالکل بے نیاز ہو جائے اس لئے مجبوراً ابن یمین کو بار بار درخواست کرنی پڑتی تھی۔ یہاں تک کہ بارانی، شراب اور جینت ناؤ کاغذ بھی اس کو مانگنا پڑتا تھا۔ قہستان، خراساں۔ گرگان اور ہرات کے تمام نو بدولت رسیدہ امراء کے دربار سے تعلق پیدا کرتا۔ انتہائی جدوجہد سے کام لیتا اور سلاطین۔ امراء وزراء اور شہر کے تمام اعیان و اکابر کا تجربہ کرنا پڑتا تھا اس کے علاوہ خواجہ علاء الدین محمد کے سوا ابن یمین کسی دربار کا خاص شاعر نہ تھا۔ اور جن امراء نے تخت سلطنت پر قدم رکھا۔ انکی امارت خود اس قدر ناپائدار اور متزلزل تھی۔ کہ دوسرے لوگ تو الگ رہے وہ خود اپنی حالت کو سنبھال نہیں سکتے تھے۔ خواجہ علی موید کے سوا امرایان سربدار میں کسی نے تین چار سال سے زیادہ حکومت نہیں کی۔ اور اس مدت میں بھی ہمیشہ اپنی حفاظت اور دوسروں کی لوٹ مار کی فکر میں

[illegible]

نہیں ملا۔ اس نے اپنی جائداد اور گھر بار وغیرہ کی تباہی سے بھی امرا کے دامن میں پناہ لینی پڑی۔ جیسا کہ وہ ایک قطعہ میں لکھتا ہے۔

یارب چہ موجب است کہ روزے نگفت شاہ کابن یمین بہ دل شیدا چہ میخورد

خداوندا یہ کیا سبب ہے کہ بادشاہ نے کسی روز یہ نہ کہا کہ ابن یمین کیا کھاتا ہے؟

چوں ہر چہ داشت رفت بتاراج حادثات وزما نیافت ہیچ پس آیا چہ میخورد

اسکی تمام ملکیت اور جائداد تو حوادثات زمانہ نے برباد کر دی اور ہم سے بھی کچھ نہیں ملا۔ پھر آخر کیا کھاتا ہے؟

باشد ملازم در ما ہمچو آستان جز خاک این جناب معلا چہ میخورد

ہمارے دروازے سے چوکھٹ کی طرح لگا لپٹا رہتا ہے۔ پھر اس درگاہ کی خاک کے سوا کیا کھاتا ہے؟

دانم کہ نوکری دو سہ و اسپکش ہست ور نیز نیست اینہمہ تنہا چہ میخورد

مجھے معلوم ہے کہ اس کے پاس دو تین نوکر اور ایک گھوڑا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو وہ تنہا کیا کھاتا ہے؟

چوں خود نداشت ثروت و از ما نیافت ہیچ دانم کہ بے نوا بود اما چہ میخورد

چونکہ وہ خود دولت نہیں رکھتا اور ہم سے بھی کچھ نہیں پایا یہ سچ ہے کہ وہ فقیر ہے لیکن کیا کھاتا ہے؟

جیسا کہ آئندہ فصل سے معلوم ہوگا۔ اس بدسلوکی کے علاوہ جو اس کے ہمسایوں نے اس کے ساتھ کی۔ اس زمانے کی عالمگیر غارتگری کے اثر سے بھی وہ محفوظ نہ رہ سکا۔ اس کی جوزبنداری برباد ہوئی۔ اور ہمسایوں نے اس پر دست تعدی دراز کیا۔ وہ اس کی معاش کے لئے کافی نہ تھی۔ اس لئے مدح سرائی کے علاوہ اُس کی معاش کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس نے صرف اسی ذریعہ سے اپنی معاش کا سامان کیا ہے۔ بلکہ زراعت اور طباعی کے سوا اس نے سرکاری ملازمت بھی کی ہے اور برسوں محاسب اور عامل دیوان رہ چکا ہے۔ غرض معاش کے لئے

اس نے [illegible] ذرائع اختیار کئے ہیں [illegible] تمام [illegible] کبھی انہی ذرائع کے اختیار [illegible]

کہ جب تک کوئی شخص بذات خود امیدوار نہ ہو۔ راہ طلب میں قدم نہ اٹھائے اور اپنی خوش نصیبی کے لئے کوشش نہ کرے۔ وہ کسی درجہ پر فائز المرام نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس پر اپنی طویل زندگی میں بعض اور اسرار بھی منکشف ہوئے ہیں۔ اور اس عقیدے میں اس پر بے اعتدالی کے نتائج بد کا انکشاف ہوا ہے۔ اس نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے۔ جنہوں نے جاہ و مال کے لئے بہت سی کوششیں۔ اور رات دن اس کے لئے اسباب و وسائل مہیا کرتے رہے ہیں۔ اور بالآخر مقدمات و ذرائع کی ترتیب اس خوبصورتی کے ساتھ دی ہے۔ کہ نتیجہ مطلوبہ کا حصول یقینی ہو گیا ہے۔ لیکن باایںہمہ زمانہ کی ایک ناگہانی گردش نے اس تمام مرقع کو اس طرح الٹ پلٹ دیا ہے کہ عقل و دور اندیش حیرت میں رہ گئی ہے۔ ایسی حالت میں یہ معلوم ہے کہ یہ شخص کس قدر مایوس ہوا ہوگا۔ اور اس کا کام کس قدر غیر پسندیدہ اور شرمناک نتیجہ کی طرف منجر ہوا ہوگا۔ اس قسم کے واقعات سے ابن یمین نے یہ رائے قائم کی ہے۔ کہ انسانی فکر اور انسانی کوشش کتنی ہی موثر ہو۔ لیکن باایںہمہ وہ آنے والے زمانے کے تمام اسرار و غوامض پر حاوی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اتفاقی گردش زمانہ ایک مضبوط رسی کے روئی بنانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اس سے ابن یمین نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ دنیا میں ایک مبہم مخلوط اور غیر مرئی چیز انسانی ارادہ سے بھی قوی اور تیز تر ہے۔ جو فطرت کے غیر متناہی موثرات اور ایک عظیم الشان طاقت کے ارادہ سے پیدا ہوتی ہے اور ابن یمین نے اس مبہم اور غیر مرئی چیز کی تفسیر و تشریح کے لئے کوئی لفظ قضا و قدر اور نوشتہ تقدیر سے زیادہ جامع اور آسان نہیں پایا۔ اس بنا پر اس خیال سے کہ اس کے مرید مغرور اور ایک باجبر حقیقی اور ناگہانی قوت سے غافل نہ ہو جائیں۔ اس نے ان لوگوں کو بتایا کہ عین جدوجہد کی حالت میں جب مقدمات بالکل نتیجہ تک پہنچا دینے والے ہوں۔ یہ یقین رکھو کہ تمہارے فکر ہمیشہ صائب اور

[illegible]

بخلد۔ از بلا ئیوسے خلاص کہ تقدیر برفت ازحذر راست

ڈرسے مصیبت سے نجات نہ حاصل کرو کہ ڈر تقدیر کے مقابل میں ایک بیکار چیز ہے

بقضا داون نت رضا اولی است گر نکوئی و گر بدی باشد

نیک ہو یا بد برا ہو یا بھلا۔ تقدیر الٰہی پر راضی ہو جانا ہی بہتر ہے

اگر کوئی مقصد خاطر خواہ حاصل ہو گیا ہے تو اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک اتفاقی موقع ہاتھ آگیا ہے۔ جو الٹے پاؤں بھاگ نکلنے والا ہے اور دم کو غنیمت سمجھنا چاہیے

اے دل چو ممکن است کہ روزے بسر بری کایام زیر بکام تو یک گام نسپرد

اے دل اگر کسی دن یہ ممکن ہو جائے نہ زمانہ بغیر تمہاری موافقت کے ایک قدم بھی نہ اٹھائے۔

نومید بس مباش و بشادی گذار عمر شاید کہ عمر تو ہمہ زینگونہ بگذرد

بہت نا امید مت ہو اور خوشی کیساتھ زندگی گذارو شاید کہ تمہاری تمام عمر اسی طرح بسر ہو جائے۔

ابن یمین کے دیوان کے بعض نسخوں میں بالخصوص اس نسخہ میں جو ہندوستان میں چھپا ہے اس کی طرف یہ دو شعر بھی منسوب ہیں۔

جہان بگشتم و آفاق سربسر دیدم نہ مردمی اثر از مردمی اثر دیدم

میں تمام دنیا میں پھرا اور تمام ملک دیکھے۔ لیکن مردمی کا کوئی اثر نہیں پایا

ز حادثات جہانم ہمیں پسند آمد کہ نیک و زشت و بد و خوب در گذر دیدم

حادثات زمانہ سے مجھ کو صرف یہ پسند آیا۔ کہ نیک و بد اور برے بھلے سب چلتے پھرتے رہتے ہیں۔

یہ دونوں شعر اسمٰعیل کمال کے دیوان میں ایک بڑے قصیدہ کے ضمن میں دیکھے گئے ہیں۔ غالبًا ابن یمین کے نہیں ہیں۔ لیکن بہرحال ذیل کے شعر میں بھی مضمون ادا کیا گیا ہے۔

نیک و بد دہر چوں میگذرد لاجرم ابن یمین زین دو حال خرم و غمناک نیست

چونکہ زمانے کا نیک و بد بہرحال گذر جانے والا ہے۔ اس لئے ابن یمین ان دونوں سے نہ خوش ہے

رکھ سکے۔ لیکن ہر شخص اس کی قدرت نہیں رکھتا۔ بلکہ عوام کے لئے ایک سرنوشت ازلی کا اعتقاد نہایت ضروری ہے۔ تاکہ محرومی و ناکامی کے موقع پر اس کی مساعدت کے امیدوار رہیں اور مشیت خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کر کے فرحان و شادان رہیں

آخر ے چہ چارہ ابن یمیں رو صبور باش   کاندر ازل ہر چہ رود خامہ راندہ اند

آخر اے ابن یمین چارہ کار کیا ہے؟ چل صابر رہ کیونکہ جو کچھ ہونیوالا ہے اس کو ازل ہی میں لکھ دیا ہے

اس سے زیادہ ذیل کے قطعات ہیں اس نے لوگوں کو تسلیم و رضا کی دعوت دی ہے

رزق مقسوم است و وقت آں معین کردہ اند   بیش ازیں و بیش ازاں حاصل نمیگردد بجہد

روزی تقسیم کر دی گئی ہے اور اس کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا ہے اس سے اور اس سے زیادہ کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہر چہ مے آید ز نیک و بد بداں خرسند باش   کانچہ خواہی ز آسمان واصل نمیگردد بجہد

جو کچھ برا بھلا پیش آجائے اس پر خوش رہ کیونکہ تو جو کچھ چاہتا ہے وہ آسمان سے کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہر کہ با ادبار آمد توام از آغاز کار   گو مرنجاں خویش را اقبال نمیگردد بکہار

جس شخص کی قسمت میں ازل ہی سے ادبار لکھا ہوا ہے۔ اس سے کہو کہ خواہ مخواہ تکلیف نہ اٹھائے۔ وہ کوشش سے اس کو اقبال نہیں حاصل ہو سکتا۔

چوں رسد روزی بوقت خویشتن   زحمت جستن چرا بر خود نہی

جب روزی خود بخود اپنے وقت پر پہنچتی ہے۔ تلاش و جستجو کی زحمت کیوں کرتے ہو۔؟

بے اجل چوں کس نخواہد مرد نیز   پس چرا از عجز و سستی تن دہی

بے موت چونکہ کوئی شخص مر بھی نہیں سکتا۔ تو پھر کیوں عاجز اور سست بنتے ہو!

رزق مقسوم است لاترحل بہ   موت محتوم است لاتحفل بہ

روزی لکھی ہوئی ہے اس کے لئے سفر نہ کر۔ موت یقینی ہے۔ اس کی پروا نہ کر۔

[illegible] ہے۔ ابن یمین نے ایک گوشہ [illegible] کا نتیجہ جو اس کی زندگی کا نصب العین
ہے نکالا ہے اور ہم کو ایک ایسی زندگی کی ترغیب دی ہے۔ جس میں اندرونی اور بیرونی
دونوں حیثیتوں سے آرام ہے آرام ہے۔ بیرونی حیثیت سے تو کوئی شخص اس کے آرام میں
اس لئے خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ کہ مال زیادہ موجود نہیں ہے اور اندرونی حیثیت سے تو کوئی
شخص اس میں اس لئے بے اطمینانی پیدا نہیں کر سکتا۔ کہ حرص کا وجود نہیں ہے۔ دو قوی
اور موثر پاسبان ہیں۔ جو ہماری زندگی کو بے چینی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ باہر سے فقر اور
اندر سے قناعت۔

دو قرص ناں اگر از گندم است و گر از جو　　　دو تائی جامہ اگر کہنہ است و گر از نو

دو روٹی چاہے گیہوں کی ہو چاہے جو کی۔ دو عدد کپڑا چاہے پرانا ہو چاہے نیا

چہار گوشہ دیوار خود بخاطر جمع　　　کہ کس نہ گویدزیں جا بخیز و آنجا رو

ایک چاردیواری اور خاطر مطمئن کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے۔ کہ اس جگہ سے اٹھو اور وہاں جاؤ۔

ہزار مرتبہ بہتر نزد ابن یمین　　　ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو

ابن یمین کے نزدیک۔ کیقباد اور کیخسرو کی سلطنت سے ہزار درجہ بہتر۔

ابن یمین کے نزدیک زندگی کا یہ آخری مرحلہ ہے اور انسان کی تمام کوشش، توجہ
اور توکل کو وہ اسی "عیش مطمئن" تک پہنچانا چاہتا ہے۔ اس نے اس موضوع پر اس کثرت
سے قطعات لکھے ہیں۔ کہ اس موقع پر انکا نقل کرنا موجب اطناب و طوالت ہو گا۔ ان
تجربات کے علاوہ جن کی بنا پر اس نے گوشہ قناعت سے بہتر کوئی مامن و ملجا نہیں پایا۔
ایک اور چیز یعنے اس کی فطرت نے بھی اس کو اس عزلت گزینی پر آمادہ بلکہ مجبور کیا ہے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابن یمین فطرۃً ملنسار آدمی نہ تھا اور اس کے فطری خصائل نے
اس کو مجامع انسانی سے دور اور تنہائی سے قریب کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے۔

دی یکے گفت چیست ابن یمین　　　با کنارے شد از میان گروہ

کل کسی نے کہا کہ ابن یمین۔ کیوں مجمع سے الگ تھلگ ہو گیا۔

جو شخص اس قدر عقلمند اور دور اندیش ہوگا۔ اس کو فطرۃً لوگوں میں ایسے عیوب نظر
آئیں گے جنکو معمولی لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ اس کو لوگوں کے نتائج اعمال بغیر مطالعہ کے سامنے
نظر آتے ہیں۔ وہ لوگوں کی سفاہت کو انکی لوح پیشانی پر لکھا ہوا پاتا ہے۔ اور ان لوگوں کی
خبث باطنی کا مطالعہ جو ایک دوسری کی شکست دینے میں شب و روز مصروف ہیں۔
انکی آنکھوں کے درمیان کرتا ہے۔ اور ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ انکے میل جول
کو برداشت نہیں کرسکتا۔

صحبتِ خلق جز نفاقے نیست ۔ دلِ نستوہم از نفاق ستوہ

لوگوں کی صحبت نفاق کے سوا کچھ نہیں اور میرا بے لاگ دل نفاق کو برداشت نہیں کرسکتا

وہ لوگوں کو اپنے ہم جنسوں میں شمار نہیں کرتا اور کہتا ہے۔

جنس من چوں نیند تنہا ام ۔ درمیان جماعتے انبوہ!

چونکہ کوئی میرا ہم جنس نہیں ہے اس لئے میں جماعت انسانی کے درمیان تنہا ہوں۔

چوں ندارم نظر بردو قبول ۔ خواہ مارا ستائے و خواہ نکوہ

چونکہ مجھ کو رد و قبول کی پروا نہیں۔ اس لئے چاہے میری تعریف کرو چاہے ہجو۔

لیکن عزلت گزینی اور گوشہ نشینی کا مادہ خود اس کی فطرت ہی میں موجود تھا۔ اور یہ
ایک دلیل کے سوا یہ تمام متذکرہ بالا دلائل سطحی ہیں اور وہ دلیل یہ ہے۔

گفتمش بندہ را دلے باشد ۔ بس لجوج و ملول و بس نستوہ

میں نے اس سے کہا کہ میرا دل ہی نہایت ضدی۔ نازک مزاج اور بے میل ہے۔

جب انسان کے دل میں یہ مادہ موجود ہوتا ہے تو دوسری چیزیں بھی اسکو تقویت
دیتی رہتی ہیں۔ اور لوگوں کا نفاق آمیز برتاؤ ملنے جلنے والوں کی جہالت اور انکا ظلم
دوستوں کے زمانہ صحبت کی بے ثباتی فقر اور بے سروسامانی کی شرم یہ تمام چیزیں
اس کو ترقی دیتی ہیں۔ اور اگر ان موثرات خارجی کے ساتھ چند دوسرے موثرات بھی جو

کو صاف نظر آتا ہے۔ کہ ابن یمین کی زندگی کے یہ تمام ضروری سامان گوشۂ خلوت میں مکمل طور پر جمع ہو گئے تھے۔ اس کی بلند طبیعت اور اس کی دور اندیش عقل لوگوں کی بداخلاقی کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اور اکثر اوقات اس کو جھلاہٹ اور بدزبانی پر آمادہ کرتی تھی اور اس شدت کے ساتھ کرتی تھی۔ کہ بہت سے موقعوں پر اس کو فوائد سے محروم ہونا پڑتا تھا۔ اور اس کے ممدوح اور قیامگاہ میں بار بار جو تغیرات واقع ہوا کرتے تھے اس کا ایک سبب بھی بدزبانی اور دوسروں کے پست اخلاقی کا برداشت نہ کرنا تھا۔ چنانچہ ایک وزیر کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

مکن بشغل تعلل کہ وقت معزولی　　　کس از تو یاد نیارد بہیچ تاوانے

کام میں جلد حوالہ نہ کرو۔ کیونکہ معزولی کے وقت کوئی کسی تاوان کے وقت تم کو یاد نہ کرے گا

خواجہ علاءالدین سے اس کی ناراضی اور سخت زبانی۔ طغائے تیمور خاں پر اس کا غصہ اور علی شمس الدین کی بدگوئی کا تمامتر سبب اس کی یہی خلوت گزینی اور بے میل زندگی تھی

شوربائے چشم خود خوردن بر ابن یمین　　　بہ کہ باید خورد سکباے رخ ہر ناکسے

خود اپنی آنکھ کا شوربا (آنسو) کھانا ابن یمین کے نزدیک ہر ناقص شخص کے چہرے کے سرکہ آمیز سالن کھانے سے بہتر ہے۔

یعنی کسی کے ترش روئی کے برداشت کرنے سے بہتر یہی ہے کہ انسان اپنے فقر و فاقہ کی مصیبت کو برداشت کرلے۔ اس جگہ اختصار کے ساتھ ابن یمین کے فخر و ناز کے لئے یہ لکھنا ضروری ہے کہ اس کو اگرچہ متصل ناکامیاں ہوتی رہیں۔ وہ اگرچہ ایک ضدی اور بے میل طبیعت رکھتا تھا اور اپنے معاصرین کے اخلاق کو پسند نہیں کرتا تھا۔ باایں ہمہ اس نے اپنے دس ہزار اشعار میں جنکو اس نے اپنی یادگار میں چھوڑا ہے۔ ایک لفظ بھی کسی کی ہجو میں زبان سے نہیں نکالا ہے۔ اگرچہ اس نے قطعہ گوئی کی وجہ سے سوسائٹی کے حالات بہت زیادہ بیان کئے ہیں اور بہت سے خاندانی اور جزئی مسائل سے بحث کی ہے۔ لیکن باایں ہمہ

اخلاقی ہمت و جرأت نفس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور اسی گوشۂ تنہائی میں معاشرت اور انتخاب دولت کے متعلق اس کے عقاید و خیالات معلوم ہوتے ہیں۔

گوشہ گیر و کنارے ز ہمہ خلق جہاں ‍ ‍ ‍ تا میان تو و غیرے نبود دادو ستد

لوگوں سے گوشہ گیری اور علیحدگی اختیار کرو تاکہ تمہارے اور دوسروں کے درمیان لین دین نہ ہو

زانکہ با ہر کہ ترا دادو ستد پیدا شد ‍ ‍ ‍ گفتہ آید ہمہ نوعے سخن از نیک و بد

کیونکہ جس شخص کے ساتھ تمہارا لین دین ہوا۔ کسی نہ کسی طرح اس کے نیک و بد باتوں کو کہنا پڑے گا۔

بگذر از صحبت ہمدم کہ ترا ہست دلے ‍ ‍ ‍ ہمچو آئینہ و آئینہ ز دم تیرہ شود

ہمدم کی صحبت کو چھوڑ دو کہ تمہارے پاس آئینہ کی طرح ایک دل ہے اور آئینہ پھونک مارنے سے دھندلا ہو جاتا ہے

کیوں؟ اس لئے کہ

در جہاں ہیچ کس نہ دیدم کو ‍ ‍ ‍ عاقبت دوستی بباد نداد

میں نے دنیا میں کسی چیز کو نہیں دیکھا جس نے دوستی کو برباد کر دیا ہو۔

چوں چنیں است ہر کہ در عالم ‍ ‍ ‍ فرد گردد خدا جزاش دہاد

جب یہ حالت ہے تو جو شخص دنیا میں تنہائی اختیار کرے خدا اس کو جزائے خیر دے

اصولی طور پر

اہل عالم سہ فرقہ بیش نیند ‍ ‍ ‍ چوں طعام اند ہمچو دارو درد

اہل دنیا تین گروہ سے زیادہ نہیں اور یہ تینوں گروہ مثل کھانے دوا اور مرض کے ہیں۔

فرقۂ چوں طعام در خورِ نہ ‍ ‍ ‍ کہ از ایشاں گریز نتواں کرد

ایک گروہ مثل کھانے کے اس قدر ضروری ہے کہ اس سے مفر نہیں ہو سکتا۔

باز جمعے چو دارو اے در دِ ند ‍ ‍ ‍ کہ بداں گہ گہست حاجتِ مرد

اور دوسرا گروہ مثل دوا کے ہے۔ کہ آدمی کو اس کی کبھی کبھی ضرورت ہوتی ہے۔

جمع دیگر چو درد با ضرر اند ‍ ‍ ‍ تا توانی بگرد درد مگرد

تیسرا گروہ مرض کی طرح مضر ہے اور جہاں تک ہو سکے مرض سے علیحدہ رہو۔

بلکہ نادر نہیں رہا تاہم وہ لوٹ کو اس کے پاس آئے اور آدمی کو جس گروہ کے سامنے بھی
کبھی اپنی ضرورت پیش کرنی پڑتی ہے وہ وزراء و سلاطین کا فرقہ ہے۔ جنکو دولت بغیر
محنت کے حاصل ہوتی ہے اور وہ لوگ عادتاً اور رسماً گوشہ نشینوں کو بھی اس کا ایک حصہ
دیتے ہیں لیکن تیسرا فرقہ عوام کا ہے۔ جو دوسروں کو تکلیف دینے کے سوا اور کوئی
دوسرا ہنر نہیں رکھتا اور انکے میل جول سے رنج و نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا
اس لئے عقلمند آدمی کا کام یہ ہے کہ وہ یا تو بادشاہوں کے دربار میں رہے یا اپنے ہمجنسوں
کے ساتھ زندگی بسر کرے اور یہ ایک ایسی مشق ہے جس کو ہاتھی سے سیکھنا چاہیئے۔

ہنرمند باید کہ باشد چو پیل　　کزیں نوع ہر جائے بسیار نیست

ہنرمند آدمی کو ہاتھی ہونا چاہیئے۔ جو ہر جگہ بہت نہیں ہوتے۔

بہ بیشہ دروں یا بدرگاہ شاہ　　کہ او لائق اہل بازار نیست

وہ یا جنگل میں رہتا ہے یا شاہی دربار میں کہ وہ بازاریوں کے قابل نہیں ہے۔

جب صرف یہی دو صورتیں قابل اختیار ٹھیریں تو عقلمند آدمی کے لئے دربار شاہی
کا پیدا کر لینا کوئی دشوار کام نہیں۔ اور اس کے لئے اس کو کسی کی رہنمائی کا محتاج ہونا نہیں
پڑے گا۔ اس حالت میں ابن یمین کی نصیحت صرف یہ کہ انسان کمینوں سے علیحدہ رہے

ابن یمین ز سفلہ مجوے آب زندگی　　در جان ز تشنگی کند از تن مفارقت

اے ابن یمین کمینہ آدمی سے آب حیات مت مانگ۔ گو پیاس سے جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

البتہ دوسری صورت یعنے ہم جنس کا پیدا کرنا اور جنگل میں جا بسنا آسان کام نہیں ہے
کیونکہ ہر آدمی کو دوست نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اور ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیدینا چاہیئے
اس لئے ابن یمین دوست کے انتخاب کے لئے چند اصول کی تعلیم دینا ضروری سمجھتا
ہے اور وہ یہ ہیں کہ

ہر کسے را چنانکہ ہست بداں　　پس بداں قدر دوستی میکن

ہر شخص جیسا ہے ویسا ہی اس کو جان لو اور اسی نیت سے اس کے ساتھ دوستی کرو۔

بادشاہ ہو اور نئے دوستوں کے لئے پرانے دوستوں سے علیحدگی نہ اختیار کرو

اس قطعہ سے اجمالاً وابھاماً یہ مفہوم ہوتا ہے۔ کہ ایک طویل تجربہ سے پہلے دوست کا انتخاب کرنا غلطی ہے اور تجربہ کے بعد بھی نئے دوست کو پرانے دوست کے برابر نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ پرانے دوست نے ابتدائی امتحانات کے علاوہ دوستی کے بقا وقیام کے زمانہ میں بھی اپنے دوستانہ کی حیثیت کو محفوظ رکھا ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ نئے دوست میں ابتدائی امتحانات کے بعد بھی مشتبہ رہتی ہے اور اس لحاظ سے پرانے دوست کو ایک گوہر بے بہا خیال کرنا چاہئے۔

یارِ کہن را بہیچ رو مدہ از دست   بہر حریفاں تو کہ نیک نباشد

پرانے دوست کو کسی طرح نئے دوستوں کے لئے ہاتھ سے نہ کھو۔ کیونکہ یہ اچھا کام نہیں۔

لیکن دوست کی جانچ پڑتال کے لئے ابتدائی امتحانات کی ترتیب یہ ہے

ہر کرا با خود مصاحب مے کنی   بنگرش تا خویش را چوں میبرید

تم جس شخص کو اپنا مصاحب بنانا چاہتے ہو۔ اس کو دیکھو کہ وہ کیونکر زندگی بسر کرتا ہے۔

گر بلت در حال سامانیش ہست   میل او کن کو بقانوں میبرید

اگر اس کی حالت کے مناسب اس کے پاس سامان ہے تو اس کیطرف توجہ کرو۔ کیونکہ وہ ایک با اصول زندگی بسر کرتا ہے۔

در نباشد رونقے در کار او   زانچہ حد او ست افزوں میبرید

اگر اس کے کاروبار میں رونق نہ ہو تو وہ اپنے حدود سے باہر زندگی بسر کرتا ہے۔

سالہا گر تربیت خواہش کرد   ہم چناں باشد کہ اکنوں میبرید

اگر برسوں اس کی تربیت کرتے رہوگے۔ تب بھی وہ ویسا ہی رہیگا جیسا اب ہے

یہ اصول عورت اور دوست دونوں کے انتخاب کو شامل ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنے مال اور حیثیت کی خود حفاظت نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے دوست کے مال اور عزت بلکہ آخیر میں اس

ہم کو حوادث زمانہ کے پیش آنے کے متعلق یہ نصیحت کرتا ہے۔

در تصاریف جہاں پائے بیفشار چو کوہ   تا ترا طرف کمر لعل و زمرد باشد

حوادثات زمانہ کا مقابلہ پہاڑ کی طرح استقلال کے ساتھ کرو تاکہ تمہاری کمر تک لعل و زمرد کا ڈھیر ہو۔

خاموشی کی تعلیم اس طرح دیتا ہے۔

گر خموشی چو باز سیرت تست   دست شاہاں بود نشیمن تو

اگر باز کی طرح خموشی تمہارا شیوہ ہے تو بادشاہوں کا ہاتھ تمہارا نشیمن ہوگا

ور بر آری خروش چوں بلبل   ہست زندانِ پست مسکن تو

اور اگر بلبل کی طرح شور کروگے تو ایک پست قید خانے میں تمہاری جائے قیام ہوگی۔

قناعت اور استغنا کا سبق اس طرح دیتا ہے۔

دو بدرہ گاو بدست آوری و مزرعہ   یکے امیر و یکے را وزیر نام کنی

دو بیل حاصل کرو اور کچھ کھیت ان میں سے ایک بیل کا نام امیر رکھو اور ایک کا وزیر

اگر کفاف معاشت نہ می شود حاصل   روی و شام بشے از جہود وام کنی

اگر تم کو بقدر ضرورت روزی نہ حاصل ہو تو جاؤ اور کسی شام کو ایک کافر سے قرض ادھار کرکے لاؤ

ہزار بار ازاں بہ کہ با مداد پگاہ   کمر بہ بندی و بر چوں خودے سلام کنی

یہ اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ صبح کیوقت کمر باندھ کے جاؤ اور اپنے ہی جیسے شخص کو سلام کرو

اس کے اشعار میں اور بھی بہت سے اخلاقی مسائل ہیں۔ مثلاً باپ کی عزت کرنا۔ خدا کی عبادت کرنا مصیبتوں کو برداشت کرنا۔ رازداری کرنا۔ غیبت سے پرہیز کرنا نیکی اور خاکساری کے لئے اہتمام کرنا۔ فطرت اور آخرت دونوں کے انتقام و سزا کا اعتقاد رکھنا۔ لیکن اس موقع پر انکا ذکر موجب تطویل و اطناب ہوگا۔ ابن یمین نے معمولی سے معمولی حیلے سے ایک قطعہ لکھا ہے اور اس میں کسی اخلاقی نصیحت یا کسی فلسفیانہ مطلب کو بیان گیا ہے۔ مثلاً ایک بار اس کو لقوہ ہوگیا تھا۔ اور اس نے اس حیلے سے یہ اخلاقی نصیحت کی

نہ انسان ہمیں شکل و ایں صورتست — کہ ایں صورت و شکل مردم گیا است

انسان صرف اسی شکل اور اسی صورت کا نام نہیں، کہ مردم گیاہ کی بھی یہی صورت ہوتی ہے ۔

جز ایں نیست پیدا کہ انسان دلے است — کہ او ہست باقی و باقی فنا ست

انسان صرف روح کا نام ہے اور وہی باقی رہ جاتی ہے اور جسم کا باقی حصہ فنا ہو جاتا ہے۔

چو معنے آں یافت ابن یمیں — اگر صورتش نیک و گر بد اوست

جب ابن یمین نے یہ بات معلوم کر لی تو بلا سے اس کی صورت بری ہے یا بھلی۔

ابن یمین کے کلام کا اخلاقی حصہ اس کے ساتھ ہماری محبت کو بڑھا دیتا ہے۔ اور ہمارے سامنے اس کی صورت اس طرح مجسم ہو کر آتی ہے کہ یہ ہشتاد و سالہ بڈھا اپنی خمیدہ پشت کے ساتھ کسی ویرانے کے ایک کھیت میں گوشہ گیری اور زراعت کے پیشے میں مشغول ہے اور اپنی زندگی کے آخری دن تک لوگوں کی ارشاد و ہدایت کے لئے قطعہ گوئی میں دریغ نہیں کرتا۔ اس قدر مختصر۔ اس قدر جامع اور اس کثرت کے ساتھ قطعات نے ابن یمین کو ادبیات ایران میں ایک مختار ترین شخصیت کا شاعر بنا دیا ہے اور یہ شخصیت اس قدر بلند ہے۔ کہ جو کچھ اس مختصر سے رسالے میں لکھا گیا ہے۔ اس سے زیادہ اس کا مطالعہ اور اس کی تعریف کیجائے۔

دوسری فصل

مذہب

خراسان کے اور شہروں کے برخلاف باشندگان سبزوار شیعہ تھے اور شیخ خلیفہ اور اس کے جانشین شیخ حسن جوری نے جو شیعہ مذہب کے مبلغ تھے۔ انکے تعصب مذہبی کو اس قدر بڑھا دیا تھا۔ کہ شیخ حسن جوری کے زمانے میں سبزوار شیعی مذہب کا ایک بہت بڑا تبلیغی مرکز خیال کیا جاتا تھا۔ ہم کو شیخ خلیفہ اور شیخ حسن جوری کے حالات کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے کہ انکے مذہبی خیالات کی توسیع اور انکے مذہبی مقاصد کی تبلیغ کے لیئے سبزوار سے بہتر اور کوئی دوسرا مرکز نہیں ہو سکتا تھا۔ اور شیخ خلیفہ کو کسی دوسرے شہر میں اس کثرت سے مرید نہیں مل سکتے تھے۔ یہاں تک کہ سمنان میں بھی جو علاء والدولہ سمنانی کی ذات کیوجہ سے ایک حد تک اس خیال کے قبول کرنے کے لیئے تیار تھا انکو قبول عام حاصل نہ ہو سکا اور خود علاء الدولہ بھی انکے تند و تیز خیالات سے تنگ آ گئے اور انکو اپنی مجلس سے الگ کر دیا۔ لیکن سبزوار نے انکو سر آنکھوں پر لیا اور عام لوگوں نے ان کیطرف میلان ظاہر کیا اور انکو وہاں اس قدر فروغ حاصل ہوا کہ علماء و مشائخ نے اس خطرہ کو محسوس کیا اور دربار شاہی میں انکی شکایت کی۔ لیکن بادشاہ نے بھی نہایت عقلمندی کیساتھ انکو قتل کر کے عوام کے جذبات کو بھڑکانا پسند نہیں کیا۔

شیخ حسن جوری کے زمانے میں جنہوں نے شیخ خلیفہ کے زہد و تقوے کو شورش اور جاہ طلبی کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ غیر معمولی ترقیاں حاصل ہوئیں۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ شیخ حسن جوری کے بعد سلاطین سربدار نے اپنی سلطنت کی بنیاد اسی عقیدہ پر رکھی۔ اور

نے ایک سو پچاس سال کے بعد سربداروں کے اسی مختصر سے سلسلہ کی تقلید کی تھی۔ بہر حال
تمام خراسان شیعہ ہو گیا۔ اور آس پاس کے بادشاہ اس مذہبی سلطنت کی بنیاد کے مضبوط
ہو جانے سے گھبرا گئے اور علمائے احناف نے ملوک ہرات کو فوج کشی پر آمادہ کر کے شیعی
مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے اس آتشکدہ کو بجھانا چاہا۔ چنانچہ وجیہ الدین مسعود سربدار
خواجہ علی شمس الدین اور نجم الدین علی موید کے زمانے میں ملک معز الدین حسین کرت نے
جو فوج کشی کی۔ اس کا سبب یہی حکم جہاد اور علماء کی مذہبی مخالفت تھی۔

ابن یمین بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ بالخصوص شیخ خلیفہ کے ظہور سے پہلے ہی اس کا
خاندان شیعی مذہب رکھتا تھا اور اس کے باپ امیر یمین الدین نے خود یہ تصریح اپنا یہ عقیدہ
ظاہر کیا ہے اور ذیل کے قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ عقیدہ نہایت مستحکم تھا۔

بزرگوار خدایا بسوز سینۂ آنان — کہ علم و حکمت تو راہ یافت در دل ایشان

اے خدا ان لوگوں کے سینہ کے سوز کے طفیل میں جنکے دل میں تیری علم و حکمت نے راہ پائی۔

بآل امثلۂ بے مثال آل عبایت — کہ شد دلیل بزرگان دین دلائل ایشان

آل عبا کے طفیل میں جنکے دلائل بزرگان دین کی دلیل ہوئے۔

بزرگوار خدایا بجز یست کہ مرا تو — درین جریدۂ مقصود ساز داخل ایشاں

اے خدائے بزرگ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ اس دفتر مقصود میں تو مجھے انکے ساتھ شامل کرے

ولے چو کشتی تن بشکند ز موج حوادث — رساں تو تختۂ جان مرا بساحل ایشان

البتہ جب موج حوادث سے میرے جسم کی کشتی ٹوٹے تو تو میری جان کو ان لوگوں کے ساحل پر پہنچا

بقیہ قطعہ دولت شاہ کے تذکرے میں امیر یمین الدین کے حال میں مذکور ہے۔

ابن یمین بھی اسی درخت کا پھل ہے اور خاندانی ماحول اور ملکی گرد و پیش اور دماغی
اور عقلی انحاد نے اس کو اس مذہب کی پیروی پر مجبور کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے

مرا مذہب انیست گیری تو نیز — ہمیں رہ گرفت مردی و مردمی است

کہ پیغمبر کے بعد مقتدائے برحق علی ابن ابو طالب ہاشمی ہیں۔

اور باپ کی طرح آئمہ اطہار کا دامن پکڑ کر کہتا ہے۔

بحق چہار محمدؐ بعز چار علی　　　بحرمت دو حسن مقتدائے ہر دو جہاں

محمد کے چار حق علی کی چار عزت اور حسن کی دو حرمت کے طفیل ہیں

بیک حسین و بیک جعفر و بیک موسیٰ　　　کہ بندہ ابن یمین را ز دست غم برہاں

ایک حسین ایک جعفر اور ایک موسیٰ کے طفیل میں غریب ابن یمین کو غم کے ہاتھ سے نجات دے

اس کے دیوان میں اور بھی چند قصیدے ہیں۔ جو اس قطعہ کے مضمون کی تائید کرتے ہیں۔ مثلاً

مرتضےٰ را دان ولی اہل ایمان تا ابد　　　چوں ز دیوان ازل دار و مثال انما

مرتضےٰ کو ابد تک کے لئے اہل ایماں کا ولی جانو۔ کیونکہ دفتر ازل سے انکو "انما" کا فرمان ملا ہے۔

اولاد او اول حسن و انگہ حسین　　　آنکہ ایشاں را نبی فرمود امام و مقتدا

انکی اولاد کون ہیں؟ پہلے حسن دوسرے حسین۔ جن کو پیغمبر نے امام اور مقتدا کہا ہے۔

بعد از ایشان مقتدا سجاد و انگہ باقر است　　　ز و گذشتی جعفر و موسیٰ و سبط او رضا

انکے بعد سجاد اور پھر باقر مقتدا ہیں۔ انکو چھوڑ کر جعفر موسیٰ اور انکی اولاد رضا

بس تقی آنگہ نقی آنگہ امام عسکری　　　بعد از و مہدی کز و گیرد جہاں نور و نوا

پھر تقی۔ پھر نقی۔ پھر امام عسکری انکے بعد مہدی کہ دنیا ان سے روشنی اور ساز و برگ حاصل کرتی ہے

سنیت پر شیعیت کی فضیلت کے متعلق کہتا ہے۔

ترک افضل بہر مفضول از فضول نفس دان　　　در طریق حق مکن خیر نور عصمت پیشوا

مفضول کے لیے افضل کے ترک کو نفس کی ایک فضول حرکت سمجھو۔ راہ حق میں نور عصمت کے سوا کسی کو پیشوا نہ بناؤ۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں کہتا ہے۔

خرم دلے کہ مجمع سودائے حیدر است   فرخ سرے کہ خاک کف پائے حیدر است

کیا اچھا ہے وہ دل جس میں حیدر کا سودا جمع ہے اور کس قدر مبارک ہے وہ سر جو حیدؑر کا خاک کف پا ہے

ابن یمین کا اصلی عقیدہ جس کو اس نے بہ تصریح بیان کیا ہے یہی ہے۔ البتہ خطرے کے موقع پر اس نے ایک شاعرانہ بیان کے بعد اپنے اس عقیدہ کو مبہم رکھا ہے۔

از ابنِ یمین سوال کردند   آنہا کہ رہِ نجات جویند

جو لوگ نجات کا راستہ ڈھونڈھتے ہیں۔ انہوں نے ابن یمین سے سوال کیا۔

ایں چار خلیفہ کیست اوّل   کاندر راہ حق بصدق پویند

کہ ان چاروں خلیفہ میں جو راہ حق میں صداقت کے ساتھ دوڑتے ہیں اول کون ہے؟

گفتم کہ مرا چہ کار با آں   کاندر حق ہر کسے چہ گویند

میں نے کہا کہ مجھ کو اس سے کیا کام؟ کہ ہر ایک کے حق میں لوگ کیا کہتے ہیں

من پیروِ آنکسم باخلاص   کایشاں ہمہ پیرواں اویند

مَیں خلوص کے ساتھ اس کا پیرو ہوں۔ جس کے پیرو خود یہ لوگ ہیں۔

شیخ حسن جوری کی مدح میں بھی جو ایک مذہبی رہنما تھے اس کا ایک قصیدہ ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ انکا پیرو ہے۔ رسول اللہ صلعم اور آئمہ ہدیٰ کی نعت و منقبت اور مشہد مقدس رضا علیہ السلام کے وصف میں بھی اس کے متعدد قصائد ہیں۔ اور بہت سے قصائد میں اس نے خداوند تعالےٰ پر توکل کیا ہے اور اس سے دشمن پر غالب ہونے مصائب کے برداشت کرنے اور راست گوئی کی توفیق دینے کی اعانت و امداد چاہی ہے۔ لیکن بایںہمہ ابن یمین کو ایک متعصب اور مقلد شخص نہیں سمجھنا چاہئے۔ جس طرح وہ اخلاقی امور میں کسی اصول کا پابند نہیں۔ اور اس معاملہ میں اس قدر آزاد خیال ہے کہ خود ان مسلمہ اخلاقی اصول کی بھی خلاف ورزی کی ہے۔ جن کو خود اس نے

کے قالب میں اس کو نمایاں کر سکے۔ تاہم سہل انگاری مذاق اور تذبذب بہت کرتا ہے۔
اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بہت زیادہ مستحکم عقیدہ نہیں رکھتا۔ کیونکہ امور مذہبی میں معمولی سے معمولی تذبذب بھی ضعفِ عقیدہ کی دلیل ہے اور بالکل سچ تو یہ ہے۔ کہ ابن یمین جیسا شخص جو ہمیشہ سے حکماء شعرا اور صوفیہ کرام کے خیالات کے ساتھ مانوس رہ چکا ہے اس قدر پابند نہیں ہو سکتا۔ کہ اپنے آپ کو امور مذہبی میں بالکل ایک خشک اور اطاعت گذار شخص کی صورت میں نمایاں کرے اور اس کے فلسفیانہ اور اخلاقی معلومات کے نتائج وہی شک و تذبذب ہیں۔ جنکو اس نے تمام علمی اور اخلاقی مباحث میں ظاہر کیا ہے اور چند بار مذہبی معاملات میں بھی اس کے پاؤں نے اس قسم کی لغزش کھائی ہے۔ لیکن یہ ایک ایسی لغزش ہے۔ جو مدت سے شعر میں قابل درگذر خیال کی گئی ہے اور عرفائے قدیم نے اس سد سکندری کو توڑ کر شاعری کی غیر ذمہ وار زبان میں اس قسم کے شکوک کا اظہار اپنے لئے جائز کر لیا ہے۔ مثلاً حشر و نشر اور عذاب و ثواب اخروی کے متعلق کہتے ہیں۔

خدائے کہ بنیاد ہستیت را　　　بروز الست اندر افگند خشت

جس خدا نے روز الست تمہاری ہستی کی بنیاد رکھی

قلم را بفرمود تا بر سرت　　　ہمہ بودنیہا یکایک نوشت

اور اس نے قلم کو حکم دیا کہ جو کچھ ہونیوالا ہے اس کو تمہاری پیشانی میں لکھدیں۔

نزیبد کہ گوید ترا روزِ حشر　　　کہ ایں کار خوبست و آں کار زشت

اس کے لئے یہ سزاوار نہیں کہ قیامت کے دن تم سے کہے کہ یہ کام اچھا ہے اور وہ برا۔

ندارد طمع رستن شاخ عود　　　ہر آنکس کہ تخم شتر خار کشت

جس شخص نے بھٹکٹیا کا بیج بویا۔ وہ عود کے اُگنے کی توقع نہیں رکھ سکتا۔

لیکن مسئلہ جبر کا یہ عقیدہ کوئی نیا عقیدہ نہیں اور بڑے بڑے فلاسفروں کے بعد
جن میں خیام سب سے زیادہ [illegible]

وہ ایک دوسری جگہ یہی لکھتا ہے

آدمی زادہ را طریق معاش   باید از آدم صفی آموخت

آدمی زادہ کو معاش کا طریقہ آدم صفی اللہ سے سیکھنا چاہیئے۔

آدم از ما بدانش افزوں بود   او بہشتے بگندمے بفروخت

وہ ہم سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے اس کو ایک گیہوں کے بدلے میں فروخت کر دیا۔

ذیل کے قطعہ سے بھی اس کے تشکک آمیز خیالات کا پتہ چلتا ہے۔

ایزدا مستحق عفو تو ام   زانکہ ایں بندہ را گناہ بسے است

خداوندا میں تیرے عفو کا مستحق ہوں۔ کیونکہ میرے گناہ بہت ہیں۔

نہ تو خود عفو را ہمے خوانی   پس بر ایں قول بے خلاف بایست

تو خود عفو کو عفو نہیں دیتا۔ اس بات پر جو قابل اختلاف نہیں ہے قائم رہ

عفو کردن پس از گناہ بود   بے گناہ را بعفو حاجت نیست

معافی گناہ کے بعد ہوتی ہے۔ بے گناہ کو معافی کی ضرورت نہیں۔

ایک دوسرے موقع پر کہتا ہے

ہر گناہے کہ کند بندہ خداوندش اگر   نکند عفو پس او را نتواں گفت

بندہ اگر کوئی گناہ کرے اور خدا اس کو معاف نہ کرے تو اس کو عفو نہیں کہہ سکتے

احکام شرعیہ کی محافظت اور اعمال دینیہ کی پابندی میں وہ بہت زیادہ سخت نہ تھا۔ چنانچہ ایک شخص اس سے سوال کرتا ہے کہ روزہ نے مجھ کو اور تمام دنیا کو بہت تنگ کر رکھا ہے۔ اس لئے ہضم غذا کے لئے مخفی طور پر

بجائے آب دو سہ کاسہ مے پس از افطار   اگر لنیم تنا دل روا بود یا نہ

پانی کی جگہ دو تین پیالہ شراب اگر میں افطار کے بعد پی لوں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

ابن یمین جواب دیتا ہے کہ تم نے ایک ایسا سوال کیا کہ میں عوام کے خوف سے اس کے جواب کی جرات نہیں کر سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ تمام تکلیفیں سب پر ہیں۔ صرف

اسی سلسلے میں اگر ہم منہیات شرعیہ مثلاً شراب اور بھنگ وغیرہ کے متعلق بھی اس کے عقاید کو بیان کر دیں۔ تو غالباً نامناسب نہ ہوگا۔ اگرچہ شعر و سخن میں اس قسم کے عقاید کا اظہار اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ شاعر عملاً انکا استعمال بھی کرتا ہے۔ لیکن ذیل کے اشعار سے بہت کچھ اصلیت اور حقیقت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

ملامتم نکنید از بنید مے نوشم　　　کہ رستگاری آزادگان بود زبنید

اگر میں بنید پیتا ہوں تو مجھ کو ملامت نہ کرو۔ کیونکہ آزادوں کی نجات بنید سے ہوتی ہے۔

کسے کہ بخل نورزید رستگاری دید　　　بحکم ایزد کس مست را بخیل ندید

جس شخص نے بخل نہیں کیا اس نے نجات پائی اور خدا کے فضل سے کسی نے مست کو بخیل نہیں دیکھا

اے کہ اندر شرب مے ما را ملامت میکنی　　　شرب مے از رشد باشد زاں کند دیگر دسماح

اے وہ شخص جو شراب نوشی پر ہم کو ملامت کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص شراب نوشی سے فیاض ہو جائے تو شراب نوشی ہدایت ہے گمراہی نہیں۔

مے نگہ دارد نفوس خلق را از عیب بخل　　　واں کز و آید سخاوت باشد از اہل فلاح

شراب لوگوں کو بخیل بننے نہیں دیتی اور جو شخص سخاوت کرتا ہے وہ اہل فلاح سے ہے

وہ شراب نوشی کے متعلق ایک کلی اصول یہ قائم کرتا ہے۔

آب انگور نکو خور کہ مباح است و حلال　　　آب زمزم نخوری بد کہ حرامت باشد

آب انگور کو خوبی کے ساتھ پیو کہ مباح اور حلال ہے آب زمزم کو بری طرح نہ پیو کہ تم پر حرام ہو جائے۔

اس "خوبی کے ساتھ پینے کی" توضیح ایک دوسرے موقع پر کرتا ہے۔

اے خردمند اگر شراب خوری　　　با تو گویم کہ چونش باید خورد!

اے عقلمند اگر تو شراب پینا چاہے تو میں تجھ کو بتاؤں کہ اس کو کیونکر پینا چاہیے۔

تا بخواہد طبیعتت مے خور　　　چوں نخواہد دگر نشاید خورد

جب تک تیری طبیعت چاہے پیتا رہے۔ لیکن جب جی نہ چاہے تو پھر نہیں پینا چاہیے۔

کسے کز اہل خرد باشد آں سزد از وے
کہ ہمچو روغن از آب از شراب بگریزد

جو شخص عقلمند ہو اس کے لئے سزاوار یہ ہے کہ شراب سے اس طرح بھاگے جیسے پانی سے تیل

اگر ضعیف شراب است اندکے نوشد
وگرنہ مزج کند ورنہ زود بر خیزد

اگر شراب ہلکی ہے تو تھوڑی سی پیئے۔ ورنہ دوسری چیز ملالے ورنہ جلد اٹھ جائے۔

ایک قطعہ میں مستی شب کی شرارت کا معذرت خواہ ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر کوئی جرم سرزد ہؤا ہے تو اس پر اعتراض نہ کرو۔

بشنو از شعر امیر الشعراء
یک دو بیت و سخنش پست مگیر

امیر الشعراء کے ایک دو شعر سنو اور اس کے کلام کو پست نہ خیال کرو

مست گوید ہمہ بیہودہ سخن
سخن مست تو بر مست مگیر

مست تمام بیہودہ باتیں بکتا ہے۔ مست پر مستانہ باتوں کا اعتراض نہ کرو۔

جو لوگ اس کی کثرت شراب نوشی پر ملامت کرتے ہیں۔ انکے مقابل میں کہتا ہے

وانکہ طعنہ زندم کہ فلاں میخوار است
چوں خورم مے کہ مراد جبہ منی لوزہ نماند

اگر ان اشعار کو ان اشعار کے ساتھ جن کو اس نے قصائد کے تغزلات و تشبیہات میں کہا ہے اور جو اس کے جدید قطعات سے بھی انتخاب کئے جا سکتے ہیں جمع کیا جائے تو ہم کو اس کی شراب خوری کے متعلق اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ یقین کرنا پڑتا ہے۔ کہ وہ شراب نوشی کی طرف بہت مائل تھا۔ اس نے قطعات کے ذریعہ سے اپنے بہت سے معاصرین سے شراب کی درخواست بھی کی ہے۔ بالخصوص چند قطعات میں شہاب الدین علی کیطرف اس موضوع کے متعلق خطاب کیا ہے۔ البتہ ایک قصیدہ میں بھنگ کی جو مدح کی ہے اس سے بعد کو استغفار کیا ہے۔ اور اس کی ہجو لکھی ہے۔ بلح کا شعر یہ ہے۔

جس زمانے میں ایک خاص مصلحت یعنے غالباً سلاطین سر بدار مثلاً تاج الدین علی شمس الدین وغیرہ کی سخت شرعی روک ٹوک ہے اس نے شرابخوری سے توبہ کی ہے بھنگ کی طرف جیسا کہ اس قطعہ میں تصریح کرتا ہے۔ مائل ہوا ہے۔

گرز دخت رز بریدم باک نیست — مصلحت را راہ او سے نسپرم

اگر میں نے شراب سے قطع تعلق کر لیا ہے تو کچھ پروا نہیں اقتضائے مصلحت بھی تھا

بوئے خوں آید ز وصل دخت رز — تا بمانم سوے او مے ننگرم

دخت رز کے وصل سے خون کی بو آتی ہے۔ جب تک زندہ رہونگا اس کی طرف نہ دیکھونگا۔

لیک بر وقت از زمرد گوں کنب — کوری افعی غم را بخورم

لیکن ہر وقت زمرد گوں بھنگ کو افعی غم کی اندھا کرنے کے لیے پیتا ہوں۔

تا بر این قانونم اے ابن یمین — کس نہ بینی ز اہل معنے منکرم

اے ابن یمیں جب تک میں اس اصول پر ہوں اہل معنے میں سے میرا منکر کوئی نظر نہ آیگا۔

یہ قطعہ جس میں بابا حیدر سے بھنگ کی توقع کی ہے۔ ہمارے قول کا موید ہے۔

بیا با حیدرم باشد توقع — کہ چوں واقف شود از حال زارم

بابا حیدر سے مجھے توقع ہے کہ جب وہ میرے حال زار سے واقف ہوں گے۔

فرستد یک کفم سود زمرد — کہ تا افعی غم را کور دارم

میرے پاس ایک کف پسی ہوئی زمرد (بھنگ) بھیجیں گے تاکہ میں افعی غم کو اسکے ذریعہ سے اندھا رکھوں

لیکن جہاں تک طرق زندگی اور قلب و روح کا تعلق ہے۔ اس کے عقاید حسب ذیل ہیں:۔

(۱) تمام معاملات میں عقل کی شمع لے کر حقیقت کی جستجو کرنی چاہیے۔ اگرچہ اس چراغ کی روشنی میں عوام کے تعصب کی برائیاں بھی نمایاں ہو جاتی ہیں۔

نشین گہ از سایہ عقل جوے — کہ عقل آفتابے بود بے زوال

چہ خواہی ز تقلید تحقیق جوے　　بحال آے و بگذر ز قال و مقال

تقلید سے کیا چاہتے ہو؟ تحقیق کی تلاش کرو۔ حال پیدا کرو اور قال کو چھوڑ دو۔

یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ جس وقت یہ سورج چمکتا ہے۔ بہت سی چیزوں کو جو رات کی اندھیری میں دوسروں کو عجیب و غریب جلوے دکھاتی ہیں۔ انکی اصلی صورت میں نمایاں کر دیتا ہے۔ اس لئے عوام جو تعصب کی تاریکی میں توہمات کی اندھا دھند پرستش کرتے ہیں۔ ابن یمین انسے نفرت اور بیزاری ظاہر کرتا ہے۔

در جہاں ہر چہ مے کنند عوام　　نزد خاصان رسوم و عادا تست

دنیا میں عوام جو کچھ کرتے ہیں وہ خاص لوگوں کے نزدیک صرف رسم و عادت ہیں۔

انقطاع از رسوم این حشرات　　اتصال ہمہ سعادا تست

اس لئے ان کیڑے مکوڑوں سے علیحدہ ہونا تمام سعادتوں سے ملجانا ہے

راہ تقلید محض در بستن　　افتتاح در مرادا تست

تقلید محض کے راستے کو بند کر دینا۔ مرادوں کے دروازے کا کھول دینا ہے۔

یہی تقلید محض عوام میں عملاً ہر چیز سے زیادہ نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور ابن یمین کے دل کو پریشان کرتی ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک جو آندھی چراغ عقل کو بجھا دیتی ہے وہ صرف تقلید محض ہے۔ ان تمام اندھا دھند تقلیدوں میں جو تقلید ابن یمین کے میلان کے مخالف ہے وہ شیعہ سنی کی لڑائی ہے۔ جو اس زمانے میں شیخ حسن جوری کے زیر اقتدار اور سلاطین سربدار کی جاہ طلبی پر پردہ ڈالنے کے لئے شروع ہوئی اور عوام فریب لوگ اور مقربین دربار سلطنت کے ہاتھوں کا ایک کارگر آلہ بنگئی چنانچہ جو شخص انکی مخالفت کرتا تھا۔ وہ مخالفت مذہبی کے الزام میں گرفتار ہوجاتا تھا۔ اور عوام الناس سخت خونی جنگ کے لئے اس لئے آمادہ تھے کہ یہ ثابت کر سکیں کہ فلاں شیعی فلاں سنی سے زیادہ بہادر زیادہ محقق اور زیادہ پاکدامن تھا۔

تا بدورے فتادہ ام اکنوں　　کہ عجائب در آں فسرادا تست

زاں عجائب یکے بگو اہم گفت   کہ نمودار اکثر شخص آنست

ان میں صرف ایک عجیب چیز کو جیلن کرتا ہوں کہ ان میں اکثر سے زیادہ نمایاں وہی ہے

بسلامت نمے زید اکنوں   جز کسے کہ مطیع فرمانست

بجز اس شخص کے جو فرمان کی اطاعت کرتا ہے - اس وقت کوئی شخص سلامتی کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا

من ندارم منازعت باکس   برمن ایں مشکلات آسانست

لیکن میں کسی شخص کے ساتھ نزاع نہیں رکھتا۔ اس لئے مجھ پر یہ مشکلات آسان ہیں۔

ہر کہ بازندہ از پئے مردہ   میکند جنگ سخت نادانست

جو شخص مردے کے لئے زندہ شخص کے ساتھ جنگ کرتا ہے وہ سخت نادان ہے

یہ قطعہ اس زمانے کی اس جنگ کا ایک خلاصہ ہے۔ جس کو اہل غرض نے مذہبی لباس میں مردم آزاری کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ لیکن خود ابن یمین جیسا کہ اس کا بیان ہے ان حیدری اور نعمی عامیانہ نزاعوں سے الگ تھا۔ اور نفرت کے لہجے میں کہتا تھا۔

زہے ابلہ کہ از بہر مردہ   کند با زندگان عہد خود جنگ

وہ شخص کس قدر بیوقوف ہے کہ مردے کیواسطے اپنے زمانہ کے زندوں سے جنگ کرتا ہے۔

اپنے اطراف وجوانب کے مردوں کی نسبت جنکے مزار کے بوسہ دینے کے لئے عوام ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے اور باہم کشت وخوں کرتے تھے۔ اس نے ذیل کا قطعہ لکھا ہے اور درحقیقت سبزوار میں شیخ حسن جوری اور شیخ خلیفہ کے مقبرہ کا مسئلہ اس قدر اہم ہوگیا تھا۔ کہ سربداروں کے آخری تاجدار خواجہ علی موید نے اس فتنہ کے فرو کرنے کے لئے حکم دیا تھا۔ کہ ان مقبروں کو اہل بازار کا مزبلہ بنادیا جائے۔ تاکہ عوام اس جگہ کم جمع ہوں۔ اور فتنہ وفساد نہ ہونے پائے۔ بہرحال ابن یمین کہتا ہے۔

گفتم روم زیارت پیشینیاں کنم   باشد کہ راحتے رسد از روح شاں بمن

میں نے کہا کہ چلکر اگلوں کی زیارت کروں شاید کہ انکی روح سے مجھ کو آرام پہنچے۔

آخر ز زندگاں بچہ خلعت رسیدہ
تا گستر ند در قدمت مردگاں کفن

آخر زندوں سے تم نے کونسا خلعت حاصل کر لیا۔ کہ مردے تمہارے قدم کے نیچے کفن بچھائیں گے۔

اس شعر سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مردوں کو کس بے اعتنائی سے دیکھتا تھا

چیزے کہ رفت رفت مکن یاد از و مگر
زیرا کہ تازہ کردن غم کار عقل نیست

جو چیز کہ گئی گئی اس کو یاد نہ کرو۔ کیونکہ غم کا تازہ کرنا عقل کا کام نہیں

جیسا کہ ہم نے بیان کیا اصول مذہبی کے متعلق ابن یمین کا عقیدہ بالکل فلسفیانہ ہے اور تمام مذہبی معاملات میں اس قدر آزاد خیالی کا اظہار کرتا ہے۔ کہ اس زمانے میں بھی جب کہ لوگ کسی قدر اسلام کے روشن حقائق کیطرف متوجہ ہوئے ہیں۔ انکا اظہار کانوں پر گراں گزرے گا۔

خداوند تعالےٰ کے عفو و کرم پر اس کو اس قدر بھروسا ہے۔ کہ واعظوں کی تہدید و تحذیر کے مقابلے میں کہتا ہے۔

شنیدم از سر منبر مذکرے میگفت
رضائے حق طلبی باش بر در تسلیم

میں نے سنا کہ ایک واعظ منبر پر کہتا تھا۔ کہ اگر خداوند تعالےٰ کی رضامندی چاہتے ہو تو تسلیم کے دروازے پر کھڑے رہو۔

خدائے عز و جل در فرائضے کہ نہاد
غرام ماست بباید گذاشت حق غریم

خداوند تعالےٰ نے جو فرائض مقرر کر دیے وہ ہم پر فرض ہیں اور قرضخواہ کا حق ادا کرنا چاہئے۔

اگرچہ موعظتے عین حکمت است ولیک
ہمی دہد کرم ایزدی مرا تعلیم

اگرچہ وعظ عین حکمت ہے۔ لیکن خداوند تعالےٰ کا کرم مجھ کو یہ سکھاتا ہے۔

کہ گویم ار کنم اندر ادائے حق تقصیر
بود بہشتی آں کم غریم ہست کریم

کہ بالفرض اگر میں ادائے حق میں قصور کروں تو یہ کم ہوگا کیونکہ قرضخواہ فیاض ہے۔

یہ خیال بہت کچھ خوف و لحاظ کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ کیونکہ ابن یمین یہ نہیں کہتا

کہ چاہیے ہم اس قرض کو ادا کریں یا نہ کریں خدا کے لئے دونوں برابر ہے اور وہ بالکل مستغنی
اور بے نیاز ہے۔ جیسا کہ خواجہ حافظ اسی خیال کو ایک دوسرے طریقہ پر ظاہر کرتے ہیں

بیا کہ رونق این کارخانہ کم نشود — بزھد ہمچو توئی یا بفسق ہمچو منے

آکہ اس کارخانے کی رونق تجھ جیسے لوگوں کے زہد اور ہم جیسے لوگوں کی بدکاری سے کم نہ ہوگی

خود ابن یمین کہتا ہے

گر خردیار تست ابن یمین — بر طرب نہ بنائے کارت را

اے ابن یمیں اگر تو عقلمند ہے تو اپنے کام کی بنیاد خوشی پر رکھ

زانکہ چنداں تفاوتے نہ کند — بد و نیک تو کردگارت را

کیونکہ تیرے خدا کے نزدیک تیری برائی اور بھلائی میں چنداں فرق نہیں ہے۔

عبادت ریائی اور طاعت ظاہری کے متعلق کہتا ہے

غلام مستی آنم کہ در خمار سحر — زیاد معصیت خود چو بید میلرزد

میں اس شخص کی مستی کا غلام ہوں کہ صبح کے خمار کے وقت اپنے گناہ کو یاد کر کے مثل بید کے کانپتا ہے

بگوے زاہد مغرور را کہ مدت عمر — برسم اہل ریا طاعتے ہمے ورزد

زاہد مغرور سے کہ عمر بھر اہل ریا کے طریقہ پر عبادت کرتا ہے کہدے

کہ بیش رنجہ مدار و مرنج بہر جہاں — کہ دیدۂ کہ پس مردن زخاک سر برزد

کہ بہت تکلیف نہ اٹھا اور دنیا کے لئے دکھ نہ سہہ تو نے کس کو دیکھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھا

بخاک پائے قناعت کہ نزد بندۂ تو — جہاں بہ بخشش آزادۂ نمے ارزد

قناعت کے خاک پا کی قسم کہ تیرے غلام کے نزدیک دنیا اس قابل نہیں۔ کہ ایک آزاد شخص اس
کے لئے دکھ سہے۔

اگر خدا کے عفو و کرم کے اعتقاد سے عذاب کا خوف نہیں اور جس خدا نے ہم کو گنہگار
پیدا کیا ہے۔ اس کی نسبت یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہم کو ہماری بداعمالیوں کی سزا دیگا۔
تو کس امید۔ و بیم پر کوئی شخص دنیا میں زندہ رہے اور برائی سے اجتناب اختیار کرے

دوزخ سے بار اور جنت الماویٰ پر نظر نہ رکھ۔ کیونکہ ان دونوں منزلوں کا حاصل انتظار سے زیادہ کچھ نہیں

عمر باقی خواہ یعنے نام نیک ابن یمین　　　کایں دو روزہ عمر فانی مستعارے بیش نیست

عمر باقی چاہ یعنے نام نیک اے ابن یمین کیونکہ یہ دو روزہ عمر فانی اس سے زیادہ نہیں کہ ایک منگنی کی چیز ہے۔

شہرۂ عالم شدی در خوش زبانی اینت بس　　　غایت قصوائے ہمت اشتہارے بیش نیست

خوش زبانی میں تو مشہور ہو چکا اور یہ تیرے لئے کافی ہے ہمت کی انتہا شہرت سے زیادہ نہیں

اس عمر باقی میں ایک شخص کا حصہ حسب ذیل ہے

پنجروزے کہ حیات است چناں باید زیست　　　بخلائق کہ کم و بیش ثنائے آرزو

پانچ روز کی زندگی میں لوگوں کے ساتھ یوں زندگی بسر کرنی چاہئے۔ کہ تھوڑی بہت تعریف کا مستحق ہو

وقت رفتن چو رسد نیز چناں باید رفت　　　کز بیگانہ واز خویش دعائے ارزو

دنیا سے جانے کا وقت آئے تو ایسا جانا چاہئے کہ اپنے پرائی کی دعا کا مستحق ہو

وہ موت اور زندگی کی ناکامیوں کے متعلق بہت زیادہ بے چینی ظاہر نہیں کرتا اور فلسفیانہ طور پر لوگوں کو آگے پیچھے کا مسافر سمجھتا ہے

بر آں گروہ بخندد خرد کہ بر بدنے　　　کہ روح دامن ازو در کشید میگرید

عقل اس گروہ پر ہنستی ہے جو اس جسم پر روتا ہے جس سے روح الگ ہو گئی ہے

ہمہ مسافر و آنکو بجائے خویش مقیم　　　ہر آنکہ پیش بمنزل رسید میگرید

سب کے سب مسافر ہیں۔ لیکن جو شخص مقیم ہے وہ اس شخص پر روتا ہے جو پہلے منزل پر پہنچ گیا ہے

ایک ہنستی ہوئی شاعرانہ روح اور ظرافت تمام امور میں اس کی محرک رہی ہے۔ اور وہ تمام حالات میں شاعر ہے اختلافیات میں بھی شاعر ہے اور سیاسیات و اعتقادیات میں بھی غرض ہمیشہ شاعر ہے اور ہمیشہ آزاد۔

ہم کو نظر آتا ہے کہ اس نے حقیقت کی ایک جھلک کو جس کی نسبت اس کا خیال ہے کہ وہ اس کو نظر آتی ہے حکیمانہ طور پر نظم کیا ہے اور اسی کو اپنے دوستوں اور اپنے

گوناگوں اور مطالعات حکیمانہ نے اس کو بے چین بھی کیا ہے۔ اور اس کو زینت بھی دی ہے یہ امر بالکل طبعی ہے کہ ایک حساس دماغ اور ذی شعور قلب میں ایسے خیالات اور ایسے احساسات پیدا ہوں۔ جو ایک دوسرے کے مخالف اور دوسروں کے اصول مسلمہ سے متضاد ہوں۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو ہر شخص اس تلوں میں مبتلا نظر آئے گا پھر ایک شاعر جسکا تلون و تاثر شاعرانہ حیثیت سے غیر معمولی اور اس کا خیال تند و بے باک ہے۔ اس سے کیونکر بچ سکتا ہے؟

تیسری فصل

معاش اور جائداد

چونکہ ہمارے خیال میں یہ موضوع ایک شخص کی حیثیت کے واضح کرنے میں بہت زیادہ دخل رکھتا ہے اور جسمانی و روحانی زندگی کے موثرات میں خیال کیا جاتا ہے۔ بلکہ زیادہ تر خیالات عقائد اور اخلاق کی نشو و نما کا سبب بھی یہی ہے اس لیئے ہم اسکو مستقل طور پر علیحدہ لکھتے ہیں۔ اور اس کو چار حصوں پر تقسیم کرتے ہیں۔ جو اگرچہ بظاہر الگ الگ ہیں۔ لیکن درحقیقت ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

(۱) تعلقات خاندانی (۲) تعلقات جائداد (۳) تعلقات دختری (۴) سفر۔

۱۔ تعلقات خاندانی

اپنے اور نیز دوسرے خاندانوں کے تعلقات کے متعلق ہم کو اس کا کچھ حال معلوم نہیں۔ اور ایک مدت تک مجرد رہا ہے اور اس پر مسرت کا اظہار کرتا ہے۔

میں شہر میں مجرد رہنے میں مشہور ہوں یہ میں نے کیا کہا؟ بلکہ مجھ سے خود شہر کو شہرت حاصل ہے

چو عیسیٰ نخواہم زن ار فی المثل   نخواہد زمن نیم خرمہرہ مہر

میں عیسےٰ کی طرح بی بی نہیں چاہتا گو وہ مجھ سے آدھی کوڑی بھی مہر نہ مانگے

ورم زہرہ بوسے بمنت دہد   مرا آید آں از لب زہرہ زہر

اگر زہرہ مجھ کو بہ منت بوسہ دے تو وہ بھی مجھ کو زہرہ کے ہونٹھ سے زہر معلوم ہوگا۔

وہ دوسروں کو بھی یہ نصیحت کرتا تھا۔ کہ اہل وعیال کے بوجھ سے الگ رہیں

اے برادر بشنو از من ناتوانی زن مخواہ   گر ہمے خواہد دلت کز زندگانی برخوری

اے بھائی مجھ سے سن اگر تو چاہتا ہے کہ زندگی سے فائدہ اٹھائے تو جہاں تک ہوسکے عورت کی خواہش مت کر۔

صبر کردن مر ترا اے زنی آسان تر است   زانکہ بر تکلیف زن باید نمودن صابری

بن بیاہے رہنے پر صبر کرنا عورت کی تکلیف پر صبر کرنے سے آسان ہے۔

لیکن زمانے نے اس کی گردن میں بھی یہ طوق ڈالا۔ اور اہل وعیال کا بوجھ اس کی پیٹھ پر رکھا۔

مرا در وقت پیری بار اطفال   نہ در خور بود حقا ثم حقا

بڑھاپے کے زمانے میں مجھ پر لڑکوں کا بوجھ ٹھیک نہیں تھا۔

فہا انا فی العزوبۃ ذو عیال   یدق الظہر دقا ثم دقا

تو اب میں کنوارپن میں اہل وعیال والا ہوں جو میری پیٹھ کو خوب توڑتے ہیں۔

لیکن وہ اولاد کے ہونے سے تھوڑی سی لذت بھی حاصل کرنے لگا اور باوجود گریز پائی کے جال کے ساتھ مانوس ہوا اور اپنے فرزند کے فراق میں کہا

چشم پدر از فرقت روے تو سفید است   فرزند دل افروز من اے بادر منیرا

باپ کی آنکھ تیرے منہ کے نہ دیکھنے سے سفید ہے اے میرے دل افروز فرزند اور اے بدر منیر

پیراہن خود نخفہ فرست اے پسر و گو   القوہ علی وجہ ابی یات بصیرا

ایک دوسرے موقع پر لڑکے کی جدائی سے نالاں ہو کر کہتا ہے۔

فرزند ہنرمند من اے نور دو چشم حقا کہ مرا بے تو جہان ہست ملالے

اے میرے ہنرمند فرزند اے میرے دونوں آنکھوں کے نور یقیناً مجھ کو تیرے بغیر دلی صدمہ ہے۔

در ہجر تو خوں شد دل از اندیشہ آنکم کایا بودم با تو دگر بار وصالے

تیری جدائی میں دل خون ہوگیا اس فکر میں کہ دوسری بار تجھ سے ملاقات ہوگی یا نہیں؟

روزے کہ بصد حسرت و محنت بسر آرم بے روئے چو ماہ تو مرا ہست چو سالے

ایک دن بھی جسکو میں سو حسرت اور محنت کے ساتھ گزارتا ہوں۔ تیرے چاند جیسے چہرے کے بغیر میرے لیئے ایک سال کے برابر ہے۔

رفتے بہوائے تو رواں مرغ روانم زیں تیرہ قفس گر بندے سوختہ بالے

تیری ہوا میں اس تاریک پنجرے سے میری جان کی چڑیا اگر سوختہ بالی نہ ہوتی تو اڑ نکلتی۔

جاوید بمانم اگرت بینم و ایں حکم اثبات محالے است بتقدیر محالے

اگر میں تجھے دیکھوں تو ہمیشہ زندہ رہوں اور یہ حکم ایک فرض محال کی صورت میں ایک دوسرے محال کا ثابت کرنا ہے۔

آورد دلم یک سخن خویش بہ تضمین چوں داشت دریں قطعۂ دلسوز مجالے

چونکہ اس قطعۂ دلسوز میں گنجائش تھی۔ اس لیئے میرے دل نے اس میں ایک اپنی ہی شعر کی تضمین کی

چوں شکر نگفت ابن یمین روز وصالت شد در شب ہجراں تو قانع بخیالے

چونکہ تیرے وصال کے دن ابن یمین نے شکر نہیں کیا۔ اس لیئے تیرے شب ہجراں میں اسکو ایک خیال پر قانع ہونا پڑا۔

لیکن یہ محبت اور آثار محبت جو اس کے اشعار میں پائے جاتے ہیں۔ نہایت ضعیف اور کم ہیں۔ اس قطعہ کے سوا اور کوئی قطعہ ایسا نہیں۔ جس سے اہل خاندان کے ساتھ اس کی محبت ثابت ہو سکے۔ بلکہ ہر جگہ اہل و عیال کی زحمت کی شکایت

اپنی بے اعتنائی کا اظہار کرتا ہے۔

ابن یمین مخور غم اخلاف بہر آنکہ   اسلاف وار ہمہ ایشان عبد است

اے ابن یمین لڑکوں کا غم مت کھا۔ کیونکہ اسلاف کے مانند انکے ساتھ بھی خدا ہے۔

گازر مباش کز پے تزئیں دیگرے   جامہ سفید کرد و دوار و مسود است

"دھوبی نہ بن۔ جس نے دوسرے کی زینت کے لئے کپڑے کو تو سفید کیا۔ لیکن خود اس کا منہ سیاہ ہو گیا"

نہ یہ کہ صرف معاش کے معاملات میں لڑکے کا غم نہ کھانا چاہئے۔ بلکہ شرافت کے مسائل میں بھی اس خیال سے کسی چیز کا پابند نہ ہونا چاہیئے۔ کہ آئندہ چلکر ہماری بدنامی کا اثر لڑکوں پر پڑے گا۔ کیونکہ ہمارے مرنے کے بعد دنیا کا دریا یا سراب ہونا دونوں برابر ہے

مرا نام اگر نیک اگر بد بود   چو رفتم از آنم چہ ننگ و چہ عار

میرا نام اگر نیک ہو یا بد۔ جب میں مر گیا تو مجھ کو اس سے کیا ننگ و عار ہے

کسے را بود فخر و عار ار بود   کہ ماند ز من در جہاں یادگار

اگر فخر و عار ہو گا تو اس شخص کو ہو گا جو دنیا میں ہماری یادگار رہ جائے گا

پس از من جہاں ہر چہ خواہد رواست   چو من دامن افشاندہ ام زین غبار

جب میں نے اس غبار سے دامن جھاڑ لیا۔ تو میرے بعد دنیا جو کچھ ہو، ہو

اگر لڑکے کی معاش کا آئندہ کوئی سر و سامان نہ کیا جائے اور خاندان میں ایسا نام نیک نہ چھوڑا جائے۔ جو آئندہ نسل کے لئے سرمایہ معنوی ہو سکے تو ہماری اولاد کی نگہداشت کون کرے گا اور انکی قسمت کس کے سپرد کی جائے گی؟

ذیل کا قطعہ اسی سوال کا جواب ہے۔

غم فرزند خوردن از جہل است   کہ خدا این و آتش مے ندہد

لڑکے کا غم کھانا کہ خدا اسکو یہ اور وہ نہ دے گا جہالت ہے۔

از کمال و کرم چو جانش داد   نهد آنکه نانش می ندهد

لیکن جب کمال و کرم سے اس نے اسکو جان دی تو ایسا نہ کرے گا کہ اسکو روٹی نہ دے۔

اس خیال کی بنا پر جب اس نے توکل پر اعتماد کرکے اپنی ذمہ واری سے سبکدوشی حاصل کرلی تو اس سے ایک شخص سوال کرتا ہے۔ کہ اگر آئندہ نسل کی آسائش اور شرف خاندانی کے حصول کے لئے کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ تو زندگی سے کیا فائدہ؟ اور اس کے قائم رکھنے کا کیا نتیجہ؟ اور ابن یمین اس کے جواب میں کہتا ہے۔

گرچہ فرزندان جسمانی سہ چارم ہست لیک   از حیات و موتشان ہرگز نہ غمگینم نہ شاد

اگرچہ میرے جسمانی فرزند تین چار ہیں۔ لیکن انکی موت و حیات سے میں نہ غمگین ہوں نہ خوش

منت ایزد را کہ فرزندان روحانیم ہست   تا قیامت عمر فرزندان روحانیم باد

خدا کا شکر ہے کہ میرے روحانی فرزند ہیں اور قیامت تک یہ روحانی فرزند زندہ رہیں

یعنے اگر تین چار فرزندان جسمانی مرجائیں اور بدنام ہوں تو اس کا کیا غم؟ میرے اشعار جو میرے فرزندان روحانی ہیں۔ قیامت تک زندہ رہیں گے۔

لیکن یہ جواب اس سائل کو بالکل خاموش نہیں کرسکتا کیونکہ شعر سے اگر وہ اخلاقی ہی کیوں نہ ہوں، اگر شاعر کی خوش اخلاقی اور نیک نامی کی شہرت نہ ہو تو دنیا میں کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟ اگر یہ دعوےٰ کیا جائے کہ ان اخلاقی اصول سے دوسروں کو فائدہ پہنچے گا۔ تو یہ سائل یہ کہہ سکتا ہے کہ جب تمہارا عقیدہ یہ ہے۔ کہ نام نیک اور عار و بدنامی میں کوئی فرق نہیں ہے تو دوسروں کو اخلاق و تزکیہ نفس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ اب صرف یہ فرض کرنا پڑے گا۔ کہ ان فرزندان روحانی سے ابن یمین کا مقصود اپنے اخلاقی اشعار نہیں ہیں۔ بلکہ صرف شہرت طلبی ہے۔ جیسا کہ دوسرے موقع پر کہتا ہے۔

شہرت عالم شدی در خوش زبانی ابن یمین   غایت القصوائے ہمت اشتہار بیش نیست

کو شائع کر کے امرا کے نزدیک اعزاز اور احترام حاصل کرنا چاہئے۔ اگر فرزندان جسمانی کے پاس معاش و شرافت کا سرمایہ نہیں تو کچھ فکر نہیں۔

بحمد اللہ مرا ہستند فرزندان روحانی — کہ خود را شاں بپروردہ است در آغوش رضواں ہم

خدا کا شکر ہے کہ میرے ایسے روحانی فرزند ہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو رضوان کی آغوش میں پالا ہے۔

سراسر در جہانگیری چو شاہ اختراں قادر — عراق آوردہ زیر حکم و اقلیم خراساں ہم

عالمگیری میں سورج کی طرح قادر ہیں عراق کو بھی زیر حکم کیا ہے اور اقلیم خراسان کو بھی

سہ چارم نیز ہم ہستند فرزندان جسمانی — ولے من فارغم زیشاں و از من نیز ایشاں ہم

میرے تین چار فرزند جسمانی بھی ہیں لیکن میں ان سے فارغ ہوں اور وہ بھی مجھ سے بے فکر ہیں

ز فرزندان جسمانی چہ دارم چشم جمعیت — کہ ایشاں روز ہستم دلفگار و شب پریشاں ہم

میں فرزندان جسمانی سے دلجمعی کی کیا توقع رکھوں۔ کہ ان سے دن رات دلفگار اور پریشان ہوں

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن یمین کے تین چار لڑکے تھے۔ لیکن وہ اچھا باپ نہ تھا۔ کیونکہ جو جائداد لڑکوں کی معاش کے کام آسکتی تھی اس کو فروخت کر دیا تھا اور چونکہ شاعری کے ذریعہ سے ہاتھ آتا تھا۔ اس کو دوستوں اور مہمانوں پر صرف کر ڈالتا تھا۔ اور اپنے ورثہ کے لئے کچھ نہیں چھوڑتا تھا اور اگر وہ اس سے کچھ مانگتے تھے۔ تو ایسا جواب دیتا تھا جس کا نقل کرنا شرط ادب سے دور ہے۔ اگر کبھی انکو یاد بھی کرتا تھا۔ یا انکی آسائش کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ تو اس کی صورت صرف یہ ہوتی تھی۔ کہ مدحیہ قصائد میں انکی معاش کے حیلے سے کچھ مانگتا تھا۔ جیسا کہ یحیٰی کرابی کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

آبم نہ در سبو و مرا دست نام و ننگ — دامن گرفتہ از پئے نان دادن عیال

میرے گھڑے میں پانی نہیں اور نام و ننگ اہل و عیال کی معاش کے لئے میرا دامن پکڑتے ہیں

بہر حال ان لڑکوں کو اپنے نامہربان باپ کی طرف کوئی توجہ نہ تھی اور آوارگی کے

ہے کہ

اس کے پوتے اور اس کی نسل اب تک اس ملک میں آباد ہیں۔

لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے لڑکوں نے شاعری میں اس کی شہرت کو وراثتہً پایا یا نہیں ؟۔ صرف ابن یمین کے ایک قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک لڑکا شعر کہتا تھا اور زمانہ پیری میں ابن یمین کو توقع تھی۔ کہ اس کے مرنے کے بعد وہی اس کا جانشین ہوگا

فرزند نور دیدۂ من آنکہ در سخن | داند خرد کہ مرتبۂ عنصری تراست

اے میرے فرزند یعنے اے میرے وہ نور نظر | عقل کے نزدیک شاعری میں تو بہت بڑا درجہ رکھتا ہے

خورشید در نظم تو در گوش میکشد | چوں آفتاب ملک سخن مشتری تراست

سورج تیری نظم کے موتی کو کان میں ڈالتا ہے کیونکہ وہ تیرے ملک سخن کا خریدار ہے

میدان نظم و نثر مرا بود پیش ازیں | پایہ دریں بساط کنوں سروری تراست

اس سے پہلے نظم و نثر کا میدان میرے ہاتھ میں تھا اور اب اس بساط میں تیری سرداری کا پایہ ہے

آنکس کہ از معانیٔ الفاظ واقف است | داند یقیں کہ مرتبۂ شاعری تراست

جو شخص الفاظ کے معانی سے واقف ہے وہ یقین کیساتھ جانتا ہے کہ شاعری کا درجہ تیرے لئے ہے

ابن یمین تراچہ نظر میکند بمہر | محمود باش عاقبت عنصری تراست

ابن یمین تجھ کو محبت سے کیا دیکھے محمود بن کہ عنصری کا انجام تیرے لئے ہے

۲- جائداد

امیر یمین الدین طغرانی نے قصر فریومد میں لڑکے کے لئے کچھ کھیت چھوڑے تھے جو اس کی معاش میں کافی مدد دے سکتے تھے۔ ابن یمین کاشتکاری کے پیشہ کیطرف سخت میلان ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی نگاہ میں کاشتکاری اخلاقی جزا و سزا کے لئے بطور نمونہ و مثال کے ہے اور امور اخلاقی کی طرح ایک شخص وہی کاٹتا ہے۔ جو اُسنے بویا ہے

مرا از ہرچہ دو عالم خرد مند | مر آن را از مذاہب بیشمارد

طریق دہقنت آمد گزیدہ ! کہ دہقان نادرود چیز آنکہ کارد

مجھ کو ادن میں کاشتکاری کا پیشہ پسند آیا۔ کیونکہ کاشتکار وہی کاٹتا ہے جو اس نے بویا ہے۔

کاشتکاری صرف اخلاقاً ایک بہت بڑا پیشہ نہیں۔ بلکہ مادی حیثیت سے بھی ایک شخص کے لئے اطمینان آمیز طریقہ پر آسائش کا سامان فراہم کرتی ہے۔

گر ترا کنج سیم وزر باید من بگویم کہ چیست تدبیرش

اگر تجھ کو چاندی اور سونے کا خزانہ چاہئے تو میں اس کی تدبیر بتاتا ہوں

دہقنت پیشہ گیر وقانع باش تا بہ بینی کہ چیست تاثیرش

کاشتکاری کا پیشہ اختیار کر اور قانع رہ تو تب تجھ کو معلوم ہوگا کہ اس کا اثر کیا ہے

از یکے ہفتصد شود حاصل بنگر اینک باصل توقیرش

ایک سے سات سو ملتا ہے۔ اب دیکھو کہ سرمایہ کیا ہے ؟ اور فائدہ کتنا؟

کچھ دنوں ابن یمین اس پیشہ کا اس قدر شیدائی تھا کہ شاعری اور مداحی پر بھی جو اس کا عزیز و منتخب پیشہ تھا۔ اس کو ترجیح دیتا تھا اور کہتا تھا۔

مرا لقمۂ نان کہ اندر خور است پدید آورم از رہ دہقنت

روٹی کا جو لقمہ میرے لئے سزادار ہے میں اس کو کاشتکاری سے پیدا کرتا ہوں۔

بنزدیک دونان نخواہم نمود زبہر دو نان بعد ازیں مسکنت

کمینوں کے نزدیک اس کے بعد دو روٹی کے لئے ذلت نہ ظاہر کروں گا

من وطاعت وگوشۂ عافیت زہے بادشاہی زہے سلطنت

میں اور عبادت اور ایک گوشۂ عافیت کیا خوب بادشاہی ہے اور کیا خوب سلطنت

جفت گاوے راگر خدمت کنی سالے سہ ماہ روزگارت زد شود ہر ہفتہ د ہر ماہ

ایک جوڑ بیلوں کی خدمت اگر سال میں تین مہینے کے لئے کرو تو تمہارا زمانہ اس سے ہر ہفتہ اور ہر مہینہ بہتر ہو

وربری شاہ جہاں آہر زماں صد مدح پیش ہر زہ گوئے را بود نزدیک او صد جاہ بہ

اور اگر بادشاہ کے سامنے ہر وقت سو مدحیہ قصیدے لے کر جاؤ۔ تب بھی ایک مسخرہ کی قدر اس کے

اگر بیل اور بادشاہ کے معاملے میں غور کروگے۔ تو معلوم ہوگا کہ ایک بیل کی خدمت سینکڑوں بادشاہوں کی خوشامد سے بہتر ہے۔

نہ صرف بادشاہوں کی ملازمت اور امراء کی مداحی کاشتکاری کی ہمسری نہیں کر سکتی بلکہ اس کے مقابلے میں کیمیاگری بھی ایک بے فائدہ کوشش اور تضییع عمر ہے

کنج عزلت گیر دہقانی کن اے ابن یمین
تا بدانی کانچہ مے کاریش در نشو و نماست

اے ابن یمین گوشہ گیری اختیار کر اور کاشتکاری کر تاکہ تجھے معلوم ہو کہ تو جو کچھ بوتا ہے وہ نشو و نما میں ہے

جستن گوگرد سرخت عمر ضائع کردن است
زور بر خاک سیہ آور کہ اکسیر کیمیاست

تیرا سرخ گندھک کا تلاش کرنا عمر ضائع کرنا ہے۔ خاک سیاہ پر طاقت صرف کر کہ وہ بالکل کیمیا ہے

کاشتکاری کی اس شیفتگی سے اس نے خوب فائدے اٹھائے اور ابتدا میں اس کو کھیتوں کے آباد کرنے اور مکانات بنانے کا موقع ہاتھ آیا۔

از پئے عشرت براغ اندر مزارع داشتم
وز برائے عیش بودہ کاخہا در صحن باغ

خوشی کے لئے میدان میں کھیت رکھتا تھا اور عیش کے لئے صحن باغ میں عمارتیں تھیں۔

کاشتکاری کی برکت اور اس پرمنفعت کام کی شیفتگی سے اس کی حالت نہایت بہتر ہو گئی۔ اور غالباً اس کی عمر میں صرف یہی ایک ایسا زمانہ تھا جس میں اس نے اپنی خوش نصیبی کا اعتراف کیا ہے

صحت و وجہ معاش و ہمہ اسباب بکام
ناسپاسی مکن انصاف بدہ ایں ت بس

صحت وجہ معاش اور تمام اسباب حسب خواہش موجود ہیں اب ناشکری نہ کر انصاف کر کہ تیرے لئے کافی ہیں۔

یہ خوش نصیبی اس درجہ کو پہنچی۔ کہ مصائب زمانہ اور بڑی بڑی ناکامیوں کو بھول کر چھوٹے چھوٹے کاموں میں مشغول ہوا۔ اور دوسرے درجہ کی بدبختیوں کی شکایت شروع کردی۔

مطبخے است ناگوار مرا !
شہرہ گشتہ بآتش پختن است

شام سے صبح تک بھانگ پیتا ہے اور صبح سے شام تک مست رہتا ہے۔

ہرچہ از مایعات یافت بر بخت ہرچہ از جامدات یافت شکست

بہنے والی چیزوں میں جسکو پایا بہادیا اور ٹھوس چیزوں میں سے جسکو پایا توڑ پھوڑ دیا

اس نے اپنی خوش نصیبی کی یادگار میں یہ چند شعر بھی لکھے ہیں۔

گر کسے از روزگار اکنوں شکایت میکند بندہ بارے زوندارد غیر شکر بے قیاس

اب اگر کوئی زمانے کی شکایت کرتا ہے تو کرے لیکن میں تو اس کی بجز بے انداز شکر کے اور کچھ نہیں کرتا

دوستاں جمع اند و حال دشمناں در تفرقہ ہست صحت حاصل و وجہ معیشت بے ہراس

دوست جمع ہیں اور دشمنوں کی حالت پریشان۔ بلا تردد صحت اور وجہ معاش حاصل ہے۔

من نمیدانم کزیں خوشتر چہ باشد روزگار گر تو نپسندی مرایں را اینت مردی ناسپاس

میں نہیں جانتا کہ اس سے بہتر زمانہ کیا ہوگا؟ اگر تو اس کو نہیں پسند کرتا تو تو ناشکرا ہے۔

ان بے شمار انقلابات میں جو پیدا ہوتے رہتے تھے ایک انقلاب میں اس کا محبوب وطن اور اوس کا عزیز قیامگاہ ظالموں اور غاصبوں کے ہاتھ سے نکل آیا۔ اور ابن یمین ان ظالموں کے ساتھ اپنی نفرت کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

فریومد آں مقام کزیں پیش خسرواں بودند باہم از پئے آں در مطاعنہ

فریومد وہ مقام ہے کہ اس سے پہلے بادشاہ لوگ اس کے لئے باہم جنگ کرتے تھے۔

مصرے چو خلد جامع اہل صفا و لیک بودی عزیز او شدہ مشتے فراعنہ

وہ ایک ایسا شہر تھا جو خلد کی طرح اہل صفا کا جامع تھا۔ لیکن کچھ دنوں اس کے عزیز چند فرعون ہو گئے تھے

ہریک بداں مشابہ کہ با مادرش پدر کردے برائے صحت اصلش ملاعنہ

ان میں ہر ایک کی یہ حیثیت تھی کہ اس کی ماں کے ساتھ اس کا باپ اس کی صحت اصل کے لئے لعان کرتا تھا

رفتند آں گروہ کہ در ہیچ دعوے معنی نداشتند چو لفظ جماعنہ

بالآخر وہ گروہ گیا جو کسی دعوے میں لفظ "جماعنہ" کی طرح کوئی معنے نہیں رکھتا تھا

لیکن یہ آرام اور سکون بہت جلد انقلاب اور اضطراب سے بدل گیا اور جو غارتگری اور چپقلش ایک مدت سے فیومد کا احاطہ کئے ہوئی تھی، اس قصبۂ حاصل خیز کو بھی محیط ہو گئی اور نہایت تیزی کے ساتھ جس نے ابن یمین کو حیرت میں ڈال دیا اُس کی آبادی کو خاک اور اس کے اسباب و اموال کو راکھ اور دھوئیں کی صورت میں بدل دیا۔

انصاف فلک ببین کہ دریں مدت اندک　　چہ شور برانگیخت زبیداد چہ شر کرد

آسمان کا انصاف دیکھ کہ اس تھوڑی سی مدت میں اس نے ظلم سے کس قدر شور و شر لیا

اسباب مراداد بتاراج بس آنگہ　　سدرمق قوت نوالہ بجگر کرد

میرے اسباب کو لوٹ لیا اس کے بعد میرے نوالہ خود میرے جگر کو کیا۔

گردون چہ بود؟ چیست ستارہ؟ چہ بود چرخ؟　　تقدیر خدا بود حوالہ بقدر کرد

آسمان کیا تھا؟ اور ستارے کیا تھے؟ یہ سب تقدیر خداوندی کے کرشمے تھے۔

یہ معلوم نہیں کہ یہ حادثہ کس وقت پیش آیا۔ لیکن گمان یہ ہے کہ جب خواجہ علاء الدین نے راہ فرار اختیار کی ہے اور ابن یمین نے بھی اس کی موافقت کی ہے اوسی وقت یہ واقعہ بھی پیش آیا ہے۔ کیونکہ سربداروں نے اس کے "شہرستان زیبا" کی طرح اس کے وابستگان دولت کی جائدادیں بھی بلا تامل برباد کر دیں۔

اس نقصان نے ابن یمین کو بہت پریشان کیا۔ اور اس کے بہت دنوں تک وہ پچھلے خوش نصیبی کے زمانے کو برباد کر کے اپنے فقر و فاقہ پر نوحہ کرتا رہا۔

بیشتر زین زمانے داشتم الحق چنانکہ　　بود حال و بالم ازوے بارفاہ و با فراغ

اس سے پہلے میں ایک ایسا زمانہ رکھتا تھا۔ کہ اس سے میرا حال نہایت اچھا اور میرا دل نہایت فارغ تھا

بود چوں باز سپیدم پیش ازیں کسوت سفید　　در سیہ پیکر بلاسے میروم اکنوں چو زاغ

اس سے پہلے سفید باز کی طرح میرا لباس سفید تھا اور اب سیاہ ٹاٹ میں کوے کی طرح جاتا ہوں

پیش ازیں یارستمے در روز شمع افروختن　　این زماں شب مے تیادم کرد روشن در چراغ

چوری کے گھوڑے کی طرح کہ اس کو پہچان نہ سکیں زمانہ مجھ کو داغ پر داغ دیتا ہے۔

از پئے عشرت بزاغ اندر مزارع داشتم — وز برائے عیش بوم کاخ اندر صحن باغ

میری عشرت کے لئے صحرا میں کھیت تھے اور عیش کے لیے صحن باغ میں محل

زانقلاب روزگار چوں غن نر مادہ طبع — این زمانم بر کلوخ باغ تیشنند زاغ

زمانے کے انقلاب سے جو چیل کی طرح نر تو ہے لیکن مادہ طبع ہے اب میرے باغ کی دیوار پر کوا بھی نہیں بیٹھتا۔

نیز اسی بوستلموں زمانے کی شکایت میں جو چیل کی طرح چھ مہینہ نر اور چھ مہینہ مادہ رہتا ہے کہتا ہے۔

پیشتر زین کہ اندوش بودم — کار من داشتے ہزار فروغ

اس سے پہلے کہ میں رندانہ زندگی بسر کرتا تھا میرا کاروبار نہایت بارونق تھا۔

وین زمان کز برائے مصلحتے — دم زہدے ہمیزنم بدروغ

اور اب مصلحتہً جھوٹ موٹھ زہد کا دعوے کرتا ہوں

حسالم از فقر و فاقہ است چنانکہ — نرسد نان تیرہ ترہ بدوغ

اس قدر فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں۔ کہ روٹی کے ساتھ ترکاری اور ترکاری کے ساتھ دہی بھی میسر نہیں

وز برائے رعایت ناموس — میکشم بر گرسنگی آروغ

اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے باوجود فاقہ کشی کے ڈکار لیتا ہوں۔

انقلاب زمانے پر خاندانی نزاعیں مستزاد تھیں۔ کیونکہ اس کے خاندان کے لوگوں نے جب اس کو موجود نہیں پایا اور انکو معلوم ہوا کہ خواجہ علاء الدین کے زمانے میں اس کو جو اقتدار حاصل ہو گیا تھا اب اس میں ضعف آگیا ہے۔ تو انہوں نے سر اٹھایا اور اس کی جائداد کے دعویدار ہو گئے

جمعے اقاربم بطمع خام بستہ اند — در ملک مزرعہ کہ بدانم تعیش است

اس گروہ میں ہر ایک شخص جو بولتا بھی ہے اور چپ بھی رہتا ہے۔ ہمیشہ حرص سے غمگین اور غصہ لود ہے

من قانعم بد انچہ مرا میدہد خدائے   کارم ازآں ہمیشہ نشاط است و رامش است

اور مجھ کو خدا جو کچھ دیتا ہے میں اس پر قانع ہوں اسی بنا پر میرا کام ہمیشہ عیش و نشاط اور نغمہ و سرود ہے

قانع مدام خرم و طامع دژم بود   بار طمع مکش کہ گراں است و خرکش است

قانع ہمیشہ خوش اور حریص ہمیشہ ذلیل و خوار رہتا ہے۔ حرص کا بوجھ مت اٹھا کہ بھاری ہے اور گدھے کے اٹھانے کے قابل ہے۔

متعلقین خاندان کے علاوہ آس پاس کے حکام بھی رعایا کے ستانے اور اس کے گاؤں کی پیداوار کے لوٹنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ ان عورتوں نے بھی اس کی جائداد کے ارد گرد کھیت رکھتی تھیں زبردستی شروع کی۔ اب ابن یمین نے مجبوراً نسیم صبح کو قاصد بنا کر اس "بلقیس سلیمان تربیت" کی خدمت میں روانہ کیا۔ کہ زالوتہ کر کے کہے۔ کہ تیرے زمانے میں جب کہ دنیا میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہے۔

چوں رو اداری کہ چوپاں تو اندر ملک من   ترکتازی آرد و صد چوب بر ہندو زند

تو یہ کیونکر جائز رکھتی ہے کہ تیرے چرواہے میری جائداد پر دھاوا کرتے ہیں اور ہندو کو سو چھڑی مارتے ہیں

لیکن جب نسیم صبح جیسا قاصد ہو اور شعر کے ذریعہ سے پیغام بھیجا جائے تو اسکی بخشش گاہ سے کیا مفید نتیجہ نکل سکتا ہے؟ ایک کمزور آدمی کی فریاد جو جائداد رکھتا ہے ایک حریص عورت کے مقابلہ میں کیا مؤثر ہو سکتی ہے؟ جو شخص اطراف ملک سے حاضر خدمت ہو کر کچھ مانگتا تھا۔ یہ خاتون اس کو ابن یمین کی فیاضانہ تھیلی کے حوالہ کر دیتی تھی اور رقعہ لکھ کر اس کو اپنے ہمسایہ کے پاس بھیج دیتی تھی۔ چنانچہ ابن یمین کہتا ہے۔

ہر زماں آرد مسخر نسخۂ کابن یمین   مبلغ چندیں ادا در وجہ مولانا کند

نوکر ہر وقت ایک رقعہ لاتا ہے کہ ابن یمین اتنا روپیہ مولانا کو دیدے

ایں رہی و جہ معیشت چوں نمے باید بکار   وجہ ایں نوع حوالت از کجا پیدا کند

دوسرے ہمسائے بھی اس پر ناروا دانت لیتے ہیں کسی قسم کی خودداری سے کام نہیں لیتے تھے۔

طالعے بس عجب است ابن یمین را کہ مدام   بوے اولاد زنا بے سببے بد باشد

ابن یمین کی بھی عجب قسمت ہے کہ ہمیشہ حرامی بچے اس کی بُرائی کے درپے رہتے ہیں۔

گاو در خرمنم از کون خرے گر چہ کنند   ہر چہ گویند چہ تحقیق کنی خود باشد

اگر میری کھلیاں میں بیل گدھے کا نیا دین تو تحقیق کی ضرورت نہیں یہی ہوگا۔

فی المثل در ہمہ کس گرچو فرشتہ نگرند   چوں رسد نوبت من بر صفت دد باشد

اگرچہ وہ لوگوں کو مثل فرشتہ کے نظر آتے ہیں۔ لیکن جب میری باری آئے گی تو درندے کی صورت اختیار کریں گے۔

خواجہ نظام الدین یحیٰے کو لکھتا ہے۔

مگر بحضرت عالیش آگہی نرسید   از آنچہ در حق من پیشوائے دیوان کرد

شاید جناب عالی کو معلوم نہ ہو سکا۔ جو کچھ میرے حق میں افسر مالگذاری نے کیا۔

تحصیل کے افسروں، یا ہمسایوں کی تکلیف۔ یا وسائل زندگانی کی فراہمی نے اس کو جائداد کے بیچنے پر مجبور کیا۔ گویا چار چیزوں بالخصوص احتیاج معاش نے باہم اس پر اتفاق کر لیا۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے۔

کا بن یمین فروخت بوجہ معاش خویش   املاک و ہر چہ بودش در خانماں عزیز

ابن یمین نے اپنی وجہ معاش میں جائداد اور گھر کی محبوب چیزوں کو فروخت کر ڈالا

اکنوں نہ ملک ماندو نہ یک جو بہا ملک   دیں خوش کہ برقرار بماندہ است نان عزیز

اب نہ جائداد ہے نہ جائداد کی قیمت البتہ یہ خوشی ہے کہ روٹی مل جاتی ہے۔

بہرحال آہستہ آہستہ جائدادیں اس کے ہاتھ سے نکل گئیں اور اہل و عیال کا بار اس کے سر پر رہا۔

سوالے کرد ز من سائلے کہ اے درویش   ترا عیال رہے ہست و نہ ہست یا ...

بگو کہ وجہ معاش از کجا ہمی آری   کنوں بصیغۂ ماضیت مے نہ بینم حال

بتلا کہ وجہ معاش کہاں سے لائے گا؟ اب گذشتہ زمانے کی طرح مجھ کو تیرا حال نظر نہیں آتا

اگرچہ یہ سوالات اُس کے لئے نہایت سخت تھے اور وسائلِ معاش کے بغیر اہل و عیال کا تکفل اس سے بھی زیادہ سخت تھا۔ لیکن فلسفیانہ طبیعت اور اولاد کی محبت نہ رکھنے کی وجہ سے ابن یمین نے اس تنگدستی پر بھی اپنے دل میں شکر کیا اور اس روحانی تعلق سے آزادہ کر آرام کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی یہ کلمات زبان پر لاتا تھا۔

شکرہا مے کنم در این ایام   کہ تہیدست گشتہ ام چو چنار

اس زمانے میں مَیں شکر کرتا ہوں کہ مثل چنار کے میں تہیدست ہو گیا ہوں

زانچہ چوں گل اگر زرم بودے   دست گیتی مرا نہادے خار

کیونکہ پھول کے مانند اگر میرے پاس سونا ہوتا تو زمانہ میری راہ میں کانٹے بچھاتا۔

بستدندے بصد شکنجۂ چوب   بقیاس جماعتِ زر دار

دولت مند لوگوں کی طرح لوگ سخت سزائیں دے کر مجھ سے اس کو چھین لیتے۔

من چنیں گشتے کہ اکنونم   مفلس و با ہزار عیب و عوار

پھر میں جیسا کہ اس وقت ہوں مفلس اور بے آبرو کا ہو جاتا

اس تاریخ سے ابن یمین نے پہلے سے بھی زیادہ مدح گوئی اور صلے کے حاصل کرنے کے لئے کوشش شروع کی۔ کیونکہ اس کے سوا اس کی اور اس کے اہل و عیال کی معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا اور درحقیقت جو شخص اس خدمت کو انجام دے سکتا تھا۔ اس کے لئے یہ بہترین طریقہ زندگانی تھا۔ کیونکہ کسی شخص کو اپنی جان و مال اور اسباب کی طرف سے اطمینان حاصل نہ تھا۔ اور تجارتی کاروبار بھی بند تھے۔ ایسی حالت میں یا تو آدمی خود لوٹ مار پر زندگی بسر کر سکتا تھا۔ یا خود غارتگروں سے شعر یا دعا یا مسخرگی کے ذریعہ سے کچھ مال و دولت حاصل کر کے گذرِ اوقات کر سکتا تھا۔ اس لئے ابن یمین اس علم و دانش کے ساتھ اپنے معاصر شعراء زمانہ کی طرح شعر گوئی پر مجبور ہوا اور دوست و دشمن کی خدمت میں مدحیہ قصائد

تاکہ ہر چھوٹے بڑے سے اپنی داد لے

یہی وجہ تھی کہ اس نے بقیہ عمر میں مدح گوئی کو پیشہ بنا لیا اور اپنی زندگی کے آخر سال تک اس زمانے کے ہر ایک امراء و سلاطین کی خدمت میں مدحیہ قصائد پیش کیئے اور اس مشغلہ پر فخر و ناز کرتا رہا۔

مرا پیشہ شعر است و در وقت ہا اثر ہا پدید آید از حد مئتم

شعر میرا پیشہ ہے اور مختلف اوقات میں پیشہ کا اثر ظاہر ہوتا ہے

لیکن یہ بھی معلوم ہونا چاہئے۔ کہ اس پیشہ سے اس نے جو فائدہ حاصل کیا وہ صرف یہ تھا۔ کہ امراء کے سامنے روشناس ہو گیا۔ اور اس روشناسی کی بنا پر یا ابن یامین کی آشنائی یا ہجو کے خوف سے انہوں نے اس کی جائداد پر دست تطاول دراز کرنے سے اجتناب کیا۔ ورنہ اس کے علاوہ اس سے اور کوئی بڑا فائدہ حاصل نہ ہوا۔ وہ خود پسند کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

شاعری نیست پیشۂ کہ ازاں رسدت نان تیز تر بدرنج

شاعری ایسا پیشہ نہیں کہ اس سے تجھ کو روٹی کے ساتھ ترکاری اور ترکاری کے ساتھ ہی اٹھے

اس کی زراعت اور جائداد کے متعلق ہمیں صرف اس قدر معلوم ہے۔ اس سے زیادہ ہم کو نہیں معلوم کہ وہ کتنے کھیت کا مالک تھا؟ اور نہ یہ کہ کس طرف وہ واقع ہے؟ اور آخیر میں اس نے کتنی جائداد فروخت کی؟ البتہ اس قدر تحقیق کے ساتھ معلوم ہے کہ موروثی جائداد میں سے اس کے ہاتھ سے ایک معتدبہ حصہ نکلا ہے اور بڑھاپے کے زمانے میں وہ زیادہ تر اپنے علاقہ جات کے چھوڑنے یا فروخت کرنے پر مجبور رہا ہے۔

سپید بود مرا روے و حال و موے سیاہ زمانہ بین بدل ہر یکے چگونہ نہاد

میرا چہرہ اور میرا حال سپید تھا اور بال سیاہ تھے۔ لیکن زمانے کو دیکھو کہ اس نے ہر ایک کو کیونکر بنا دیا

سپید روے حالم شد است بہر موے سیاہ رنگی موئم نصیب حال افتاد

ملازمت ۔

۳۔ سرکاری ملازمت

ابن یمین اپنے آپ کو محمود ابن یمین متوفی کہتا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ ایک مدت تک فریومد میں اس نے سرکاری ملازمت کی ہے اور امیر اور متوفی کا لقب اس کو وہیں سے حاصل ہوا ہے۔ اس شغلہ کا زمانہ معلوم نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کے اشعار کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو اس کی تعیین ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ خود دیباچہ میں لکھتا ہے کہ

میرے آباؤ اجداد ہمیشہ علم و ہنر میں مشہور اور بادشاہوں کے محکمے کی ملازمت میں نام آور رہے ہیں اور بادشاہوں کے احکام و فرامین انکے طغرا اور اعلانات سے محلی و مزین ہوتے رہے ہیں اور ہر ایک کے عہدے اکابر و اعیان کے درباروں میں مقرر رہے ہیں۔ اس لئے " انا وجدنا اباءنا علےٰ امتہ و انا علےٰ اثارھم لمھتدون " کے اقتضاء کے موافق میں نے بھی انکی تقلید کی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے آباؤ اجداد بھی متوفی یعنے محاسب رہ چکے تھے۔

اس عبارت سے اس کے علاوہ کہ اس کا باپ امیر یمین الدین الطغرائی اسی عہدے پر ممتاز تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فریومد میں اس کے اجداد بھی متوسلان سرکار میں تھے پس جب کہ دولت شاہ سمرقندی اس کے باپ امیر یمین الدین طغرائی کی نسبت لکھتا ہے کہ

وہ نسلاً ترک ہے اور سلطان محمد خدابندہ کے زمانے میں اس نے قصبہ فریومد میں اسباب و جائداد خرید کر اقامت اختیار کی۔

معلوم ہوتا ہے کہ امیر یمین الدین طغرائی اور اس کے آباؤ اجداد خراسان کے رہنے والے تو تھے لیکن سلطان محمد خدابندہ کے زمانے میں انہوں نے وہاں جائدادیں خریدی ہیں۔ اس کے زمانے میں وہاں آئے نہیں ہیں۔

بہر حال امیر یمین الدین طغرائی نے جو سرکاری محکمے میں ملازم تھا ۷۲۲ھ میں وفات

ہم آسانی کے ساتھ یہ فرض کر سکتے ہیں۔ کہ اس نے اس کو باپ کا عہدہ مرحمت کیا ہوگا۔ اور اس لحاظ سے ہمارے نزدیک اس کی ملازمت کی تاریخ سنہ ۷۲۲ھ سے شروع ہوتی ہے اگرچہ یہ تاریخ یقینی نہیں ہے تاہم یہ مسلم ہے کہ وہ خواجہ علاء الدین کے زمانے میں اس عہدے پر مامور تھا۔ چنانچہ وہ خود اس کی مدح کے ضمن میں کہتا ہے۔

از تو تحسینش بود و احسان ہم گہ گہے نیز در عمل بودے

تجھ سے وہ داد بھی پاتا تھا اور احسان بھی۔ کبھی کبھی سرکاری کام بھی کرتا تھا۔

یہ مسئلہ کہ اس کو حساب دانی میں کس قدر مہارت حاصل تھی۔ بالکل معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے اخلاق و عادات کے متعلق ہم کو جو کچھ معلوم ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ اس نے اپنی ملازمت کا زمانہ نہایت شرافت کے ساتھ گذارا ہے۔ لیکن ہم یہ شہادت صرف اس کے متعلق دے سکتے ہیں۔ باقی اس کے آباؤ اجداد کی نسبت جنہوں نے یہ خدمت انجام دی ہے اور اس کی بدولت اسباب و جائداد خریدی ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ابن یمین نے اپنی شرافت کی وجہ سے غالباً اس خدمت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا کیونکہ اس نے معزول ہونے کے بعد اپنی تمام موروثی جائداد فروخت کر ڈالی اور اس پر کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔ لیکن یہ خدمت اس نے خواجہ علاء الدین کے زمانے میں انجام دی ہے اور اس کی معزولی کا سبب بھی نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلا قصور معزول کیا گیا۔

نسیم باد صبا جز تو کیست کز بر من بنزد خواجہ رسالت گذار خواہد بود

اے باد صبا تیرے سوا کون خواجہ کی خدمت میں میرا پیغام پہنچا سکتا ہے؟

بگویدش کہ گرم کار برقرار نماند کدام کار کہ آں برقرار خواہد ماند

اس سے کہہ کہ اگر میرا عہدہ قائم نہ رہا۔ تو دنیا کی کونسی چیز قائم رہے گی؟

مرا کہ فخر نبودہ است تاکنوں بعمل قیاس کن کہ ز عزلم چہ عار خواہد بود

مجھ کو جب اس کام پر کوئی فخر ہی نہ تھا۔ تو معزولی سے مجھ کو کیا عار ہو گا؟

غرضیکہ معزولی کے وقت میرے لئے دو چیزیں موجب شکر ہیں۔ جنکا اعتبار زندہ دل لوگوں کے نزدیک ہوگا۔

یکے کو ہیچ نہ کردہ است درزمانِ عمل   کہ وقت عزل ازآں شرمسار خواہد بود

ایک یہ کہ اس خدمت کے زمانے میں میں نے ایک کام بھی ایسا نہیں کیا۔ جس سے معزولی کیوقت شرمندگی ہو

دوم کفایت ارکانِ دولتت پس ازیں   شد آں فسانہ کہ در ہر دیار خواہد بود

دوسرے تیرے ارکان دولت کی قابلیت جو اس کے بعد تمام ملکوں میں مشہور ہو جائے گی۔

چہ سے کنم عملے را کہ عزل در پے آن   زبے ثباتی ایں روزگار خواہد بود

میں اس عہدے کو کیا کروں۔ جس کے بعد بے ثباتی زمانہ سے معزول ہونا پڑے گا۔

جاہداد اور دفترِ حساب کی انتظامی قابلیت کے مفقود ہونے کے سوا جو میرے خیال میں اس کی شاعری اور فطری بے پروائی کا بدیہی نتیجہ ہے۔ حاسدوں کی دراندازی اور دشمنوں کی ریشہ دوانی کو بھی اس کی معزولی میں پورا دخل ہے۔ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے

درباب من دوسے حسد یک دو ناشناس   دمہا زدند و کوزۂ تلبیس تافتند

میرے معاملے میں ایک دو نالائقوں نے حسد سے حیل و فریب کئے۔

بہرحال وجہ جو کچھ بھی ہو وہ معزول ہو کر خانہ نشین ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد اس نے اس معزولی کی دوسری توجیہ کی اور اپنی خودداری کے قائم رکھنے کے لئے یہ ظاہر کیا۔ کہ اس نے خود استعفیٰ دیا اور گوشۂ قناعت کو بخوشی میدان عمل پر ترجیح دی۔ چنانچہ لکھتا ہے

ایک زمانہ تک سرکاری کام میں مصروف رہا اور اکابر و اماثل کیساتھ مقابلے پیش آتے رہے ابتداءً اس میں فوائد نظر آئے۔ لیکن اس کا انجام بے ضرر نظر نہیں آتا۔ بالآخر اس سے دل ملول ہوا۔ اس لئے ع

پشت پائے زدیم و وارستیم

اس پر لات مار کر علیحدہ ہو گیا اور بلبل زبان نے گلشن بیان میں

اس شعر کے ساتھ نغمہ سنجی شروع کی۔

اس کے دیوان میں بھی اس عملی آزادی کے متعلق بہت سے اشارات ہیں۔ اور اس قسم کے بہ کثرت اشعار نظر آتے ہیں۔

باز آمدیم از آنچہ ہوا بود رہنماش   عقلم نمود راہ و ایں عود احمد است

خواہش نفس جو راستہ دکھاتی تھی۔ میں اس سے واپس آیا اب عقل نے مجھ کو راہ دکھائی اور یہ راہ عمدہ ہے

اب یہ معزولی اس کی زندگی کو دوسرے راستے پر ڈال دیتی ہے اور اس کی زندگی کا یہ ایک ایسا واقعہ ہے۔ جس نے اس کے خیالات پر عظیم الشان اثر ڈالا ہے۔ اس معزولی کے بعد ابن یمین اپنے کھیتوں کے کنارے بیٹھ گیا اور اپنی عارفانہ اور شاعرانہ زندگی شروع کی۔ اس کے بعد بھی اگرچہ وہ امراء و سلاطین کے درباروں میں آیا ہے۔ قصیدے لکھے ہیں اور صلے کا خواستگار رہا ہے اور ان میں بعض کے ہم رکاب سفر اور جنگ میں بھی گیا ہے۔ لیکن باضابطہ طور پر سرکاری کاموں سے الگ ہو گیا ہے۔ اور کاشتکاری اور شاعری کو اپنا پیشہ قرار دیا ہے۔

یہ یقین کرنا چاہئے کہ ابن یمین کے لئے یہ معزولی ایک بہت بڑی نعمت غیر مترقبہ تھی۔ کیونکہ اپنے اقتضاء طبیعت کے مطابق اب وہ اس قابل ہو گیا کہ اپنی عمر کچہری والوں کے شور و غل اور اکابر و اماثل کی رشک و مناقشت سے الگ رہ کر بسر کر سکے۔ یقین ہے کہ ملازمت کے زمانے میں بھی ہمیشہ اس قسم کی آزادی اس کو مطلوب رہی ہے۔ اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا۔ اور اس کو اس کی لذت مل چکی تو اس نے دوبارہ اس کی فکر نہ کی۔ اگرچہ تنگدستی اور دولت و ثروت کا خیال ہمیشہ اس کو کسی شغل کے اختیار کرنے پر آمادہ کرتے رہتا تھا۔ لیکن وہ اپنے ہم پیشہ لوگوں کو جو حرص کے بندے اور ملازمت کے جویاں تھے یاد کر کے کہتا تھا۔

ابن یمین گر ترا بعمل میل خاطر است   اول بداں کہ آخر آں خیر مہیب نیست

حال نجیب [illegible]   بیک عظمت چو حال تباہ نجیب نیست

نجیب کی حالت اور اس کے عہدہ اور اس کی معزولی کو دیکھ تیرے لئے کوئی واعظ نجیب کے حال تباہ سے بہتر نہیں ہے۔

چوں عزل مرد ہست بوقت طلاق زن   خرم کسے کہ قاضی و شیخ و خطیب نیست

معزولی کے وقت مرد کی وہی حالت ہوتی ہے۔ جو طلاق کے وقت عورت کی۔ کس قدر خوش ہے وہ شخص جو قاضی شیخ اور خطیب نہیں۔

اگر لوگ کبھی اس کو امیدواری کی دعوت دیتے تھے تو کہتا تھا۔

حدیث من ز مفاعیل و فاعلات بود   من از کجا سخن سر مملکت ز کجا

میں مفاعیل و فاعلات کی بات چیت کرتا ہوں۔ میں کہاں؟ اور رموز سلطنت کی گفتگو کہاں؟

اگرچہ ابن یمین اپنی شاعری اور امرائے سربدار کے تقرب کے زمانے میں بہت کچھ توقعات رکھتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی یہ خواہش نہیں کی۔ کہ اس کی پہلی ملازمت اس کو دوبارہ ملجائے یا اس کو امور ملکی میں مشغول کریں۔ اس نے خواجہ علی سے بلے شبہ یہ درخواست کی ہے کہ

بہ بخش بال و پرے از منال دیوانش   کہ در ہوائے تو پرواز کردنش ہوس است

اس کو اپنی کچہری کے مال و دولت سے بال و پر عطا فرما کہ وہ تیری ہوا میں اڑنا چاہتا ہے۔

لیکن اس شعر سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اس نے سرکاری ملازمت کی خواہش کی ہے یا سرکاری مال سے وظیفہ چاہا ہے۔

۴۔ سفر

جیسا کہ پہلے باب میں گذر چکا ہے۔ غالباً ابن یمین کے اکثر سفروں کا مقصد تحصیل معاش تھا۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے۔

لہ نجیب الدولہ یہودی کی طرف اشارہ ہے۔ جو اسلام لا کر وزرائے الجایتو کا مقرب بارگاہ ہوا اور [illegible]

میں اس ملک میں اس طرح بے قیمت ہوں۔ جیسے کان میں موتی۔ اس لئے خیر خواہ عقل مجھے سفر کا حکم دیتی ہے۔

اس لحاظ سے ہم اس بحث کو بھی اسی فصل میں کرتے ہیں۔ لیکن خود ابن یمین اپنے سفر کی وجہ۔ وطن کی بے اعتباری۔ امرا کی بد اخلاقی اور شرفا کی نا قدر دانی کو قرار دیتا ہے اور اپنی طرف خطاب کر کے کہتا ہے۔

خود گرفتم کہ نمودی ید بیضا بہ سخن نطق عیسےٰ چہ کنی دور خزانست امروز

میں نے فرض کیا کہ تم نے شاعری میں ید بیضا دکھلایا۔ لیکن نطق عیسےٰ کو لے کر کیا کرو گے۔ اس وقت خزاں کا دور دورہ ہے۔

ذیل کا قطعہ شرفا کی اس نا قدر دانی کو اور بھی زیادہ نمایاں طور پر دکھاتا ہے کیونکہ وہ اس زمانے کے اس فتنہ و فساد کا لازمی نتیجہ ہے۔ جس نے ادنےٰ درجہ کے لوگوں کو شرفاء کا جانشین بنا دیا تھا۔

دورے در آمدہ است کہ راضی نمیشود کمتر کسے کہ صدر معظم نویسمش

ایسا زمانہ آیا ہے کہ اگر کسی کم درجہ کے آدمی کو میں وزیر اعظم لکھوں تو وہ اس پر راضی نہیں ہوتا۔

آخر وزیر را چہ نویسم کہ ہر گزیر وارد طمع کہ صاحب اعظم نویسمش

آخر میں وزیر کو کیا لکھوں کہ ہر کانسٹبل کی یہ خواہش ہے کہ میں اس کو صاحب اعظم لکھوں۔

منصب بداں رسید کہ اکنوں گدائے شہر نپسندد ار زہ شاہجہاں کم نویسمش

عہدوں کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب اگر گدائے شہر کو شاہجہان سے کم لکھوں۔ تو وہ اسکو پسند نہیں کرتا۔

ان کمینوں نے جو پہلے سے شریف نہ تھے کہ قصائد مدحیہ کے خریدار ہوتے اور ہجو و بدگوئی سے ڈرتے۔ وہ تعلیمیافتہ ناز پروردہ اور صاحب ذوق بھی نہ تھے کہ شعرا کے نادر اشعار سے لذت حاصل کرنے اور شاعر کی ضرورت کے مطابق انکی قیمت مقرر کرتے۔ اس لئے انہوں

دست اگر در دہانِ شیر کنی　　　　وز پے قوتِ لقمہ برداری

اگر روزی حاصل کرنے کے لئے تم شیر کے منہ میں ہاتھ ڈال دو۔

نزد ابن یمین ستودہ تر است　　　　زانکہ حاجت بسفلگاں آری

تو کمینوں کے سامنے حاجت پیش کرنے سے ابن یمین کے نزدیک یہ بہتر ہے۔

چونکہ ان نو بدولت اور سفلہ پرور امرا کی موجودگی میں وہ اپنے ملک میں باعزت طور پر قیام نہیں کر سکتا تھا! اس لئے اس کو مجبوراً وطن سے الگ ہو کر راہِ سفر اختیار کرنی پڑی اور وہ اس سفر کے اختیار کرنے کی وجہ صرف حصول فخر و عزت کو قرار دیتا ہے اور مادی فوائد کی توقع کی نفی کرتا ہے۔

من نہ چو دو نان زبہر نان چنیں سرگشتہ ام　　　　بہر آب افتادہ ام دور از مکان خویشتن

میں کمینوں کی طرح روٹی کے لئے سرگشتہ نہیں پھرتا۔ بلکہ پانی (یعنے آبرو) کے لئے اپنے وطن سے دور پڑ گیا ہوں۔

از مکان خویش اگر بیروں فتادم عیب نیست　　　　از ہنر بیروں فتد گوہر زکان خویشتن

اگر میں اپنے وطن سے باہر ہوا تو یہ کوئی عیب نہیں۔ ہنر کی وجہ سے موتی بھی اپنی کان سے باہر نکل آتا ہے

در شہر خویش ہر کہ مذلت ہمے کشد　　　　گر غربت اختیار کند خوانمش لبیب

اپنے شہر میں جو شخص ذلت اٹھاتا ہے اگر سفر اختیار کرے تو میں اسکو عقلمند کہوں گا۔

اینت بہ بس فضیلت غربت کہ عاقلاں　　　　خوانند ہر نفیس ترین چیز را غریب

تیرے لئے سفر کی فضیلت یہ کیا کم ہے کہ عقلمند لوگ ہر عمدہ چیز کو غریب کہتے ہیں۔

لیکن اس کے بیان سے بہتر طور پر خود اس کے حالات زندگی اس کے سفروں کی وجہ بیان کرتے ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسب شرف و آبرو کے پردے میں ذریعہ حصول معاش بھی چھپا ہوا تھا۔ اور اس کے بعض قطعات سے بھی یہ راز ظاہر ہو جاتا ہے

ابدال ار چہ پند در سفر خطر است　　　　کس خطر بے سفر کجا یابد

[illegible] یابد

جو شخص سایہ کی طرح گوشہ نشین ہو گیا وہ چاند اور سورج کی چمک کیونکر پائے گا۔

آنچہ اندر سفر بدست آید　　مرد اندر حضر کجا یابد

جو کچھ سفر میں مل سکتا ہے کوئی گھر میں کہاں پا سکتا ہے؟

گو ہنرمند گوشۂ گیرد　　کام دل از ہنر کجا یابد

اگر ہنرمند گوشہ گیری اختیار کرے تو ہنر سے مقصد دلی کیونکر پا سکتا ہے؟

باز اگر ز آشیان برون نرود　　پر شکارے ظفر کجا یابد

باز اگر آشیانہ سے باہر نہ نکلے تو شکار کیونکر پا سکتا ہے؟

بہر حال مادی و اخلاقی فوائد کے باوجود ابن یمین کو سفر سے کوئی دلی لگاؤ نہ تھا اور اس کو محض ایک فرض اور مجبوری کے طور پر اس نے اختیار کیا تھا۔

سفر نیک است بہر آنکہ ہر روز　　چہ خوش باشد بنو جائے رسیدن

سفر اس شخص کے لیے بہتر ہے جو ہر روز نئی جگہ جاتا ہے

مشرف گشتن از دیدار اصحاب　　رخ صاحبدلان ہر جائے دیدن

دوستوں کے دیدار سے مشرف ہونے سے اور ہر جگہ صاحبدلوں کے منہ دیکھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔

ولے تلخ است آں شربت کہ ہر روز　　ز دست دیگرے باید چشیدن

لیکن وہ شربت کڑوا ہے جو روز دوسروں کے ہاتھ سے پیا جاتا ہے۔

اس کے تمام سفر بہ ترتیب معلوم نہیں ہوتے۔ البتہ اپنے باپ کی زندگی میں گرگان اور خراسان کے بعض شہروں میں گیا ہے سنہ ۷۰۰ھ میں مشہد مقدس رضویہ کی زیارت کی۔ اور سنہ ۷۴۳ھ میں خواف گیا ہے اور وہاں سے ہرات کا سفر کیا ہے۔ چند سال کے بعد فریومد میں واپس آیا ہے اور سنہ ۷۵۳ھ میں پھر گرگان گیا ہے۔ لیکن ان نے اس کے علاوہ جن کا حال یقینی طور پر معلوم ہے۔ اس نے اور بھی متعدد سفر کئے ہیں۔ لیکن اُس نے اور اُن کے مقامات کی تعیین کافی اسناد کے ساتھ معلوم نہیں۔ مثلاً یہ مقدس رضویہ دیوار اور

فلک سرگشتہ کرد ابن یمین را فگندش در رہ ایوار و شبگیر

آسمان نے ابن یمین کو سرگشتہ کیا اور ایوار اور شبگیر کے راستہ میں ڈال دیا۔

وگرنہ او کہ و شبگیر و ایوار ضعیفے ناتوانے مرد کے پیر

ورنہ وہ کون ہے؟ اور شبگیر اور ایوار کون؟ ایک ضعیف کمزور اور بوڑھا آدمی

سفر کردن نہ کار ست چوں او گرفت اکنوں بسان کودکان شیر

اب جبکہ وہ بچوں کی طرح دودھ پینے لگا ہے سفر کرنا اس کا کام نہیں۔

اس کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سفر بہت کئے ہیں۔

مدتے در پئے ہوا و ہوس عرصۂ بحر و بر بہ پیمود م

ایک مدت تک حرص و ہوا کے پیچھے میں نے دریا و صحرا کو ناپا

بعض اوقات مازندران کے سپہ سالار سے بھی ملاقات کی ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں۔ کہ یہ ملاقات مازندران میں ہوئی ہے۔ یا جب کہ یہ سپہ سالار گرگان میں طغا تیمور خاں کے دیکھنے کے لئے آیا ہے اس کا اتفاق ہوا ہے۔ بہر حال امرائے مازندران کی مدح میں اس کے چند اشعار موجود ہیں۔

خیز اے نسیم باد صبا از طریق لطف بر درگہ سپہدار مازندران گذر

اے باد صبا براہ کرم اٹھ اور سپہ سالار مازندران کی درگاہ میں جا۔

خسرو خسرو نشان تاش جمشید فر مہر سپہر کرم سایۂ پروردگار

خسرو خسرو نشان تاش جمشید مرتبہ آسمان کرم کا سورج خدا کا سایہ

اسی تاش کی مدح میں کہتا ہے۔

شاد باش اے دل کہ بخت پیشوائی میکند سوئے نوئیں جہانت رہنمائی مے کند

اے دل خوش ہو کہ قسمت تیرا استقبال کرتی ہے اور سردار عالم کی طرف تیری رہنمائی کرتی۔

چند قطعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عراق میں بھی گیا ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا۔ کہ کہاں کہاں گیا ہے؟ اور کب تک قیام کیا ہے؟

میں اس کے قید ہونے اور کردستان کے بعض قلعوں میں ٹھہرنے کے بعد اس کے رہا ہونے کا واقعہ روضۃ الصفا اور حبیب السیر میں مذکور ہے اور وہ ۷۵۱ھ میں قتل ہوا ہے وہ قطعہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

سر افاضل آفاق خواجہ عبد الحی   زہے بخامہ شکر بار ترزا بر مطیر

ملک کے فضلاء کا سردار خواجہ عبد الحی جو اپنے قلم سے برسنے والے بادل سے بھی زیادہ شکر برساتا ہے

اگر یہ خواجہ عبد الحی وہی ملک اشرف کا وزیر ہے۔ دوسرا شخص نہیں ہے[۱]۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عراق میں ابن یمین کا سفر ۷۴۳ھ تا ۷۵۰ھ کے درمیان ہوا ہوگا۔ ممکن ہے کہ ہرات سے واپس آنے کے بعد آقا تیمور اور کلو اسفندیار کے زمانے میں وہاں گیا ہو۔ کیونکہ ان دونوں بادشاہوں کی مدح میں اس نے اتفاقاً ہی کوئی شعر کہا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ وہ اس زمانے میں سبزوار میں نہ تھا۔

طرز حکمرانی کے علاوہ یہ دونوں امیر بہت فیاض بھی نہ تھے۔ اس لئے وہ خراسان سے بہت تنگدل ہوا اور خواجہ حافظ کی طرح جلائرِیہ بغداد کی ملازمت کے لئے سفر کا ارادہ کیا۔ اور کہا۔

چہ کنم ملک خراسان چہ کنم محنت چناں   وقت آنست کہ پرسی خبر از بغدادم

میں ملک خراسان کو لے کر کیا کروں اب وہ وقت کہ مجھ سے بغداد کا حال پوچھو۔

گرچہ این مولد و منشاست ولے سعدی گفت   نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

اگرچہ یہ جنم بھوم ہے لیکن سعدی کا قول ہے کہ سختی میں اس لئے نہیں مرنا چاہئے کہ میں اس جگہ پیدا ہوا

زین وطن گر بروم ہست خریدار بسے   گوہرے را کہ بود زادہ طبع رادم

اس وطن سے اگر میں چلا جاؤں تو اس موتی کے بہت سے خریدار ہیں جس کو میری فیاض طبیعت نے پیدا کیا ہے

۱۔ تذکرہ دولت شاہ میں سلمان ساوجی کے حال میں ضمناً ایک خواجہ عبد الحی کا نام نظر آتا ہے۔ جو

یمین عراق کی نسبت یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ کن کن شہروں میں گیا ہے ایک شخص سعد الدین نامی کی مدح میں جو قطعہ لکھا ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ آذربائجان میں تھی چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

نوذر ایک ویران قلعہ ہیں ہے جو ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اور اس کے نیچے خانہ اہرندی جاری ہے اور بیس سے زیادہ مواضعات اس کے متعلق ہیں۔ جن میں ہول۔ بول اور ہفدوان سب سے بڑے ہیں۔ اسکی مالگذاری گیارہ ہزار دینار ہے اور اس ولایت کو بلوک اینجو کے دفاتر میں لکھتے ہیں۔

اور ابن یمین ذیل کے قطعہ ہیں اس بلوک کو سعد الدین مسعود کی طرف منسوب کرتا ہے

وارث املاک اینجو سعد دین مسعود آنکہ عرضہ خواہم داشتن در خدمت او شرح حال

اینجو کی جائداد کا وارث سعد دین مسعود جسکی خدمت میں میں عرض حال کرنا چاہتا ہوں

از خراسان چوں نہادم پائے در ملک عراق بود اول کس کہ کردم بر درش حط رحال

خراسان سے جب میں نے ملک عراق میں قدم رکھا۔ تو سب سے پہلے اس کے دروازے پر اترا

چوں بنجح احتیاجم دید دینار سے ہزار از کرم وہ شانزدہ انعام کرد اما عوال

جب اس نے دیکھا کہ مجھے ایک ہزار دینار کی حاجت ہے۔

بقیہ قطعہ میں اس شخص کی شکایت ہے جس کو اس عطیہ کے دینے کا حکم ہوا تھا یہ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مغلوں کے زمانے میں بادشاہوں کے خالصہ کو اینجو کہتے تھے اور خالصہ کا وکیل بھی اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عراق میں ابن یمین نے سب سے پہلے جس شخص کی مدح کی وہ سعد الدین مسعود تھا۔ اور اس نے حسب مراد اس کے مقصد کو پورا نہیں کیا۔ کیونکہ اس نے ایک عطیہ کا حکم دیا۔ لیکن اس کے عمال نے اس عطیہ کے دینے میں بخل سے کام لیا اور وزرائے سرکار دیوان نے بھی اس کے شایان شان خدمت نہیں کی۔ اس لئے

رئیسان عراق سے کہو کہ خادم نے چونکہ یہاں بے سرو سامانی کے ساتھ زندگی بسر کی۔

کنزاینجا رفتنش سوے خراسان درین دہ روز باشد غائتش بیست

اس لئے وہ اس روز میں یا زیادہ سے زیادہ بیس روز میں خراسان کی طرف چلا جائے گا۔

گر اصحاب خراسانش بپرسند کہ در ملک عراق اہل کرم کیست

اگر خراسان کے لوگ اس سے پوچھیں کہ خراسان میں فیاض کون ہے؟

چو اینجا از کرم نشنید بوئے جواب آنجا چہ گوید مصلحت چیست

جب کہ اس نے یہاں فیاضی کی خوشبو تک نہیں سونگھی تو وہاں کیا جواب دے گا؟

لیکن اس اخلاقی دھمکی سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ اس لئے دفعتہً عراق سے سیر ہو کر اس نے واپسی کا ارادہ کیا۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ جس وزن اور قافیہ میں پہلے اپنے سفر کا خیال ظاہر کیا تھا۔ اسی میں اپنے سفر کے خاتمہ کی مسرت کا اظہار کیا ہے۔

این منم بازکہ در باغ بہشت افتادم وز سفر کاں بحقیقت سقرست آزادم

اب میں پھر بہشت میں آیا اور سفر سے جو حقیقت میں سقر ہے آزاد ہوا

این بخوابست کہ مے بینم اگر بیداری کہ پس آں ہمہ اندوہ چنین دلشادم

میں یہ خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ بیداری میں کہ اس قدر غم کے بعد اس قدر خوش ہوں

دستگیر ار نشدے حق کہ توانستے خاست آنچناں سخت کہ ناگاہ زپائے افتادم

اگر خدا مدد نہ کرتا تو جس بری طرح میں گرا تھا اس سے مجھے کون اٹھا سکتا۔

اس قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر میں ایک حادثہ پیش آیا تھا اور اس کے پاؤں کو صدمہ پہنچا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ نہایت زحمت سے واپس ہو سکا۔ نظام الدین کی مدح کے ضمن میں ذیل کے شعر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

عرضہ دارم کہ جہاں دولت چرا محروم ماند زانکہ خود لنگ است داے ہمہ ندارد راہوا

ایک شخص ابوالفتح نامی کی مدح میں جو قطعہ لکھا ہے۔ اس میں بھی ایک گھوڑے
کی درخواست کی ہے۔ تاکہ جاڑے کے موسم میں دور دراز کی راہ کو طے کر کے اپنے
آپکو وطن میں پہنچا سکے۔

اگرچہ سلاطین جلائریہ کے ملک الشعراء سلمان ساوجی کی عالم گیر شہرت اور سلطان
اویس کی فیاضی اور شعر دوستی سے اس زمانے کے اکثر شعراء بغداد کیطرف کھنچ گئے
تھے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ ابن یمین بھی وہاں گیا تھا۔ غالباً جس طرح خواجہ حافظ نے
سلطان احمد جلائر کی دعوت پر وہاں کا قصد کر کے کہا تھا۔

دلم از صحبت شیراز بکلی بگرفت　　وقت آنست کہ پرسی خبر از بغدادم

لیکن بعد کو جانے سے معذرت چاہی۔ اسی طرح ابن یمین نے بھی اگرچہ متذکرہ
بالا شعر میں بغداد کا شوق ظاہر کیا تھا۔ لیکن بعد کو وہاں نہ گیا ہوگا۔

چوتھی فصل

شاعری

پیش ازیں گر شاعراں بودند چوں ابن یمین
شاعرے قادر تر ازوے ایں زماں برنخاست

آٹھویں صدی کی مثال ایک ایسے جسم کی ہے۔ جس نے ابھی ابھی ایک ایسے
خطرناک مرض سے نجات پائی ہے۔ جس نے اس کا تمام خون چوس لیا ہے۔ ساتویں
صدی کے آغاز میں مغلوں کے حملہ اور آٹھویں صدی کے وسط میں انکی سلطنت کے

موجود تھی - بلکہ انکے دیوان تمامتر عجز و انکسار - الحاد اور بے دینی کا مجموعہ ہیں - بے شبہ
شیخ سعدی جن کی نشو و نما ۶۱۷ھ سے پہلے ہوئی ہے اور انہوں نے تحصیل فن
مدرسہ نظامیہ بغداد یعنے اس دائرہ میں کی ہے - جو مغلوں کی دست برد سے محفوظ تھا -
قدرتی طور پر اس حکم سے مستثنےٰ ہیں - اور انکے محاسن شاعری مغلوں کے دور سے پہلے
کے نتائج ہیں - لیکن انکو چھوڑ کر جب ہم ساتویں صدی کے بقیہ حصہ اور پورے آٹھویں
صدی پر نظر ڈالتے ہیں - تو ہم کو نظر آتا ہے کہ لفظاً و ترکیباً شاعری پست ترین درجہ کو
پہنچ گئی ہے - اس میں شبہ نہیں کہ خواجہ حافظ متوفی ۷۹۱ھ بھی اس استثنا کی ایک
برجستہ مثال ہیں - جنہوں نے اگرچہ قدما کی خوددارانہ روح کو فراموش کر دیا - "تاہم
لفظی اور معنوی شیریں ترکیبات اور بلند فلسفیانہ خیالات سے انہوں نے اپنے آپکو
سنائی - خیام - عطار - اور مولانا روم کے دوش بدوش کھڑا کر دیا ہے - ان مراتب کی تکمیل
کے لئے سلمان ساوجی کے بعض قصائد کو بھی مستثنےٰ کر لینا چاہیے - جن میں کبھی کبھی عنصری
انوری - معزی - اور ظہیر فاریابی کی شان نظر آجاتی ہے - لیکن اس قسم کے قصائد
بہت کم اور غزلیات دلفریب اس سے بھی کم ہیں - کیونکہ مولانا روم اور شیخ سعدی کی
غزلیات کے لئے ایک زمانہ درکار ہے - جس میں حافظ جیسا مجدد پیدا ہو اور اس میدان
کو اپنے لئے مخصوص کر لے اور جامی کے زمانے تک اور سب سے اخیر میں بابا فغانی
متوفی ۹۱۵ھ اور صائب وغیرہ کے ہندوستانی تجدید تک اس سررشتہ کو مربوط کر دے
آٹھویں صدی کی طولانی مسافت کو ایک شخص بہترین شاعرانہ یادگاروں کی تلاش
میں بالکل بیکار طے کرتا ہے - البتہ اس دور یعنے آٹھویں صدی کے نصف حصہ کا
روشن ترین چراغ ابن یمین فریومدی ہے - جس نے صدی کی ابتدا سے ۶۹ سال تک
روشنی پھیلائی ہے - اور خوش قسمتی سے جس طرح اس کے شباب کا زمانہ سعدی
کی وفات یعنے ۶۹۱ھ سے شروع ہوا - اسی طرح اس کی وفات اور بڑھاپے کا زمانہ

...کا اختتام کیا اس کو اپنے کسی وارث حافظ کو سپرد کر کے رخصت ہوا۔ لیکن
ابن یمین اور ابن یمین کے جانشین حافظ دونوں نے ایک معینہ روش اختیار کی ہے
اور باقی دوسری روشوں کو نالائقوں اور بے فکر شاعروں کے لئے چھوڑ دی ہے
یعنے حافظ نے غزل میں اور ابن یمین نے قطعہ میں نام پیدا کیا ہے

اسی فن قطعہ سرائی نے ابن یمین کو اس صدی کے شعرا میں ممتاز کیا ہے۔
بالخصوص اس نے اخلاقی مسائل اور حکمت عملی کے نکات کو نہایت اختصار اور بےمثل
روانی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے قطعات کی ایک بڑی خوبی بے تکلفی ہے۔ یعنے
بغیر کسی تمہید کے مطلب کو شروع کرتا ہے اور ضروری تشبیہات کے ساتھ انکو ختم کرتا ہے
اس کے قطعات بہت ہیں۔ اور اس کا آدھا دیوان انہی سے بھرا ہوا ہے اور اس کی
زندگی میں اور نیز وفات کے بعد اس کی عالمگیر شہرت کا باعث ہوئے ہیں اور درحقیقت
آج بھی اس کے قطعات کے ایک صحیح انتخاب سے ایک مختصر سا ایسا مفید مجموعہ
تیار ہو سکتا ہے۔ جو بہت سے اخلاقی مسائل کو دوسری کتابوں سے زیادہ بہتر طریقہ
پر ذہن نشین کر سکتا ہے۔

اس کا اصلی ہنر یہ ہے کہ ہر اخلاقی اور اعتقادی مسائل پر بحث کی ہے۔ اس پر
غور و فکر کر کے ایک تجربہ حاصل کیا ہے۔ لیکن اس کی بزرگ ترین روح کو صرف اسی پر
قناعت نہیں ہے۔ کہ مشکلات زندگی کو حل شدہ مسئلہ سمجھ لے۔ اس کا دماغ جس نے
فلسفیانہ خیالات میں نشو و نما پائی ہے۔ ہر چیز میں شک کرنے کا عادی ہے اور وہ تمام
مسلمات کو جس سے آگے عام لوگ بڑھنا نہیں چاہتے۔ ٹھکرا دیتا ہے۔ اور اس کے
اصل منبع اور حقیقت تک پہنچنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ اس حد سے آگے
بڑھ جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ یا ایک ایسی چیز پاتا ہے۔ جو اس کے گذشتہ عقائد کے مخالف
ہوتی ہے۔ اور اس وقت ہم اس کے خیال کو پہلے خیال کے مخالف پاتے ہیں۔
لیکن اس قسم کا شخص بہترین معلم اخلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ معلم اخلاق کا یہ فرض ہے

پیرا کرے اور اس کے کلام میں کوئی چیز اس اصول کے مخالف نظر نہ آئے۔ لیکن ابن یمین نے ایک قدرتی اسادہ اور بے تصنع آدمی بننا چاہا ہے اس کی اصلی خواہش یہ ہے کہ اپنے ہی دل کا محرم راز ہو اسی کے بھید کو سنے اسیکی رجحانات کا لحاظ کرے اسی کی نغمہ سنجیوں سے لذت یاب اور لذت بخش ہو اور اس کے تاثرات سے ایک چھوٹی سی تاریخ مرتب کرے اور اپنے زمانے میں اس کو اسی کی توفیق حاصل ہوئی ہے۔

ساٹھ سال کی شاعری! آہ کس قدر طویل زمانہ ہے؟ اور کس قدر متزلزل اور فتنہ خیز دور؟

پس اگر ایسے زمانے میں جس میں کوئی چیز اپنی جگہ پر قائم نہ ہو اور کوئی اخلاقی اصول بدباطنوں کی حرص وطمع تباہی وبربادی جائداد ومال ودولت کی غارتگری اور قتل وخونریزی کی روک ٹوک نہ کر سکے۔ ابن یمین بھی دوسروں کی طرح ایک ہی اصول کو سوسائٹی کی تنظیم کا شیرازہ قرار دیتا تو کیا وہ کوتہ نظر اور خوش عقیدہ نہ قرار پاتا؟

مثلاً اصلاح طلبی کی تحریک اور ایک خیالی آرام کو پاکر اس نے ایک قطعہ نظم کیا۔ اور اس فن کے خیال سے ایک راہ راست کا اعلان کیا۔ لیکن دوسرے ہی روز ایک عظیم الشان واقعہ نے اس کی زندگی کو تلخ کر دیا۔ ایک نالائق۔ بداصل۔ جاہل شخص خود۔ یا ایک خطرناک جرم اور اپنے آقا کے قتل کر دینے کے صلے میں باوجود غربت وفلاکت کے بادشاہ ہو گیا۔ آخر اس خبر سے شاعر کے حساس اور زود رنج دل پر کیا اثر پڑے گا؟ ایک کشمکش اور ناامیدی جس نے اس کو دنیا۔ اصول حکماء اور نصایح علما کی مخالفت پر آمادہ کیا تھا اور وہ بے اختیار کہتا تھا کہ "جو شخص مال نہیں رکھتا کچھ نہیں رکھتا" اور "جو شخص زور کا لفظ نہیں بولتا وہ زور کا لفظ سنتا ہے"۔ اور ظہیر کی طرح کہتا ہے۔

ومن لم یذد عن حوضہ بسلاحہ یھدم ومن لایظلم الناس یظلم

جو شخص اپنے حوض کے لئے اپنے ہتھیار سے مدافعت نہیں کرتا اس کا حوض منہدم کر دیا جاتا ہے اور جو شخص لوگوں پر ظلم نہیں کرتا اس پر خود ظلم کیا جاتا ہے۔

چپ اور ظالم کے حق بجانب ثابت کرنے کا ایک حیلہ ہیں۔ انہی حالات میں وہ کہتا ہے کہ مال کو جمع کرنا اور اولاد کے لئے چھوڑ جانا نہیں چاہیے۔ کیونکہ کسی چیز کی نسبت ہم کو یہ اطمینان حاصل نہیں ہے کہ وہ وارث کو ملے گی۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کو کھانا اور دوستوں کو کھلانا چاہیئے اگر کل کے دن چراغ میں تیل نہ رہے۔ تو اس کی بھی پروا نہیں۔ انہی حالات میں وہ کہتا تھا کہ کبھی کوئی کام کرنا نہیں چاہیئے۔ کوشش بے سود ہے قضا و قدر کے آگے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ نظر آتا ہے کہ ایک نہایت پست درجہ کا آدمی بغیر کسی زحمت کے سلطنت حاصل کر لیتا ہے اور اس کے بعد کیونکر ایک نوکر کے ہاتھوں قتل ہو جاتا ہے اور وہ نوکر کیونکر اس کی جگہ لے لیتا ہے اس کے چند ہی دنوں بعد وہ بھی اپنے کسی ہم قوم کے ہاتھوں قتل ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں کوئی اپنی عمر کیوں ضائع کرے؟ کیوں ایک مقدمہ مرتب کرے؟ اور ایک اصول کا پیرو ہو؟ حالانکہ دولت بلا محنت ہاتھ آتی ہے۔ صرف ہم کو ایک خنجر کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو کسی کے سینہ میں بھونک دیں۔ بے شبہ اگر ابن یمین اپنے اخلاقیات کے ذریعہ سے ان متضاد خیالات کی اشاعت نہ کرتا تو وہ عجیب قسم کا تصنع کرتا اور یہ تکلف اپنے ماحول سے بیگانہ بنتا۔ اس حالت میں ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ایک بڑا آدمی ضرور ہوتا۔ لیکن ہم اسکو ایک بڑا شاعر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ دل کو جذبات سے معرا رکھنا شاعر کے الہامات کے مخالف ہے۔ یہ مسلم ہے کہ تمام شعراء سے پہلے سعدی نے عشق و محبت کی وقعت کی ہے اس کی لذتوں کو نظم کیا ہے اور معشوق کے وصل کو دنیا و آخرت پر ترجیح دی ہے اور کہا ہے۔

گر مخیر بکنندم بقیامت کہ چہ خواہی | دولت ما را و ہمہ نعمت فردوس شما را

اگر مجھے اختیار دیں کہ قیامت میں کیا چاہتے ہو؟ تو میں یہ اختیار کروں گا کہ دولت مجھ کو ملے اور بہشت کی تمام نعمتیں تم کو۔

لیکن اس قصیدہ کو بھی نگاہ میں رکھو۔ جس کا مطلع یہ ہے،

... کی ذرگی میں وقت ہے دردادی بحث ہیں۔

بالخصوص اس قصیدہ میں اس شعر پر نگاہ ڈالو۔

چہ لازم است یکے شادمان و من غمگین یکے بخواب و من اندر خیال او بیدار

یہ کیا ضرور ہے کہ ایک خوش ہو اور میں غمزدہ ایک نیند میں ہو اور میں اس کے خیال میں بیدار

ان دو متضاد خیالات کے باوجود سعدی کے حق میں کیا کہا جائے گا؟ کیا انھوں نے عشق و محبت کی حقیقت کو کما حقہ نہیں سمجھا تھا؟

صرف یہ کہ سعدی شاعر تھے اور ان کا دل اس قدر جذبات کی طرف مائل تھا کہ اس کو ایک چیز پر قرار ہی نہیں آسکتا تھا، معشوق کے ساتھ بغض و محبت یہاں تک کہ عشق و محبت میں معشوق کے قتل کا بھی رواج ہے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک سخت شیدائی عاشق نے معشوق کو قتل کر دیا ہے۔

ابن یمین بعض انہی حالات میں کائنات پر حملہ کرتا ہے اور ہر اس اصول پر جو اس قدر کمزور اور غیر عملی ہے ہنستا ہے اور مجبوراً دوسرے اخلاقی اصول پر ہاتھ مارتا ہے۔ جو پہلے کے مخالف ہوتا ہے اور اسی موقع پر وہ ہم کو متناقض البیان نظر آتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے جو قطعات ہمارے پاس ہیں وہ ساٹھ سال میں کہے گئے ہیں۔ ساٹھ سال وہ بھی شاعری کے ساٹھ سال میں بہت سے خیالات میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اور بہت سے اصول بدل جاتے ہیں۔ جوانی کے زمانے میں وہ جو عقیدہ رکھتا تھا اگر ہم اس کا مقابلہ اس کے بڑھاپے کے عقیدہ کے ساتھ کریں تو قدرتاً دونوں میں اختلاف و تضاد پیدا ہو گا لیکن یہ ابن یمین کا کوئی جرم نہیں، اور اس سے اس کی شاعری کے درجہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔ دنیا میں خدا کے سوا کون شخص ایک حالت پر قائم رہتا ہے؟ زمانہ ہم کو اور تمام چیزوں کے ساتھ بدلتا رہتا ہے بالخصوص شاعر جس کے خیالات ایک آزاد چڑیا کی طرح ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اڑتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ ان تغیرات کی زد میں رہتا ہے اس لئے اس کو جو اصول آج دوسروں کی سعادت کے لئے ضروری نظر آتا ہے اور وہ اس کو اپنے اشعار

... لوگوں سے مجبور ہونا نہیں چاہتا۔ کل میں نے
جو کچھ کہا ہے وہ اب تک قائم ہے اور اس میں تغیر کی گنجائش نہیں۔ وہ لوگوں سے کہتا ہے
کہ میں نے ساٹھ سال تک جس حقیقت کا سراغ لگایا ہے۔ وہ صرف ایک عظیم الشان منشور ہے
جس کے ہر کونے پر سورج ہر وقت چمکتا ہے اور اس سے نیا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ میں نے کل
ایک کونے کو دیکھا تھا اور مجھے آفتاب کا رنگ سبز نظر آیا تھا اور میں نے پکار کر کہا تھا۔ کہ
سبزی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ لیکن آج میں دوسرے کونے کے سامنے ہوں اور آفتاب
اس کے دوسرے کنارے پر چمکتا اور مجھ کو سرخ رنگ نظر آتا ہے اور میں کہتا ہوں۔ کہ
سرخی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ یہ میرا قصور نہیں۔ سورج اور اس منشور کا قصور ہے کہ ہر وقت اپنی
جگہ بدل کر نئی چمک اور نیا رنگ نمایاں کرتا ہے۔ اگر میں آج بھی باصرار کہوں کہ میں نے جو
کچھ دیکھا تھا وہ سبز تھا تو دروغ گو نہ ہونگا۔ میں نے ساٹھ سال تک شعر کہا اور جہاں تک
حکماء کی کتابوں اور مذہبی عقیدوں کو سمجھ سکا حقیقت کا سراغ لگایا۔ لیکن میں نے ہر وقت
ایک نیا رنگ دیکھا اور بالآخر حقیقت کو نہ پہچان سکا اور ابوشکور بلخی کی طرح کہہ اٹھا۔

تا بدانجا رسید دانش من   کہ بدانم ہمی کہ نادانم

میرا علم یہاں تک پہنچا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا۔

لیکن میں نے اپنے فرض میں کوئی کوتاہی نہیں کی جس قدر راہ طے کی اور اس میں
جو کچھ نظر آیا۔ میں نے اس کو کہہ دیا لکھ دیا۔ لیکن اگر یہ سب باہم متضاد اور مخالف ہیں۔ تو
اس کا علاج کیا؟ خود مظاہر حقیقت تغیر پذیر اور متلون مزاج ہیں۔ اس کے تمام قطعات
میں چند قطعے ایسے بھی ہیں جو براہ راست عربی سے ترجمہ کئے گئے ہیں اور اس کے دیوان میں
عربی قطعات کے تحت میں درج کئے گئے ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کو اس لئے درج
کرتے ہیں کہ یہ معلوم ہو کہ اس کو ترجمہ پر کس قدر قدرت حاصل تھی۔

احل العراقی النبید و شربہ   وقال الحرامان المدامۃ والسکر

حلال داشت عراقی نبیذ و سرپش را — ولیک گفت حرام است بادہ و مستی

عراقی نبیذ اور اس کے پینے کو حلال کہتا تھا۔ لیکن یہ بھی کہتا تھا کہ شراب اور مستی حرام ہیں

خلاف کرد حجازی و گفت ہر دو یکے است — حلال دان مے ازین اختلاف تا ہستی

حجازی نے اختلاف کیا اور کہا کہ دونوں ایک ہیں اس اختلاف کی بنا پر جب تک زندہ رہو شراب کو حلال سمجھو۔

اس کے دیوان میں معما بھی ہیں اور تقریباً اس کے پندرہ معمے جمع ہوئے ہیں۔ ان میں ایک معما حکیم کے نام سے ہے۔

چہار حرف است نام آن دلبر — کہ ورشش قبلہ الیست مردم را

اول نام و ثانی و ثالث — خمس و نصف است و ربع چارم را

پندرہ مادہ تاریخ بھی ہیں۔ جن میں حساب جمل کی ضرورت نہیں پڑی ہے۔ بلکہ پورے الفاظ میں کہے گئے ہیں۔

اس کے دیوان میں دو مختصر مثنویاں بھی ہیں۔ جو مختلف بحروں میں کہی گئی ہیں۔ اس کے دیوان کے جامع آقائے محذا کا خیال ہے کہ وہ ابن یمین کی نہیں ہیں۔ ان میں ایک مثنوی آثار عشق ہیں اور ایک عالم تصوف اور طلب و جستجو کے فوائد میں ہے۔ لیکن چونکہ وہ شاعرانہ حیثیت سے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ اس لئے ہم انکے متعلق تفصیل کے ساتھ کچھ لکھنا نہیں چاہتے۔ صرف دو شعر انکے بحر۔ وزن اور طرز شاعری کے دکھانے کے لئے نقل کرتے ہیں۔ مثنوی اول کا ایک شعر یہ ہے۔

حیرت ما بخویش افزوں کن — چہرہ را از نقاب بیروں کن

اور دوسری مثنوی اس شعر سے شروع ہوتی ہے۔

طلب تا محرم اسرار گردی — باں مطلوب یار غار گردی

اس کے دیوان کی ترتیب اس طرح دی گئی ہے۔ کہ ایک نثر کے مقدمہ کے بعد

اور قطعات ہیں اس عربی کے بعد شمار، مادہ تاریخ، مثنوی، غزل اور رباعی ہیں۔

ابن یمین اپنی طویل عمر میں ہمیشہ امراء اور عقلاء کا ہم مجلس اور ہمنشیں رہا ہے اور اس کا اجتماعی درجہ مجاسبی کی خدمت سلاطین اور وزراء کی مداحی اور ہم نشینی، علم و فضل اور شرافت خاندانی کی وجہ سے ہمیشہ بلند رہا ہے۔ اس نے بہت سے معزز آدمیوں کی مدح لکھی ہے اور بہتوں کو منظوم خط کے ذریعہ سے مخاطب کیا ہے۔ بالخصوص قطعہ سازی کی مہارت نے اس کو یہ موقع دیا ہے کہ ہر شخص اور ہر جزئی ضرورت کے متعلق شعر لکھ سکے جیسا کہ خود مقدمہ میں کہتا ہے کہ اکثر اصحاب معانی کو شعر کے ساتھ انس اور شعراء کے ساتھ ہم نشینی کی خواہش ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس نے شعر کو خط و کتابت تک میں نثر پر ترجیح دی ہے۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس کے قطعات بجز اخلاقی مضامین کے ایک زمین میں ابھی ناتمام ہیں کہ دوسرے شروع ہو گئے ہیں۔ جنکا تعلق روزانہ گفت و شنید اور رفع ضروریات زندگی کے ساتھ ہے۔

یہ قطعات جو بمنزلہ نثر کی خط و کتابت کے ہیں ہم کو دو فائدے پہنچاتے ہیں۔ ایک یہ کہ انسے ابن یمین کی ضروریات اور اخلاق و عادات کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ جو شخص صرف تھا رہتا ہے شاعری صرف خیال پروری کے لئے کرتا ہے۔ خیالی آسمان سے زمین پر نہیں اترتا اور دوسروں کے ساتھ رسم و راہ نہیں رکھتا۔ اس کے اشعار کما حقہ اس کے فطری رجحانات اور اس کے اخلاقی مراتب پر دلالت نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ ان قطعات کے ذریعہ سے شاعر کے ان معاصرین کے ساتھ تعارف ہوتا ہے۔ جنکا ذکر مورخین بالکل نہیں کرتے۔

ابن یمین کے قطعات سے اس زمانے کے بڑے بڑے واقعات بلکہ چھوٹے چھوٹے معمولی حوادثات بھی معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً جس قطعہ میں اس نے اس زمانے کے بہت بڑے واقعہ یعنی یحیٰی کے ہاتھوں طغا تیمور خاں کے قتل کا ذکر کیا ہے۔

... اپنی تقدیر کی نوشت سے دوسرے شکار کر رہا ہے

شاہ یحیے چو عزم صید کند　　　شہریاراں رباید از سر تخت

لیکن شاہ یحیے جب شکار کا قصد کرتا ہے تو تخت سے بادشاہوں کو اتار دیتا ہے۔

اسی کے مقابل میں ایک دوسرا قطعہ موجود ہے جس میں ایک معمولی سے واقعہ کو نظم کیا ہے۔

فیلسوف زمانہ قطب الدین　　　کرد کارے عجب زنادانی

فیلسوف زمانہ قطب الدین نے نادانی سے عجب کام کیا۔

بر لب شیخ زادۂ بسطام　　　از طمع تیز کرد دندانے

شیخ زادۂ بسطام کے لب پر طمع سے دانت تیز کیا۔

خواست تا گاو دیس بر دہد شں　　　خورد گوسالہ بار گردانی

ان قطعات نے اس کے بہت سے معاشرین کو زندہ کیا ہے اور مبہم طریقہ پر آنے والوں کی معرفی بھی کرتے ہیں۔

ابن یمین کے قطعات اور بقیہ اشعار نے جن لوگوں کے تاریک ناموں کو روشن کیا ہے ان میں جو لوگ غیر تاریخی تھے۔ ہم نے انکو چھوڑ دیا ہے اور جو لوگ تاریخی تھے ان میں بھی تطویل و اطناب کے خوف سے ان لوگوں کو لیا ہے۔ جنھوں نے ابن یمین کی زندگی کے مہمات یا ابتدا و انتہا میں مدد کی ہے مثلاً خواجہ علاء الدین اور سربدار وغیرہ انکے علاوہ جو لوگ ان خاندانوں کے معاصر تھا اگرچہ ابن یمین نے انکی مدح میں بھی بہت سے قصائد لکھے ہیں۔ لیکن ہم نے انکا تذکرہ نہیں کیا۔

ہم نے دو عظیم الشان خاندانوں کے متعلق سکوت اختیار کیا ہے ایک جانی قربانی کہ امیر ارغون کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور امیر ارغون خاں کے حالات جو سنہ ۶۴۳ھ میں ایران میں آیا اور اس کے بیٹے نوروز کا حال جو غازان خان کو اسلام لانے کی ترغیب دیتا تھا اور مظلومانہ قتل ہوا۔ اور نوروز کے لڑکے ارغون خاں کی سرگذشت جو ابوسعید

بہادر خاں کی وفات کے بعد خراسان کے شمال و مشرق میں مستقل بادشاہ ہوا۔ اور اس کے بیٹے محمد بیگ اور اس کے خاندان کے تمام ارکان کی روئداد جنہوں نے امیر تیمور کی فوج کے ساتھ مخالفتیں کیں تاریخوں میں مذکور ہے۔[1]

دوسرا خاندان مولائی قہستانی کا ہے۔ جس نے فقر کی بدولت اس مقام سے جو اس کا مسکن تھا دوسرے امراء کے مثل ترقی نہیں کی صرف ملوک ہرات و سلاطین سربدار کی جنگ کی بنا پر انکا نام تاریخوں میں نمایاں ہوا ہے۔ پہلے باب میں اس خاندان کے بعض ارکان کا ذکر آچکا ہے۔ ابن یمین نے مولد بیگ اور اس کے لڑکے عبداللہ بیگ اور اس کے لڑکے محمد بیگ اور ستلمش بیگ کی مدح میں بھی قصائد لکھے ہیں

ستلمش بیگ جس کا ذکر تاریخوں میں خشونت و حماقت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور ملک معزالدین کرت کے ساتھ اس کی لڑائی کی دلچسپ تفصیل مطلع السعدین اور روضۃ الصفا میں مذکور ہے ابن یمین سے ملا ہے اور رکھائی سے اس کو متوقع صلہ نہیں دیا ہے۔ اس لئے ایک قصیدہ میں اس کے اغراض کا نشانہ بن گیا ہے۔ چنانچہ ابن یمین شیخ علی کاؤں کے پاس اس کی شکایت لے کر جاتا ہے اور کہتا ہے

روا بود کہ جہاں کرم ستلمش بیگ   مدیح خود بستاند برائگان از من

کیا یہ جائز ہے کہ فیاضی کی دنیا ستلمش بیگ اپنی مدح مجھ سے مفت لے۔

ان دونوں خاندانوں کے ساتھ ابن یمین کے جو تعلقات تھے ہم بغرض اختصار ان سے قطع نظر کرتے ہیں اور تقریباً دوسرے چالیس آدمیوں کو بھی جنکا تاریخ میں بھی بہ تصریح ذکر نہیں نظر انداز کرتے ہیں۔ ابن یمین نے جن لوگوں کے متعلق تاریخیں کہی ہیں انکی مدت ۷۲۳ھ سے ۷۶۵ھ تک ہے۔

چونکہ خود ممدوح کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے اس لئے ابن یمین نے انکی مدح میں جو قصائد لکھے ہیں وہ بھی اہمیت نہیں رکھتے۔ اس صدی میں قصیدہ گوئی خود اصولاً نہایت پست و بے اثر ہو گئی تھی۔ اور اس زمانے کے شعرا نے اگرچہ بعض اوقات رتبۂ

[illegible] اپنے آپ کو عنصری اور انوری کا ہمدوش بلکہ ان سے بھی بالاتر ثابت کرنا چاہا ہے۔ تاہم ضمناً انہوں نے بھی اپنی شاعری کے نقص کا اقرار کیا ہے اور اس کی وجہ قرار دی ہے کہ فیاض قدردان موجود نہیں۔

مربی چو محمود اگر باشدم — چہ سنجد بمیزان من عنصری

اگر محمود کی طرح میرا بھی مربی ہوتا۔ تو عنصری میرا ہم پلہ کیا ہو سکتا ہے

چو سنجر ہنر پرورے کو مرا — کہ تا بشکنم رونق انوری

سنجر کی طرح مجھے ہنر پرور کہاں ملتا ہے کہ میں انوری کی رونق کو خاک میں

بزرگی این ہر دو شاعر ز چیست — جز اکرام محمودی و سنجری

محمود و سنجر کی فیاضی کے سوا ان دونوں شاعروں کی بڑائی کا اور کیا سبب ہے

من اکنوں چنانم ز دوران کہ نیست — ز فکر بشعرم سر شاعری

میں اس وقت اس حالت میں ہوں کہ جو کی فکر سے مجھے شاعری کا خیال نہیں۔

وگرنہ ندانست ابن یمین! — کہ دارند آنہا ازو برتری

ورنہ ابن یمین یہ نہیں سمجھتا تھا کہ یہ لوگ اس پر تفوق رکھتے ہیں

فیاض ممدوح ترغیب دہ، شعر دوست اور شاعری کے جذبات برانگیختہ کرنے والے غزوات و فتوحات کی غیر موجودگی نے بے شبہ اس صدی کے قصائد کی ابتری میں اثر کیا ہے لیکن ابن یمین نے فقر و احتیاج کو جو شاعری کی کمزوری کی وجہ قرار دیا ہے۔ اسکو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر ہم شعرائے قدیم کی غربت و فلاکت کے زمانے کے اشعار کا ان کے دولت و تنعم کے زمانے کے اشعار کے ساتھ موازنہ کریں۔ تو پہلی قسم کے اشعار کا پلہ دوسری قسم کے اشعار سے بھاری نظر آئے گا۔

مسعود سعد کے بہترین قصائد قید و بیچارگی کی حالت میں کہے گئے ہیں اور فرخی کے بہترین قصائد اس دور بے سر و سامانی کی یادگار ہیں جس نے اس کو سیستان کے چھوڑنے پر مجبور کیا ہے۔ فردوسی نے شاہنامہ کو حالت درویشی میں طوس کے ایک گوشہ میں شروع

ابن یمین اس فقر و احتیاج کی بناپر شاعری میں پست درجہ نظر نہیں آتا۔ بلکہ وہ اپنے ارد گرد کے حالات سے مجبور تھا اور اگر اس نے تنوع و بلندی کے لحاظ سے یہ درجہ حاصل کر لیا۔ تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اپنے زمانے کی مخالفت کی ہے اور اپنے ماحول کی مشکلات پر فتح پائی ہے اور عالمگیر شہرت اور خود اس کے بیان کے مطابق اپنے زمانے کے شعراء میں امتیاز حاصل کی ہے۔

استادِ شعرا ابن یمین است امروز   کہ بشاگردی او ہست عطار دراضی

آج ابن یمین شعراء کا استاد ہے کہ اسکی شاگردی پر عطارد راضی ہے۔

حال را ہمچو او ئی نیست بشیریں سخنی   بہ از و نیز نبودہ است بعہد ماضی

شیریں سخنی میں اس وقت بھی اس جیسا کوئی نہیں اور زمانہ گذشتہ میں بھی اس سے بہتر کوئی نہ تھا۔

اس کے معاصرین بھی اس کی قدرت کلام کے معترف ہیں اور (غالباً اصلاح کیلئے) قطعات بھی اس کے پاس بھیجے ہیں۔

قطعۂ نزد من رسید امروز   از سخنہائے قدوۃ الشعراء

مرتضئ افضل و یگانۂ دہر   فخر سادات زبدۃ النقباء

قدوۃ الشعراء مرتضئ باوصاف کا ایک قطعہ آج میرے پاس پہنچا ہے۔

ان لوگوں نے اس سے اپنے مجموعہ کلام پر مقدمہ لکھنے کی بھی خواہش کی ہے۔

غیاث ملت و دین آنکہ طوطئ جان را   ز شکر سخن خوش او اش چینہ بود

غیاث الدین نے جس کے شکر سخن سے طوطئ جان کو چارہ ملتا ہے۔

سفینۂ بر ہی داد پر ز بحر گہر   سفینۂ کہ درا و روح را سکینہ بود

غلام کو موتیوں کے سمندر سے بھرا ہوا ایک سفینہ دیا۔ جس میں روح کے لئے تسکین تھی۔

چہ گفت؟ گفت کہ دیباچۂ نویس بر و   کہ گنجہائے گہر اندر او دفینہ بود

اور کیا کہا؟ یہ کہا کہ اس پر ایک دیباچہ لکھ دو کہ اس میں موتی کے خزانے دفن ہیں۔

اس نے اس دور کے بڑے بڑے شعراء مثلاً سلمان ساوجی۔ حافظ شیرازی

[illegible] ابن یمین افسوس ہے کہ اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے میرقی
ذیل کے شعر کو حافظ کے متعلق لکھا ہے۔ لیکن یہ یقینی نہیں ہے کہ وہ مشہور و معروف خواجہ حافظ ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

چہ غم ز طعنۂ ایام ترا ابن یمین　　کہ چو حافظ بجہان یار و نگارے داری

اے ابن یمین تجھ کو زمانے کے طعنے کا کیا غم؟ جبکہ حافظ کے مثل دنیا میں تو معشوق رکھتا ہے

قطعۂ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معاصرین باوجود دوری مسافت کے اس کے اشعار کے دیکھنے کی خواہش رکھتے تھے اور تمام حسکم الوان یا اصفہان کے بادشاہوں میں سے ایک نے اس سے اشعار مانگے ہیں۔

ز آستانۂ جاہ و جلال خسرو عہد　　خدیو کشور داد و دہش سیاہان شاہ

ملک کرم کے بادشاہ سیاہان شاہ کے آستانۂ جاہ و جلال سے

مثال ممتثل آمد بہ بندہ ابن یمین　　کہ شعر خویش دراں کن بسوئے این درگاہ

ابن یمین کے پاس فرمان آیا۔ کہ اس درگاہ میں اپنے شعر بھیج

سہ چہار جزو از اشعار خود فرستادم　　بسان نامۂ اعمال خویش کردہ سیاہ

اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کر کے تین چار جزو اپنے اشعار کے میں نے بھیجے

اس کے عمدہ قصائد انوری۔ ظہیر فاریابی اور کمال اسمٰعیل کے مخلوط رنگ میں ہیں اس کے قصائد کے عمق و دقت کی بنا پر ہم اس کے اشعار کے اجزائے ترکیبیہ کا سلسلہ چھٹی اور ساتویں صدی سے پہلے کے شعرائے متذکرۂ بالا تک پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن اپنے دعوے کے خلاف وہ ایک قصیدہ میں بھی اپنے استادوں کی ہمسری کرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے۔ اس کے قصائد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قصیدہ سرائی اسکا اصلی طرز سخن نہیں ہے۔ بلکہ محض اپنے فائدہ کے لئے اس نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ اس کے تمام قصائد کا ایک مخصوص اور مشترک انداز ہے۔ جس میں بہت کم تغیر واقع ہوتا ہے۔ تشبیب و تغزل کے بعد وہ بہ ترتیب گریز۔ مدح۔ خطاب۔ اور دعا تک پہونچتا ہے

ہوجاتے تھے۔ ابن یمین کے قصائد کی خصوصیات میں ایک دعا ہے۔ اور ایک تخلص جو کسی جگہ نہیں چھوٹتا۔

بر دعا ختم کن اے ابن یمین بیش مگوے — نطق باقل بفصاحت بر سحبان کہ برد؟

دعا پر ختم کر اے ابن یمین زیادہ مت کہہ۔ باقل کا کلام فصاحت کے ساتھ سحبان کے نزدیک کون لیجائیگا؟

ہر دعا کابن یمین گوید از اخلاص دل — بر تنش روح الامین آمین بجان گوید باد

ابن یمین تجھ کو جو دعا خلوص دل سے دے اس کے جسم پر روح الامیں جان سے آمین کہے

تصدیع بیش ازین ندہد بندہ شاہ را — آید سوے دعا و سخن مختصر کند

غلام اس سے زیادہ بادشاہ کو تکلیف نہیں دے سکتا دعا کی طرف آتا ہے اور بات کو مختصر کرتا ہے

ختم کردم بر دعا تا کس نگوید اے فلاں — از ملالت بر جبین شہ نشان آمد بدید

میں نے دعا پر ختم کیا تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اے فلان۔ ملال سے بادشاہ کی پیشانی پر شکن پڑ گئی۔

اس کے تمام قصائد کا اندازہ یہی ہے اور تخلص کے ساتھ مدح کو بھی پہلے ہی کی طرح دوہراتا ہے اور اپنے اکثر ممدوحین کی مدح بلا تبدیل و تغیر ایک ہی قسم کی کرتا ہے۔ مثلاً

محیط مرکز افضال زین ملت و دین — توئی کہ چوں تو جواں بخت چرخ پیر ندید

مرکز افضال کا محیط، ملت و دین کی زینت تو وہ شخص ہے کہ تجھ سا جوان بخت چرخ پیر نے نہیں دیکھا

سپہر اگرچہ بہ ہر سو ہزار دیدہ کشاد — بجز بدیدۂ احول ترا نظیر ندید

آسمان نے اگرچہ ہر طرف ہزاروں آنکھیں کھولیں۔ لیکن دیدۂ احول کے سوا تیری نظیر نہیں دیکھی۔

جلال دولت و دیں یونس اے جہان کرم — توئی کہ چوں تو جوان مرد چرخ پیر ندید

جلال الدولہ والدین یونس اے جہان کرم۔ تو وہ شخص ہے کہ تجھ سا جوان مرد چرخ پیر نے نہیں دیکھا

فلک بگرد زمین باہزار دیدہ بگشت — بجز بدیدۂ احول ترا نظیر ندید

آسمان نے ہزاروں آنکھوں کے ساتھ زمین کے گرد چکر لگایا۔ لیکن دیدۂ احول کے سوا تیری نظیر نہیں دیکھی

دوسری حیثیتوں سے بھی اس کے قصاید باہم ایک دوسرے سے نہایت مشابہ ہیں دعا اور ممدوحین کے اوصاف کی تکرار کے علاوہ وہ ایک ہی مضمون کو جو خود اس کا ہو یا دوسرے

مہ دوہفتہ منازل ازاں برد نہ شاد	کہ بر صحیفۂ رویش زخط اوست جواز

چودہوین کا چاند اس لئے تنہا سفر کرتا ہے کہ اس کے چہرے کے اوپر اس کا خط جواز ہے۔

مہ تیرہ شب منازل ازاں قطع میکند	کہ کلکِ اوست بر ورق مہ خط جواز

چاند اندھیری رات میں اس لئے سفر کرتا ہے کہ اس کے ورق پر اس کے قلم کا لکھا ہوا خط جواز ہے

بعہد عدل تو کنجشک را عجب نبود	در دل چشم خود ار باشہ آشیاں بدہد

تیرے زمانہ عدل میں تعجب نہیں اگر اپنی آنکھ میں کنجشک کے آشیانے کی جگہ باشہ دے

ہمائے عدل تو عالم چناں بزیر پر دارد	کہ کنجشک آشیاں سازد درون دیدہ باشہ

تیرے انصاف کا ہما عالم کو اس طرح زیر پر رکھتا ہے کہ کنجشک آشیانہ باشہ کی آنکھ میں بناتی ہے۔

نے نے چو من پیادہ زاسپ مراد دل	فرزین صفت کجا برسد در وصال شاہ

نہیں نہیں مجھ جیسا شخص جو مراد دل کے گھوڑے سے پیادہ ہو۔ وہ فرزین کی طرح بادشاہ کا وصال کیونکر حاصل کر سکتا ہے؟

ہمچون منے پیادہ زاسپ مراد خویش	فرزین صفت چگونہ شدے ہمنشین شاہ

مجھ جیسا شخص جو اپنی مراد کے گھوڑے سے پیادہ ہو۔ فرزین کی طرح کیونکر بادشاہ کا ہمنشین ہو سکتا ہے؟

اگرچہ یہ مضامین بھی اس کے ذاتی مضامین نہیں ہیں اور پہلے دو شعروں یعنے "خط جواز ماہ" کا مضمون اس نے منوچھری سے لیا ہے۔ لیکن اس موقع پر ہم کو صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ وہ مدح میں ایک ہی مضمون کا بار بار اعادہ کرتا ہے اور اس کے قصائد کا ایک ہی اندازہ ہوتا ہے۔ البتہ اس نے اور شعرا سے جو مضامین سرقہ کئے ہیں۔ ان کی نسبت اگرچہ خود اس کا یہ دعوے ہے کہ اس نے انکو قدما میں کسی دوسرے شاعر سے نہیں لیا ہے۔

کیست کہ گوید زمن بر سر بازار فضل	کابن یمین این سخن گفت بنام من است

بازار فضل میں مجھ سے کون یہ کہہ سکتا ہے؟ کہ ابن یمین کے یہ اشعار میرے ہیں۔

کیونکہ میں نے ہنر کے شکار کے لئے دل کا دانہ گرایا یہی وجہ ہے کہ مرغ فضائل میرے پھندے میں آ گئے۔

لیکن اس کے دیوان میں بہت سے مضامین درج ہیں۔ جو کسی نہ کسی طرح قدماء کے اشعار سے میل کھاتے ہیں اور یہ یقینی ہے کہ اگر اس نے انکو نگاہ میں نہ رکھا ہوتا۔ تو اس ترتیب کے ساتھ مطلب کو ادا نہ کر سکتا۔

اس موقع پر اس کے جن اقتباسات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان میں ایک پورا اقتباس وہ ہے جو اس نے شیخ الرئیس ابو علی سینا سے کیا ہے اور اس کے اشعار سے ایک پورا قطعہ اُڑا لیا ہے۔ چونکہ ابو علی کے یہ اشعار کہیں طبع نہیں ہوئے ہیں۔ اور انسانی زندگی۔ انسانی امید۔ اور انسانی سرنوشت کی ایک حکیمانہ فہرست کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم انکا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔

روز کے چند در جہاں بودم　　　بر سرِ خاک باد پیمودم

مَیں چند دن دنیا میں رہا اور زمین پر باد پیمائی کرتا رہا۔

ساعتے لطف و لحظۂ در قہر　　　جانِ پاکیزہ را بیالودم

کچھ دیر تک مہربانی سے اور کچھ دیر تک قہر سے جان پاک کو آلودہ کیا۔

با خرد را بطبع کردم ہجو　　　بے خرد را بطبع بستودم

عقلمندی کی ہجو اور بے عقل کی تعریف کی۔

آتشے بر فروختم از دل　　　وآب دیدہ ازو بپالودم

دل سے آگ روشن کی اور آنسو کو اس سے صاف کیا

با ہوا ہائے حرص شیطانی　　　ساعتے شادمان بغنودم

حرص شیطانی کے ساتھ تھوڑی دیر تک خوش اونگھتا رہا

آخر الامر چوں بر آمد کار　　　رفتم و تخم کشتہ بدرودم

بالآخر جب مقصد حاصل ہو گیا تو میں گیا اور موئے ہوئے بیج کو کاٹا

کس نداند کہ من کجا رفتم　　خود ندانم کہ من کجا بودم

کوئی نہیں جانتا کہ میں کہاں گیا۔ مَیں خود نہیں جانتا کہ مَیں کہاں تھا۔

ابن یمین کہتا ہے۔

مدتے در رہ ہوا و ہوس　　عرصۂ بر و بحر پیمودم

ایک مدت تک حرص و ہوس سے مَیں نے خشکی و تری کا میدان چھان مارا

روز ننشستم از طلب نفسے　　شب زمانے ز فکر نغنودم

دن کو جستجو سے ایک منٹ بھی نہ بیٹھا اور رات کو فکر سے تھوڑی دیر بھی نہ سویا

چوں بدین مدت مدید گذشت　　کہ ز اندیشہ مغز پالودم

جب اس طرح ایک طویل زمانہ گذر گیا کہ اندیشہ سے دماغ کو پگھلاتا رہا

گشت مرآت دل چنان گردے　　کہ یکے فاش راست ننمودم

دل کے آئینہ میں ایسی گرد بیٹھ گئی کہ وہ مجھ کو ایک ٹکڑا بھی سیدھا نہ دکھا سکا

صیقلے ساختم ز جوہر عقل　　پس ز زنگ ہواش بزدودم

مَیں نے جوہر عقل کا صیقل بنایا پھر حرص و ہوا کے مورچے سے اسکو صاف کیا

صورت خیر و شر درو دیدم　　چشم عبرت دراو چو بکشودم

تو جب مَیں نے اس کو عبرت کی نگاہ سے دیکھا۔ تو اس میں خیر و شر کی صورت دیکھی

شد یقین ز انقلاب احوالم　　کہ نہ من بودم آنکہ من بودم

انقلاب حالات سے یقین ہو گیا کہ جو کچھ مَیں تھا وہ مَیں نہ تھا

کارم از کارخانۂ دگر است　　نہ بخود کاستم نہ افزودم

میرا کاروبار دوسرے کارخانہ سے تعلق رکھتا ہے نہ میں خود گھٹا نہ خود بڑھا

بر بد و نیک چوں نیم قادر　　پس دل از غم بہرزہ فرسودم

جب میں بد و نیک پر قادر نہیں ہوں تو مَیں نے دل کو ناحق غم سے پریشان کیا

... بعدیں سے ابن یمین کی ابتدائی اور اس میں میرا ذاتی فائدہ تھا۔

غایت آرزو چو دست نداد ۔۔۔ پشت پائے زدم بیا سودم

جب منتہائے آرزو حاصل نہ ہوا۔ تو میں نے لات ماری اور آرام حاصل کیا۔

مضامین کا سرقہ ابن یمین ہی تک محدود نہیں۔ اکثر شعرا نے ایسا کیا ہے۔ لیکن ہم اس کے بعض سرقات کا ذکر اس لئے کرتے ہیں۔ تا کہ ممکن اور مختصر طریقہ پر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے کن کن شعراء کے کلام کا مطالعہ کیا ہے انوری کہتا ہے۔

درجہانی واز جہاں بیشی ۔۔۔ ہمچو معنے کہ در بیان باشد

تو دنیا میں ہے اور دنیا سے زیادہ ہے۔ جس طرح کہ لفظ و عبارت میں معنے ہوتا ہے۔

اور ابن یمین کا شعر ہے۔

درجہانی و زجہاں افزونتری گویم کہ چوں ۔۔۔ ہمچو صد معنے کہ در یک لفظ موجز مضمری

تو دنیا میں ہے اور دنیا سے زیادہ ہے گویا سینکڑوں معنے کی طرح ایک مختصر سے لفظ میں پوشیدہ ہے

سعدی کہتے ہیں۔

دنیا کہ جسر آخرتش خواند مصطفےٰ ۔۔۔ جائے وقوف نیست بیاید گذار کرد

دنیا کہ اس کو رسول اللہ صلعم نے آخرت کا پل کہا ہے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے اس سے گذر جانا چاہیئے۔

اور ابن یمین کہتا ہے

ہست دنیا در حقیقت رود عقبےٰ را پلے ۔۔۔ ما مسافر بیگمان زیں پل گذر خواہیم کرد

دنیا در حقیقت عقبیٰ کے دریا کا ایک پل ہے اور ہم مسافروں کو یقیناً اس پل سے گذر جانا پڑے گا

مسعود سعد سلمان کا ایک قصیدہ ہے۔ جس کو بہرامشاہی مترجم کلیلہ و دمنہ نے نقل کیا ہے اور جس کا مطلع یہ ہے۔

اگر مملکت را زبان باشدے ۔۔۔ ثنا گوئے شاہ جہان باشدے

ابن یمین نے ذیل کے قصیدے میں اس کے تمام اشعار کا قالب بدل دیا ہے

مرا خدائے اگر عمر جاودان بدہد ۔۔۔ بجائے ...

بصد ہزار لغت ہر زبان سخن گوید
چنان کہ داد فصاحت گہ بیان بدہد

اور وہ لاکھوں زبان میں ہر وقت بات کرے اس طرح کہ فصاحت کے میدان کی داد دے

بدان لغات درین مدت ار دلم خواہد
کہ داد مدح شہنشاہ کامران بدہد

اس زمانے میں ان زبانوں میں اگر میرا دل چاہے کہ بادشاہ کے مدح کی داد دے

ز صد ہزار صفات گزینش نتواند
کہ شرح عشر عشیر یکے از آن بدہد

تو اس کے لاکھوں برگزیدہ اوصاف میں سے ایک کے عشر عشیر کو بھی بیان نہ کر سکے

سعدی کے اس شعر کو

درمیان من و دلدار ہمان است حجاب
دارم امید کہ آنہم ز میان برخیزد

مجھ میں اور معشوق میں صرف وہ کا پردہ ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بھی درمیان سے اٹھ جائیگا

ابن یمین نے اس طرح بدل دیا ہے

درمیان من و او ابن یمین است حجاب
دارم امید کہ آنہم ز میان برخیزد

بنداری رازی کہتا ہے۔

از مرگ حذر کردن دو روز روا نیست
روزے کہ قضا باشد و روزے کہ قضا نیست

دو دن موت سے ڈرنا جائز نہیں۔ جس روز موت آئے اور جس دن کہ موت نہ آئے

روزے کہ قضا باشد کوشش ندہد سود
روزے کہ قضا نیست در و مرگ روا نیست

کیونکہ موت کے دن کوشش بے سود ہے اور جو دن موت کا نہیں اس میں موت آہی نہیں سکتی

اور ابن یمین کا شعر ہے۔

مرد فرزانہ کز بلا ترسد
عجب ار فکر او خطا نبود

عقلمند آدمی کہ بلا سے ڈرتا ہے اگر اس کی فکر غلط نہ ہو تو تعجب انگیز ہے

زانکہ این حال از دو بیرون نیست
یا قضا ہست یا قضا نبود

کیونکہ اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا قضا ہوگی یا نہ ہوگی۔

گر قضا ہست جہد نیست مفید
ور قضا نیست خود بلا نبود

خواجہ نصیر طوسی فرماتے ہیں

گر زانکہ بجز استخوان نماند رگ وپے
از جادہ تسلیم منہ بیرون پے

اگر ہڈی پر رگ اور پٹھے بھی نہ رہ جائیں۔ تب بھی جادہ تسلیم سے باہر قدم مت رکھ

گردن منہ ار خصم بود رستم زال
منت مبر ار دوست شود حاتم طے

اگر دشمن رستم بھی ہو۔ تب بھی گردن نہ جھکا۔ اگر دوست حاتم بھی ہو تب بھی اس کا احسان مت اٹھا۔

اور ابن یمین نے یہ مضمون انہیں سے لیا ہے

منت از دوست بہر دنیائے
در بود حاتم احتمال مکن

دوست اگر حاتم بھی ہو۔ تب بھی دنیا کے لئے اس کا احسان مت اٹھا۔

عجز و بیچارگی بہ ایچ سبیل
دشمن ار ہست پور زال مکن

دشمن اگر سام بھی ہو تو۔ کسی طرح عجز اور بیچارگی مت ظاہر کر

انوری کہتا ہے۔

گر دل و دست بحر و کان باشد
دل و دست خدایگان باشد

اگر دریا اور کان دل اور ہاتھ ہوں تو آقا کے دل اور ہاتھ ہونگے۔

اور ابن یمین نے یہ مضمون بعینہ اڑا لیا ہے۔

از دل و دست کسے گر بحر و کان گردو خجل
از دل و دست وزیر شہ نشان گردد خجل

اگر کسی کے دل اور ہاتھ سے دریا اور کان شرمندہ ہوں تو وزیر شہ نشان کے ہاتھ سے شرمندہ ہوں گے۔

کہنے سننے کی ضرورت نہیں کہ یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ جس شخص کو قدمائے عرب و عجم کے اشعار پر عبور حاصل ہے وہ ابن یمین کے بہت سے اشعار کا تعلق ان سے پائے گا۔ اور وہ اس کو ان کی کامل تقلید کا نمونہ نظر آئیں گے۔ وہ مداحی میں بھی قدماء کا ہمسر نہیں ہے۔ اس نے بہت سے مبالغے کیے ہیں لیکن

حاسد سبک مغز اگر تیرے خط حکم سے سرکشی کرے تو اس کے سر پر حرف مشدد کی طرح آرہ رکھیں گے۔

سینۂ دشمن چو گندم مے شگافد خنجرش   وز وجودش ہر جوے صد دانہ ارزن میکند

گیہوں کی طرح اس کا خنجر دشمن کے سینے کو چاک کرتا ہے۔

لیکن گیہوں کے ساتھ دشمن کی تشبیہ کس قدر حقیر ہے اور اگر اس کا خنجر اس کے سینہ کو گیہوں کی طرح پھاڑ دے تو اس کی ضرب کس قدر حقیر ہو گی۔ اسی بنا پر شعرائے متقدمین نے اس قسم کے مواقع پر ہمیشہ عظیم و مہیب مشبہ بہ کو لیا ہے۔ تاکہ مبالغہ پورا اور نمایاں نظر آئے۔ اسی طرح جو بادشاہ اپنے حاسد کو آرہ سے چیرے اور وہ بھی آرہ کو حرف مشدد کی طرح اس کے سر پر رکھے۔ وہ نہایت کمزور اور بیدست و پا ہو گا۔ یہ اس کی برائیوں کے نمونے ہیں۔ لیکن جو شخص صرف خوبیوں کا دیکھنے والا ہو۔ اس کو اس کے قصائد میں عمیق و بلند اشعار بھی ملیں گے مثلاً

حاسد چو اوج جاہ تو آورد در خیال   از غم بسان چاہ فرو شد بہ خویشتن

حاسد جب اس کے جاہ کی بلندی کو خیال میں لایا۔ تو غم سے کنوئیں کے مانند اپنے اندر ڈوب گیا۔

اے نا بسودہ اوج جلالِ تو دستِ وہم   و اے نا سپردہ خاک جناب تو پاے ظن

اے وہ شخص جسکے جلال کی بلندی کو وہم کے ہاتھ نے نہ چھوا اور اے وہ شخص جس کی چوکھٹ کی خاک تک گمان کا پاؤں نہ پہنچا۔

لیکن بہر حال وہ قصیدہ گوئی میں اول درجہ کا شاعر نہ تھا۔ اس کے تمام قصائد سے تصنع اور تقلید کی بو آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف اس کے قطعات نے شہرت حاصل کی اور اس کے قصائد بالکل گم نام ہو کر رہ گئے اور قصیدہ گوئی میں مشہور نہیں ہوا یہاں

ائمہ اطہر پر وردگار وقف مشہد مقدس رضوی اور دو ایک ناصحانہ قصیدوں کے علاوہ

اس کے اور جس قدر قصائد موجود ہیں۔ سب کے سب مدحیہ ہیں اور اس کے ممدوحین

کی صحیح تعداد ان لوگوں کے نظر انداز کرنے کے بعد جن کے ساتھ اس نے شاعرانہ

مقابلے کئے ہیں ۶۵۔ آدمیوں تک پہنچتی ہے اور یہ ایک ایسی تعداد ہے کہ کسی شاعر

نے اپنے ممدوحین کی تعداد یہاں تک نہیں پہنچائی ہے۔ اس بنا پر اگر باوجود ان اشعار

اور اس قدر مختلف ممدوحین کے وہ اگر قصیدہ گوئی میں مشہور نہیں ہوا تو لازمی طور پر

اس کے قصائد میں کوئی عیب ہوگا اور یہ عیب صرف و نحو یا وزن و قافیہ کی غلطیوں

کا نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ان تمام چیزوں کی صحت کا بہت اچھی طرح لحاظ رکھا ہے۔

یہاں تک کہ دال و ذال میں بھی جس میں اس دور اور اس دور کے پہلے کے شعراء کوئی

فرق نہیں کرتے تھے۔ اس نے فرق کیا ہے اور انکے باہمی تغیرات کے لئے پانچ

شعر میں ایک قاعدہ کلیہ بنایا ہے اور ذیل کے قطعہ میں بھی وہ اس قاعدہ کو بیان

کرتا ہے۔

تعین دال و ذال کہ در مفردے فتد   زالفاظ فارسی بشنو زانکہ مبہم است

تعین دال و ذال کی جو الفاظ فارسی کے مفرد میں واقع ہو سنو کیونکہ یہ مبہم ہے۔

حرف صحیح ساکن اگر پیش از آن بود   دال است و ہر چہ ہست جز این ذال معجم است

اگر اس کے پہلے حرف صحیح ساکن ہو۔ تو دال ہے اور اس کے علاوہ جو ہے وہ ذال معجم ہے

اس لئے عیب اگر ہے تو اس کی ترکیبات اور اسلوب و خیالات میں ہے۔

چونکہ اوس کو ہجو گوئی کی عادت نہیں ہے اس لئے ایک بار شرف الدین کی ہجو کہنا

بھی چاہی ہے تو ایسی عبارت میں کہی ہے کہ اس سے اس کی عدم مہارت ظاہر اور

اس کے نہ سے شرم و ادب نمایاں ہے۔

مرجع اہل حیل مجمع تزویر و نفاق   شرف ملت و دین قدوہ اصحاب ضلال

ملہ از ور کا مرجع۔ جھوٹ و نفاق کا مجمع۔ شرف الدین جو گمراہوں کا پیشوا ہے

دنیا پر مغرور ہو کر ایسا خیال کرتا ہے۔ کہ تمام دنیا کی بزرگی مال و دولت کے ساتھ وابستہ ہے۔

ز وی ندیدہ است کرم ہیچ کس الا در خواب　　وان کرم نیست کہ دیدہ است خیال است و خیال

اس سے خواب کے سوا کسی نے فیاضی نہیں دیکھی۔ لیکن اس نے جو کچھ دیکھا ہے فیاضی نہیں بلکہ صرف خیال ہی خیال ہے۔

ملکات وی اگرچہ ہمہ با نقصان است　　لیک بخلش بود و خبث طبیعت بکمال

اس کے اخلاق میں اگرچہ تمامتر نقص ہے۔ لیکن اس کا بخل اور خبث طبیعت کمال کے درجہ پر ہیں۔

اس کے حق میں ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ مناسب مدح بھی اس کے قصائد میں بہت نظر نہیں آتی۔ تاہم ہجو بھی ہم کو دکھائی نہیں دیتی اور یہ اس کی بلندی طبع اور قوت اخلاق کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ان چھوٹے چھوٹے کمینہ امرا میں بہت سے ہجو کے مستحق تھے اور لبا اوقات ابن یمین بھی ہجو گوئی پر مجبور ہو گیا تھا۔ لیکن با اینہمہ نہایت بزرگی کے ساتھ اس نے ہجو سے احتراز کیا۔ ستلمش مغرور اور نادان جس نے بزرگوں کے ساتھ بے ادبی کی ہے اور ابن یمین کے مدحیہ قصیدہ کے صلے میں کچھ نہیں دیا ہے۔ ہجو کا مستحق تھا۔ لیکن ابن یمین نے اس موقع پر بھی ہجو سے زبان آلودہ نہیں کی۔ چنانچہ شیخ علی کی خدمت میں اس کی جو شکایت کی۔ اس کے اخیر میں کہتا ہے:-

کسیکہ با من ازینسان کند تو خود دانی　　کہ واجبش چہ بود لیک ناید آن از من

جو شخص میرے ساتھ یہ برتاؤ کرے تم خود جانتے ہو کہ وہ کس چیز کا مستحق ہے۔ لیکن یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح خواجہ علاء الدین وزیر اور دوسروں کی نامہربانیوں کی شکایت تو کی ہے لیکن کبھی ہجو گوئی پر راضی نہیں ہوا ہے۔ غزلیں جو اس کے دیوان کے ایک بڑے حصے کو شامل ہیں۔ مختلف انداز میں کہی گئی ہیں۔ اس کے غزلیات کے ایک حصے

کا بیان ہے کہ ابن یمین دو ہیں۔ اور انہوں نے ایک ذوقی معیار کی رو سے اس کے
دیوان کی غزلوں کو دو اعلےٰ اور ادنےٰ حصّوں میں تقسیم کیا ہے اور وہ پہلے حصے کو
حقیقی ابن یمین اور دوسرے حصے کو جعلی ابن یمین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ میں اگرچہ
ان کے ذوق لطیف کا معتقد ہوں۔ لیکن جب تک اس کی کوئی تاریخی سند ہاتھ
نہ آئے۔ اس سے اتفاق نہیں کرسکتا۔ کیونکہ تاریخوں میں دوسرے ابن یمین کا نام
سنا نہیں گیا اور امیر فخر الدین محمود معروف بابن یمین کی شہرت کے باوجود یہ امر
بعید از قیاس ہے کہ کسی دوسرے شخص نے یہ تخلص یا یہ کنیت اختیار کی ہوگی۔
اور اگر ہم صرف اسلوب بیان اور اشعار کی خوبی کی مقدار پر اعتماد کریں تو ہم کو چند
ابن یمین فرض کرنے چاہئیں۔ کیونکہ نیک و بد اشعار کی دو بڑی تقسیموں کے بعد
بھی ایک قریب ترین تحقیق و تدقیق کی بنا پر ہم کو ان بہترین اشعار کے متعلق بھی
چند درجوں کا قائل ہونا پڑے گا۔ اور میرے اشعار کے بھی چند طبقات قائم کرنے
پڑیں گے۔ لیکن اس کی ضرورت نہیں ہے۔ شعراء کے یہاں ہر قسم کے اشعار ملتے
ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک شاعر کے بچپن اور بڑھاپے کے کلام کا موازنہ اسکی جوانی
کے کلام کے ساتھ کرے۔ تو اس کو اون کے درمیان بہت بڑا اختلاف نظر آئے گا
ابن یمین نے بچپن کے زمانے سے ۵۵ سال کی عمر تک شعر کہا ہے۔ اس لئے قدرتی
طور پر اس کے کلام میں پست و بلند اشعار نظر آئیں گے۔ وہ خود کہتا ہے۔

افزون ز دو قرن است کہ تا خلق برآنند کہ بر فضلا ہست ور آفاق مفضل

دو قرن سے زیادہ گذرا کہ لوگ اس پر متفق ہیں کہ وہ دنیا میں فضلاء سے افضل ہے

اس دو قرن یا ساٹھ سال میں اس نے ہمیشہ اچھے شعر نہیں کہے ہیں۔ بالخصوص
غزل جو اس کا مخصوص فن نہ تھا اور اتفاقی طور پر اس کے دیوان میں عمدہ غزلیں نکل
آتی ہیں۔ اس لیئے اس کی بری غزلوں کو اس کے زمانہ طفولیت کا نتیجہ فکر
خیال کرنا چاہیئے۔ ہم نے صرف احتیاط سے ایسا کیا ہے۔ ورنہ آقائے دھخدا کو جو

... ہے کہ ہر شخص اس کو دیکھ کر اپنے ذوق سلیم کی داد دے گا

اس کی بہترین غزلیات کے بھی مختلف انداز ہیں۔ جو غزلیں ترکستانی انداز کی ہیں۔ انہیں کے پہلو میں ایسی غزلیں بھی نظر آتی ہیں۔ جو ظہیر فاریابی اور سعدی کی طرز میں ہیں۔

بیا ماہ رویا شکر لب نگارا — کشائش دہ از بند غم جان مارا

اے ماہ رو دلربا، شکر لب معشوق آ۔ اور بند غم سے میری جان کو رہائی دے

صبا گر رساند بمن بوئے زلفت — دہم جان شکرانہ باد صبا را

اگر صبا مجھ تک تیری زلف کی بو لائے۔ تو میں صبا کو شکرانہ میں جان دوں

بر سپہر حسن رویت آفتابے دیگراست — لیکن از شعر سیاہش سائبانے بر سر است

تیرے رخسار کے حسن کے آسمان پر ایک دوسرا سورج ہے۔ لیکن سیاہ بال سے اس کے اوپر ایک سائبان ہے

درد عشقش چون نہان دارم کہ بر رویم سرشک — شرح آن را خوش خطے از سیم بر سطح زراست

میں اس کے درد عشق کو کیونکر چھپاؤں کہ میرے چہرے پر آنسو اس کے بیان کے لئے سونے کی سطح (یعنی زرد چہرہ) پر چاندی کا حرف ہیں۔

ہر کہ با زلف تو اندر دام نیست — ہمچو من پیوستہ بے آرام نیست

جو شخص کہ تیری زلف کے ساتھ جال میں نہیں ہے۔ مانند میرے ہمیشہ بے آرام نہیں ہے۔

گرچہ باشد سرو ہم بالائے تو — راستی را چون تو در اندام نیست

اگرچہ سیدھے ہونے میں سرو تیرا ہمقد ہے۔ لیکن جسم میں تیری مثال نہیں ہے

در ازل آغاز کرد ابن یمین — مستیٔ کش تا ابد انجام نیست

ازل میں ابن یمین نے ایسی مستی شروع کی کہ ابد تک ختم نہیں ہو سکتی

اس کی بعض غزلوں میں ایسے اشعار بھی نظر آتے ہیں۔ جن سے حافظ کے

سالہا شد کہ لبود اے تو سر میسازم زا رمیسوزم و باد ر و غمت میسازم

برسوں ہو گئے کہ میں تیرا سودا سر میں رکھتا ہوں۔ خوب جلتا ہوں اور تیرے غم کے درد کیساتھ موافقت کرتا ہوں۔

براہ راست سعدی کی طرز کے اشعار یہ ہیں۔

اے از تو ہزار فتنہ برپا ئے بنشین و قبا ے بستہ بکشائے

اے معشوق جس سے ہزاروں فتنے برپا ہیں بیٹھ اور بند قبا کھول۔

از آئینہ دل سیاہم زنگے کز ہجر تست بزدا ے

میرے سیاہ دل کے آئینہ پر جو زنگ تیرے ہجر سے لگ گیا ہے اس کو چھیل ڈال۔

چوں از لب تو سخن سرایم طوطی نبود چو من شکر خائے

جب میں تیرے لب کا ذکر کرتا ہوں تو میری طرح طوطی بھی شکر خا نہیں ہوتا۔

اس کی پندرہ رباعیاں بھی ہیں۔ چونکہ تحقیقی طور پر کوئی علامت ایسی نہیں ملتی۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ ابن یمین کی ہیں اور آقائے دھخدا کا خیال ہے۔ کہ اون میں سے کوئی رباعی ابن یمین کی کہی ہوئی نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس کے نمونوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔

ابن یمین کو نثر لکھنے میں بھی مہارت حاصل ہے۔ اور اپنے دیوان پر اس نے جو مقدمہ لکھا ہے۔ اس میں اس مہارت کو اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

نظم و نثر کا حال تو یہی ہے۔ جس کا ذکر تھوڑا سا ہوا۔ لیکن چونکہ اکثر اصحاب معانی کو شعر کے ساتھ انس اور شعرا کی ہمنشینی کی خواہش ہے۔ اس ضعیف نے نثر میں بھی اگرچہ اس کے محاسن سے بے بہرہ ہے۔ بادشاہوں کے اشارے سے فرامین لکھے ہیں اور آقاوؤں اور دوستوں کے اصرار کو اپنے مکتوبات و رسائل میں پورا کیا ہے اور مخدوموں اور دوستوں کے ساتھ خط و کتابت کی ہے اور اس بیاض کے چند ورق پر اس کے

ان میں سے کوئی عبارت نظر نہیں آتی۔ اس کی نثر کا نمونہ صرف یہی دیباچہ ہے۔ جس کو اس نے اپنے پہلے دیوان کے گم ہونے کے بیان میں لکھا ہے۔ جو اس زمانے کے طرز کے مطابق پیچیدہ اور مغلق الفاظ و عبارت سے خالی نہیں ہے۔ البتہ وہ اس کی مہارت اور وسعت نظر کی دلیل ہو سکتا ہے۔

ابن یمین اگرچہ قصیدہ اور غزل میں اول درجہ کا شاعر نہیں ہے۔ لیکن اخلاقیات میں اس نے نہایت بلند مرتبہ حاصل کیا ہے اور اس کے اخلاقی قطعات کو فارسی شاعری کے برجستہ نمونوں میں شمار کر سکتے ہیں۔ اس نے صرف اشاعت اخلاق کے لیئے شاعری کی ہے۔ خود شاعری اس کے نزدیک کوئی قابل اعتبار چیز نہیں ہے۔

من نہ آنم کہ بجز شعر ندارم ہنرے　　　عیب من ہمت والام ہمین مے دانند

میں وہ نہیں ہوں کہ شعر اس کے سوا کوئی دوسرا ہنر نہیں رکھتا۔ اس کو میری ہمت بلند عیب خیال کرتی ہے۔

اس نے صرف روزمرہ کی ضروریات کے لیئے قصیدہ اور غزل لکھا ہے۔ ورنہ زیادہ تر اس کی توجہ پند و نصیحت اور اخلاقی تعلیم کی طرف رہی ہے۔ چنانچہ جب کبھی اس کو ان ضروریات سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ تو اس نے تھوڑی دیر کے لیئے آرام حاصل کیا ہے اور غزل قصیدہ اور تمام انواع شاعری سے علیحدگی اختیار کی ہے اور بزرگوارانہ کہا ہے۔

غزل از پے ہوس بود قصائد از طمع　　　نہ طمع ماند کنون در دل تنگم نہ ہوس

غزل ہوس کا اور قصائد حرص کا نتیجہ تھے۔ لیکن اب میرے دل تنگ میں نہ حرص ہے نہ ہوس

بر مراثی و ہجا نیز گرائش نکند　　　بر دل افشاندن از فکرت باریک قبس

باریک خیالات کی شعلہ افشانی سے مراثی و ہجا کی طرف بھی دل مائل نہیں ہوتا

نہیں۔

صحت وجہ معاش و ہمہ اسباب بکام — ناسپاسی مکن انصاف بدہ نیست بس

صحت وجہ معاش اور تمام چیزیں حسب خواہش موجود ہیں۔ ناشکری مت کر۔ انصاف کر کیا یہ تیرے لئے کافی نہیں۔

اس قسم کی آسائشیں اگرچہ اس کی زندگی میں بہت کم حاصل ہوئیں۔ لیکن کبھی کبھی اس کو یہ نعمت مل گئی ہے۔ اور گویا وہ اس کی زندگی کے پر از مصائب میدان کی منزلیں تھیں اور ہم اسی منزل پر اس کے حالات زندگی کو بھی ختم کئے دیتے ہیں۔

تمام شد

تاریخ افغانستان

سید جمال الدین افغانی کی تاریخ کا اردو ترجمہ جو مولانا محمود علی خاں صاحب انڈر سکریٹری محکمہ تعلیم ریاست بھوپال کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ مصنف مرحوم سید جمال الدین افغانی امت مسلمہ کے ان مایۂ ناز فرزندوں میں ہیں جن کی ذات پر دنیا قیامت تک فخر کریگی۔ سید موصوف کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر لحظہ صرف امت اسلامیہ کی خدمت میں بسر ہوا۔ حکومتوں کی جفائیں۔ قوموں کی دراز دستیاں اور اپنی قوم کی سرد مہریاں اس حریتِ اسلام کے پروانے کی گرمجوشیوں میں کوئی کمی پیدا نہ کر سکیں اور وہ غازی مرد اور قلم کا دھنی۔ ہمت کا پہاڑ اور جوش کا بے پایاں سمندر جس مقصد کو لے کر اٹھا تھا۔ اگرچہ اپنی زندگی میں اس کو پروان نہ چڑھا سکا۔ لیکن آج اتحاد اسلامی عالمگیر خلافت اور تنظیم قوائے ملیہ کی تمام صدائیں اور نعرے اسی نقیب امت کی آوازوں کی صدائے بازگشت ہے۔ اتحاد اسلامی اور پین اسلام ازم کا موجد اور موسس سید جمال الدین افغانی تھا۔ یہ کتاب سید مرحوم نے افغانستان کی سوتی بستی کو جگانے کے لئے لکھی اور کون کہہ سکتا ہے۔ کہ آج افغانستان کی محیر العقول ترقیاں اور حیرت انگیز سیاست دانیاں بہت حد تک اس کتاب کی روح افزا اور ہوش آور تعلیم کی مرہون منت ہیں۔ یہ افغانستان کی مکمل تاریخ ہے۔ اور اس قدر مدلل اور سبق آموز کہ انسان پڑھتا ہے۔ اور سید موصوف کی تاریخی وسعت معلومات اور سیاست دانی کی بے اختیار داد دیتا ہے۔ انگریزی سفیر کی افسوسناک فریب کاریاں جس کے ذریعہ سے انگریزوں نے افغانستان کو فتح کیا۔ اس داستان کے سلسلہ کی نمایاں کڑی ہے۔ یہ الفاظ سید جمال الدین کی تصنیف کے تعارف کے لئے بالکل غیر ضروری تھے۔ تاہم ناواقف لوگوں کے لئے اس کوتاہ بیانی کی ضرورت تھی قیمت ایک روپیہ چار آنے (عہ)

ملنے کا پتہ

منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ منڈی بہاؤالدین پنجاب

دربارِ علم

اس کتاب میں تحقیقات اکتشافات کو طرز جدید میں ظاہر کیا گیا ہے۔ عالم خیال میں دربار علم کا انعقاد اور افتتاحی تقریر۔ پھر تاریخی طور پر حضرت علم کا تعارف مقامات واوصاف ان کا عروج بغداد وقرطبہ۔ حضرت امام اعظم کی تقریر۔ تدوین وترتیب فقہ اسرار حقہ کا بیان تقلید کی ضرورت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ دوسرے دربار میں حضرت غوث الاعظم کی تقریر اسرار ومقامات تصوف کا بیان۔ شریعت وطریقت کی تعریف۔ عبادت وریاضت ومجاہدات۔ فقر وفنا تجرد وصول الی اللہ کے اسرار اور تعلیم باطن کی ضرورت کا ذکر ہے۔ تیسرے دربار میں فخر الائمہ امام رازی کی تقریر درج ہے جس میں اختلافات اُمت۔ اشاعرہ معتزلہ وغیرہ کا اختلاف درج ہے۔ چوتھے دربار میں علامہ امام غزالی کی تقریر بعثت سرکار عالم کی ضروری ابحاث اور ضرورت کا بیان ہے پانچویں دربار میں علامہ محدث دہلوی کی تقریر ہے۔ جس میں کتاب اللہ اور کتاب الرسول کی تعلیم کا ذکر اور بیان ہوا ہے حدیث کی ضرورت اور اقسام پر مفصل بحث ہے۔ چھٹے دربار میں علامہ حضرت بحر العلوم کی تقریر ارکان اسلام۔ اسرار وفلسفہ۔ عبادات نہایت تفصیل وشرح سے مندرج ہے ساتویں دربار میں حضرت علامہ بدایونی کی سرکار عالم اثبات رسالت وضرورت نبوت کی مفصل بحث ہے آخر پر حضرت علم کی اپنی تقریر ہے جس میں موجودہ تعلیم وتدریس کی بدعنوانیاں۔ علما وطلبا۔ شان تعلیم وتعلم کا نہ رہنا۔ آزادی کا بڑھنا وغیرہ موجودہ خرابیوں کا ذکر کر کے اس کا علاج تجویز کیا گیا ہے قیمت عہ

حیاتِ حالی

شمس العلما مولینا الطاف حسین صاحب حالی کے باتصویر حالات زندگی۔ قیمت چھ آنے (۶ر)

حیاتِ داغ

ملک الشعرا جہان اُستاد مرزا داغ دہلوی کے باتصویر حالات زندگی۔ قیمت چھ آنے (۶ر)

میلاد النبی صلعم

یعنی سرور کائنات فخر موجودات حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی۔ قیمت ۱۲ اس

شمس تبریز رح

مولانا روم کے مرشد حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی کے حالات وخوارق عادات۔ قیمت ۶

سیرۃ النعمان رض

حضرت امام اعظم نعمان بن ثابت کے حالات زندگی میں بہترین کتاب۔ قیمت چار آنے (۴ر)

امام مسلم رح

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی پاک زندگی کے حالات میں قابل دید کتاب۔ قیمت چار آنے (۴ر)

رموز شادی خانہ آبادی

مرتبہ ومولفہ خان محمد خلیل خاں صاحب سب انسپکٹر پولیس متعینہ ضلع گجرات یوں تو شادی خانہ آبادی پر انگریزی اور اُردو زبان میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور بہت سے مصنفین نے اپنے اپنے خیالات اور تجارب ظاہر کئے ہیں۔ مگر جو جو خوبیاں اور صحیح

میزان عمل

ہیں کہ آپ کسی مزید معرفی کی احتیاج نہیں۔ سعادت اخروی کے حصول
کون مسلمان ہے جو دل سے آرزومند نہیں لیکن بہت کم لوگ اس کے طر
حصول سے ناواقف ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ شریعت۔ طریقت اور حقیقت تینوں مملکتوں کے با
تھے اس کے ساتھ ہی اہل قلم تھے اس لئے ان سے بہتر اس رستہ کا واقف اور کوئی نہیں۔ اور جو لوگ قیام
کے روز سرخرو ہونے کے متمنی ہیں اور اس دنیا میں عزت و سربلندی سے زندگی بسر کرنے کے خواہ
انہیں اس کتاب سے بہتر اور کتاب دستیاب نہ ہو گی۔

اس کتاب میں امام موصوف نے نہایت مدلل اور مفصل طور پر بیان فرمایا ہے کہ سعادت اخروی
حصول میں کوتاہی حماقت ہے اس لئے اس کی جانب گام فرسا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اور اس
طریقہ یہ ہے کہ علم و عمل میں سرگرم و مشغول ہو جائے۔ قیامت کے متعلق لوگوں کی مختلف رائیں کیا
علم و عمل سے تزکیہ نفوس مراد ہے، اس کا طریق انسانی قوی اور روح و جسم اخلاق کی صورت، ا
اصلاح، علم و عمل کے بغیر جنت میں داخل ہونے کی اہلیت خیال موہوم ہے، خواہشات اور روح کی
اور کامیابی کا طریقہ۔ جملہ فضائل کی تفصیل، نیکی اور بدی کی محرک قوتیں۔ مال و دولت کے حصول کا
اور طریق وغیرہ وغیرہ۔ غرض دنیا جہان کی کل کامیابیوں کی یہ کتاب کلید ہے۔ آخر میں مذاہب کے اسباب
عمدہ بیان ہے، جو موجودہ عہد کی فرقہ بندیوں کی قلعی کھولتا ہے۔ امام غزالیؒ کی تعریف تو نا ممکن
ان کا نام ہی خود تعریف و توصیف ہے۔ اس کا ترجمہ ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز بی۔ اے نے ک
جن کے قلم کے نتائج صوفی کے اوراق کی زینت ہوا کرتے تھے۔ ترجمہ با محاورہ سلیس اور بے عیب
اور کتاب کے مطالعہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کسی زبان کا ترجمہ ہے۔ اور یہی ترجمے کی خوبی
طباعت و کتابت دیدہ زیب۔ قیمت عمہ

انسان کامل

مصنفہ عارف ربانی معدن صمدانی حضرت سید عبد الکریم بن ابراہیم جیلا
یہ کتاب زبان عربی میں تصوف کی نہایت مشہور کتاب ہے۔ جس میں
الٰہیات۔ علویات و روحانیات کے نہایت جلیل القدر مقاصد کو شرح
بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ذات و صفات۔ عماء و السماء۔ انیت و ہویت۔ احدیت و الوہ
سریر و تاج۔ عرش و کرسی۔ لوح محفوظ۔ سدرۃ المنتہی۔ روح و قلب۔ ازل و ابد وغیرہ کے حقا
و معارف و اسرار معانی نہایت خوش اسلوبی سے بیان کئے گئے ہیں۔ ترجمہ ایک فاضل ماہر زبان ع
و رموز و نکات تصوف نے کیا ہے۔ قیمت عاصر

عرفان کی پہلی تجلی

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ کے حالات زندگی میں بہترین کتاب ہے۔ قیمت ۱۰ر

میر درد دہلوی

ہندوستان کے مشہور صوفی اور اہل دل شاعر حضرت خ
میر درد دہلوی کے حالات زندگی۔ قیمت ۲